

سلسلہ مطبوعاتِ کتابخانہ ریاست رامپور — نمبر ۱

HINDUSTANI ACADEMY
Urdu Section

Library No.....
Date of Receipt.....

آغا: لیب مکاسب

نجم الدولہ دبیر الملک میرزا اسد اللہ خان بہادر نظام جنگِ دہلوی متخلص بہ
غالب کے اون عرایض و خطوط کا مجموعہ جو نواب فردوس مکان،
نواب خلد آشیان (طابَ ثراہما) یا دیگر وابستگانِ
دربار کی خدمت میں لکھے گئے تھے

باضافہ

مقدمہ و حواشی از

امتیاز علی عرشی

ناظم کتابخانہ ریاست رامپور

حسب الحکم فرمانروایِ رامپور دام اقبالہم و ملکہم

مطبوعہ قیمہ - بمبئی

(مالکان : شرف الدین الکتبی و اولادہ)

۱۹۳۷

طبع اول ۱۹۳۷ ع

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

فہرستِ مضامین

صفحہ	
۹ - ۵	تقریبِ کتاب دیباچہ:
۱۶ - ۱۱	تمہید
۳۸ - ۱۷	سرگذشتِ غالب
۴۴ - ۳۹	تصانیف
۴۶ - ۴۵	تلامذہ
۴۷	لوازماتِ امارت
۵۷ - ۴۸	انگریزی تعلقات
۵۹ - ۵۸	بہادر شاہ ظفر سی تعلقات
۱۱۳ - ۶۰	تعلقاتِ رامپور
۱۵۷ - ۱۱۴	انشای غالب
۱۶۴ - ۱۵۸	متعلقاتِ انشا
۱۸۳ - ۱۶۵	طباعتِ خطوط
۴۷ - ۱	بحضورِ نواب فردوس مکان، طابِ ثراہ
۱۰۸ - ۴۸	بحضورِ نواب خلد آشیان، طابِ ثراہ
۱۱۱ - ۱۰۹	بخدمتِ نواب سید زین العابدین خان بہادر
۱۱۶ - ۱۱۲	بمطالعہٴ منشی سیلچند صاحب میر منشی
۱۱۹ - ۱۱۷	بنامِ خلیفہ احمد علی صاحب احمد رامپوری
۱۲۱ - ۱۲۰	بنامِ مولوی محمد حسن خان مالک مطبع
۱۲۸ - ۱۲۳	فہرستِ اشخاص و قبائل
۱۳۰ - ۱۲۹	فہرستِ مقامات
۱۳۲ - ۱۳۱	فہرستِ کتب و اخبارات
۱۳۵ - ۱۳۳	تصحیح و استدراک

(فہرستِ تصاویر پشت پر)

فهرستِ تصاویر

مقابل صفحه

- ۱ - شبیهِ نجم الدوله دیرالملک اسد الله خان بهادر نظام جنگ
متخلص به غالب ۱۷ دیاچه
- ۲ - عکسِ خطِ میرزا اسد الله خان غالب دهلوی محفوظه
دارالانشاء ۱۴۶ دیاچه
- ۳ - شبیهِ مبارک جناب نواب سید محمد یوسف علیخان بهادر
فردوس مکان، طاب ثراه ۱
- ۴ - شبیهِ مبارک جناب نواب سید محمد کلب علیخان بهادر
خلد آشیان، طاب ثراه ۴۸



باسمہ

تقریب

سنہ ۱۸۵۷ ع کے « رستخیزِ بیجا » سے ہندوستان کی جو ریاستیں محفوظ رہیں، ان میں روہیلکھنڈ کی واحد اسلامی ریاست « مصطفیٰ آباد » عرف رامپور مشرقی علم و ادب کی سرپرستی کے اعتبار سے ممتاز ترین درجہ کی مالک ہے۔ یہ ریاست بارہویں صدی ہجری میں جانباز روہیلوں کی مردانہ کاریوں کی بدولت قائم ہوئی، اور چند سال کے اندر اپنے خوش بخت فرمانروا نواب سید علی محمد خان بہادر کے اقبال کی تائید سے روہیلکھنڈ کے طول و عرض پر چھا گئی۔ لیکن ابھی اسکی بنیاد کا حقہ استوار نہونے پائی تھی، کہ ۱۱۶۲ھ (۱۷۴۹ ع) میں نواب سید علی محمد خان بہادر کا انتقال ہو گیا۔ حافظ رحمت خان بہادر نے دیگر روہیلہ سرداروں کے مشورہ سے انکے فرزندِ سوم نواب سید سعد اللہ خان بہادر کو، جو ابھی صغیر السن تھے، تخت نشین کر دیا۔ سلطنتِ اودھ روہیلوں کے روز افزون اقتدار و تسلط کو خطرہ کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ اوسنے اس نازک وقت سے فائدہ اوٹھایا، اور اپنی متواتر چند سال کی جارحانہ مخالفت سے روہیلکھنڈ کی طویل و عریض سلطنت کو ریاست رامپور کی مختصر چار دیواری میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔

اس پر آشوب عہد میں حکومتِ انگلشیہ کے زیرِ حمایت نواب سید فیض اللہ خان بہادر عرشِ منزلِ مسندِ آبائی پر متمکن ہوئے۔ آپ میں وہ تمام صفاتِ حسنہ، جو ایک معدلت گستر حکمران کا طرہ امتیاز شمار کیجاتی ہیں، بوجہ اتم موجود تھیں۔ اسلئے آپ نے اپنی دانشِ شاہانہ سے کام لیکر روہیلوں کی منتشر قوت کو یکجا کیا، تعلیم و تربیتِ رعایا کیلئے عربک کالج

(مدرسہ عالیہ) قائم کر کے ملا حسن فرنگی محلی اور بعد ازان بحر العلوم مولانا عبد العلی لکھنوی کو اوسکا پرنسپل مقرر فرمایا، اور جوڈیشل ڈپارٹمنٹ (محکمہ قضا) کیلئے «فتاویٰ فیض اللہ خانی» مرتب کرایا۔ لیکن ابھی عروج ستارۂ اقبال کی امیدِ مردہ پوری طرح زندہ نہونے پائی تھی کہ ذیحجہ سنہ ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۴ع) میں نواب عرش منزل نے قضا کی۔

روہیلون نے آپ کے فرزندِ اکبر نواب سید محمد علیخان بہادر کو اپنا حکمران تسلیم کیا۔ مگر یہ نیا دور ایک افسوسناک حادثہ کے باعث بہت جلد ختم ہو گیا، اور محرم سنہ ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) میں بجائے آپ کے نواب عرش منزل کے فرزندِ دوم نواب سید غلام محمد خان بہادر مسند نشین ہوئے۔ حکومتِ اودھ روہیلون کی مجتمعه قوت کو پھر خائفانہ نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ اوس نے اس معاملہ میں بیجا مداخلت کی، اور نواب سید محمد علیخان بہادر کا خون بہا طلب کرنے کے بہانے سے رامپور پر فوج کشی کر دی۔ سوء اتفاق سے روہیلون کو شکست ہو گئی۔ نواب سید احمد علیخان بہادر ابن نواب سید محمد علیخان بہادر، جو ابھی خورد سال تھے، صاحبزادہ سید نصر اللہ خان بہادر کی سرپرستی میں والی بنائے گئے، اور نواب سید غلام محمد خان بہادر اور اونکی اولاد رامپور سے باہر رہنے پر مجبور ہوئی۔ لیکن خدا شری برانگیزد کہ خیرِ ما دران باشد

ان حضرات کی ظاہری محرومیِ تخت و تاج انکی آئندہ عظمت و شہرت کا سبب بن گئی۔

سنہ ۱۲۵۶ھ (۱۸۴۰ع) میں نواب سید احمد علیخان بہادر فوت ہوئے، اور اونکی اکلوتی صاحبزادی شمسہ تاجدار بیگم صاحبہ کی حکومت تسلیم کرنے سے روہیلہ سرداروں نے انکار کر دیا۔ حکومتِ انگلشیہ کے تدبیر نے نواب سید غلام محمد خان بہادر کے خلف الرشید نواب سید محمد سعید خان بہادر جنت

آرامگاہ کو اس وراثتِ آبائی کا حقدار قرار دیا۔

نواب جنت آرامگاہ نے سنِ شعور کو پہنچکر حکومتِ انگلشیہ کو شرفِ خدمت بخشا تھا، اور اپنی کردانی و قابلیتِ انتظامی کی بدولت ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ کی عزت افزائی فرما چکے تھے۔ آپ نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لیکر سب سے پہلے ریاست کی تنظیمِ جدید کیطرف توجہ مبذول فرمائی، اور فوج، پولیس، اور محکمہ مال کیلئے نئے قوانین و ضوابط مقرر فرما کر روہیلوں کے غیر منظم جرگہ کو آئینی ریاست کے قالب میں ڈھال دیا۔

انتظامی امور سے فارغ ہو کر نواب جنت آرامگاہ نے سرپرستیِ علم و ادب کی طرف قدم اوٹھایا۔ مولانا فضلِ حق خیر آبادی، ملک الشعرا مہدی علیخان ذکی مراد آبادی، حکیم احمد خان فاخر رامپوری اور دیگر علما و ادبا مختلف کتابوں کی تالیف و ترجمہ پر مامور ہوئے۔ لیکن یہ پودا پروان چڑھنے نہ پایا تھا کہ سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ع) میں نواب جنت آرامگاہ نے وفات پائی۔

آپ کے بعد نواب سید محمد یوسف علیخان بہادر فردوس مکان نے تاجِ ریاست زیبِ سر فرمایا۔ آپ نواب جنت آرامگاہ کی تخت نشینی سے قبل دہلی میں قیام پزیر ہوئے تھے، اور مولانا فضلِ حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین خان آزرده، اور میرزا اسد اللہ خان غالب سے علومِ عربی و فارسی کی تحصیل فرما چکے تھے۔ آپ کی تخت نشینی کے دو سال بعد ہندوستان نے حکومتِ انگلشیہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ نواب فردوس مکان نے اس موقع پر حکومت کی حمایت و ہمدردی میں بیش بہا خدمات انجام دیں، اور غدر فرو ہو جانے پر آفت رسیدہ علما، شعرا، ادبا اور دیگر اہلِ ہنر کیلئے اپنے سایہٴ عاطفت و پرورش کو وسیع فرمادیا۔

نواب فردوس مکان کے دامنِ جود و سخا میں پناہ لینے والے حضرات کی طویل فہرست میں، مفتی محمد سعد اللہ مراد آبادی، میرزا اسد اللہ خان

غالب دہلوی، منشی مظفر علیخان اسیر لکھنوی، منشی امیر احمد امیر مینائی، صاحب عالم میرزا رحیم الدین بہادر حیا دہلوی، شیخ علی بخش بیار، میر عوض علی عدیل ملیح آبادی خوش نویس نستعلیق، اور منشی انبا پرشاد لکھنوی داستانگو وہ ممتاز ہستیان ہیں جن سے ارباب علم و ادب بخوبی واقف ہیں۔

لیکن ان تمام صاحبان فضل و کمال میں نجم الدولہ دیرالملک میرزا اسد اللہ خان بہادر غالب دہلوی کو یہ خصوصیت حاصل تھی، کہ آغاز سنہ ۵۷ ع میں مولانا فضل حق خیرآبادی کی وساطت سے نواب فردوس مکان نے انہیں فن سخن میں اپنا مشیر خاص مقرر فرمایا تھا۔ ابتداءً نواب فردوس مکان وقتی عطیات سے میرزا صاحب کی امداد فرماتے رہتے تھے۔ لیکن غدر کے بعد انکی پنشن بند ہو گئی تو نواب صاحب نے جولائی سنہ ۵۹ ع سے سو روپیہ ماہوار تنخواہ جاری فرمادی تھی، جو انکے انتقال کے بعد نواب خلد آشیان کے خزانہ سے ملتی رہی، اور میرزا صاحب کی وفات پر انکے متبنے حسین علیخان شادان کے وظیفہ کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔

اس رشتہ کی بدولت سنہ ۱۸۵۷ ع سے سنہ ۱۸۶۹ ع تک دربار رامپور اور میرزا غالب کے درمیان سلسلہ مراسلت جاری رہا۔ اس مراسلت کا معتد بہ حصہ محکمہ عالیہ دارالانشا (پولیٹیکل ریکارڈس آفس) رامپور، میں محفوظ تھا۔ سنہ ۱۹۳۵ ع میں احقر نے، اعلیٰ حضرت بندگانِ حضور پر نور کپتان ہز ہائنس عالیجاہ، فرزندِ دلپزیرِ دولتِ انگلشیہ، مخلص الدولہ ناصر الملک امیر الامرا نواب سید محمد رضا علیخان بہادر مستعد جنگ، کے سی۔ ایس۔ آئی، فرمانروایِ رامپور دام اقبالہم و ملکہم کی توجہ ہمایون اس نادر و نایاب ذخیرہ کی اشاعت کیطرف مبذول کرنے کی جرات کی۔

بندگانِ اعلیٰ حضرت کی ذاتِ گرامی اپنے آبائی کرام کی طرح سرپرستی علوم و آداب میں عموماً، اور پرورشِ زبانِ اردو میں خصوصاً اقران و امثال

میں ممتاز ہے۔ بنا برین حکمِ عالی نافذ ہوا کہ اس مجموعہ کو باحسنِ وجوہ مرتب کر کے افادۂ اربابِ ذوق کیلئے شایع کر دیا جائے۔

میں نے مولوی امتیاز علی عرشی (ناظمِ کتب خانہ رامپور) کو، جن میں علمی قابلیت، ذوقِ سلیم، اور علم و ادب کی عملی خدمت کے جذبات جمع ہیں، اور مجھے ان سے آئندہ کیلئے بہت بلند اور خوش آئند توقعات ہیں، اس ادبی خدمت کے سرانجام پر مامور کیا، اور وقتاً فوقتاً مناسب ہدایات اور مشورے دیتا رہا۔ انکی مسلسل دو سال کی سعی و جانفشانی کے بعد آج یہ مجموعہ اس قابل ہوا ہے، کہ اعلیٰ حضرت شہریارِ رامپور دام اقبالہم و ملکہم کے حضور میں اس گزارش کیساتھ پیش کیا جاسکے، کہ

لایق نبود قطره بدریا بردن خار و خسِ صحرا بگلستان بردن
اما چہ کنم کہ رسمِ موری باشد پایِ ملخی پیشِ سلیمان بردن
التجا ہے کہ یہ حقیر کوشش شرفِ قبولیت سے مفتخر کیجائے، کہ یہی اسکی قبولیتِ عامہ کا پیش خیمہ ہوگا۔

خدا سرکار کی عمر دراز کرے، اور جاہ و جلال و اقبال زیادہ فرمائے، تا کہ اس مبارک عہد میں اہم سے اہم اور زیادہ سے زیادہ علمی خدمات انجام پائیں۔ آمین۔

بشیر حسین زیدی

چیف منسٹر رامپور اسٹیٹ

رنگ محل پلس۔ رامپور اسٹیٹ۔

۱۷ مارچ سنہ ۱۹۳۷ ع۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیاجہ

نحمدہ و نستعینہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تمہید

سنہ ۱۹۳۵ ع میں جنابِ معلی القاب عالمِ تربیت سید بشیر حسین صاحب بہادر زیدی، چیف منسٹر ریاست رامپور، نے حقیر عرشی کو حکم دیا، کہ ہندوگانِ اعلیٰ حضرت ہز ہائنس کپتان عالیجاہ، فرزندِ دلپزیرِ دولتِ انگلشیہ، مخلص الدولہ ناصر الملک امیر الامرا، نواب سید محمد رضا علیخان بہادر مستعد جنگ فرمانروایِ رامپور دام اقبالہم و ملکہم کے ایمایِ ہمایون کے مطابق، میرزا اسد اللہ خان بہادر غالب دہلوی کے مکاتیب، جو موصوف نے نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان (طاب ثراہما) یا دیگر وابستگانِ دربار کے نام لکھے تھے، اور عرصہ سے محکمۂ عالیہ دارالانشا میں محفوظ تھے، ضروری حواشی اور ایک سیر حاصل مقدمہ کیساتھ مرتب کروں۔

میری علی بے بضاعتی اس بارِ گران کی کسی طرح متحمل نہ تھی، اور دامنِ ہمت اس شرفِ بے پایاں کے احاطہ سے کوتاہ نظر آتا تھا۔ مگر بمقتضایِ

من درین رتبہ از کجا؟ لیکن * مور پروردہ سلیمان است

بتعمیلِ حکم ترتیبِ مکاتیب کا کام شروع کیا، اور مسلسل دو سال کی شب و روز کی محنت کے بعد اس مجموعہ کی ترتیب کے فریضہ سے سبکدوش ہوا۔ مجھے اسکا اعتراف ہے کہ میرزا غالب کے سہلِ ممتنع مکتوبات پر حواشی

کا اضافہ ریشمی لباس میں ٹاٹ کا پیوند لگانا، اور اونکی انشا پر اظہارِ رای آفتاب کو دنیا سے روشناس بنانا ہے۔ تاہم اسکی قبولیت کا خواستگار، اور یہ سوچکر کہ قبولیت کے لئے نازِ خوبی سے زیادہ نیازِ خلوص کی ضرورت ہے، جو میرا واحد سرمایہٴ حیات ہے، اپنی مراد کے حصول کا امیدوار ہوں۔

دیاچہ کی ضرورت

میرزا غالب مرحوم کے سوانحِ حیات اور کلامِ نظم و نثر کا انداز و مرتبہ سمجھنے کیلئے خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کی »یادگارِ غالب« مولانا غلام رسول مہر کی »غالب« اور مسٹر محمد اکرام، ایم، اے، کی تازہ ترین کتاب »غالب نامہ« عصرِ حاضر کی وہ مایہ ناز تصنیفات ہیں، جنکے بعد اس مضمون پر کسی مطوّل یا مختصر تالیف کی ضرورت عرصہ تک محسوس نہیں کیجائیگی۔ اسلئے کہ ان حضرات نے اندرونی و بیرونی شہادتوں پر اپنے بیانات کی بنیاد استوار کی ہے، جسکے باعث انکا مطالعہ کرنیوالا میرزا صاحب کی مادی و فکری دنیا میں باریاب ہونیکا شرف حاصل کر لیتا ہے، اور یہی ایک شاعر و مفکر کے خیالات سمجھنے کا بلند ترین درجہ ہے۔ لیکن با اینہم میرے لئے ناگزیر ہے کہ میرزا صاحب کے حالاتِ زندگی اور انشائی اردو کی خصوصیات پر خامہ فرسائی کروں۔

اولاً اسلئے کہ ضروری مواد دستیاب نہونیکے باعث مذکورہ بالا تصنیفات میرزا صاحب کے تعلقاتِ رامپور پر، جو اونکی آخری زندگی کا اہم باب ہے، کاحقہ روشنی ڈالنے سے قاصر نظر آتی ہیں:

ثانیاً اسلئے کہ ان تالیفات کا دائرہ میرزا صاحب کی ساری کائناتِ ادب کو محیط ہے، جسکے سبب سے ان میں خاص انشائی اردو سے سیر حاصل بحث نہیں کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ صنفِ ادب اونکی خصوصیتِ خاصہ تسلیم کی گئی ہے، جس میں ہندوستان کا کوئی ادیب، بغیر استثنا، آجتک شرکت

کی جرات نہیں کر سکا ہے۔

ثالثاً اسلئے کہ خود میرزا غالب نے ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو نواب فردوس مکان کی خدمت میں عرض کیا تھا، کہ میری یہ آرزو ہے کہ ولی نعمت کو اپنی ساری روداد سنا دون، تا کہ کسی طرح کا پردہ درمیان نہ رہے۔ میرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

”ہر آئینہ در دل چنان گزشت، کہ درین باربد انسان سخن سراى توان گشت، کہ مرگزشت من از ولی نعمت نہان و حجابی درمیان نہاند۔“ (۱)

دیباچہ کی مباحث

لیکن میرزا صاحب کے سوانح لکھتے وقت اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے، کہ صرف وہی واقعات بیان کیے جائیں جو خود میرزا صاحب نے ان مکاتیب میں دربارِ رامپور یا وابستگانِ دربار کو تحریر کیے تھے اور عام حالات سے، جو اردویِ معلیٰ یا عودِ ہندی وغیرہ میں مذکور ہیں، قطعاً بحث نہ کی جائے۔ البتہ تعلقاتِ رامپور کی بنا میرزا صاحب کی تمام اردو فارسی تحریروں پر رکھی گئی ہے۔ کیونکہ اس موضوع سے کسی بزرگ نے تفصیلی بحث نہیں کی تھی۔

میرزا صاحب کے حالاتِ زندگی کے بعد اونکی انشائیِ اردو کے انداز، اور اوسکے اجزا کی خصوصیات سے علیحدہ علیحدہ تفصیلی بحث کی گئی ہے، اور کوشش کی ہے کہ حتی الامکان زیرِ نظر مکاتیب سے مثالیں مہیا کی جائیں۔ لیکن اردویِ معلیٰ اور عودِ ہندی کو بھی ہر جگہ پیشِ نگاہ رکھا ہے، اور نئی امثلہ کیساتھ ساتھ قدیم نظائر بھی درج کی ہیں۔ اس ضمن میں بعض ایسی چیزیں بھی زیرِ بحث آئی ہیں، جنکا تعلق انشا سے زیادہ میرزا صاحب کے عادات و خصائل یا عام حالات سے تھا۔ لیکن، جیسا کہ ابھی عرض کیا جا چکا ہے، دیباچہٗ ہذا میں عنوانِ سرگزشت کے ماتحت صرف وہی حالات

لکھے گئے ہیں، جنکا ذکر اس مجمدعہ کے مکاتیب میں ہوا ہے، دیگر تمام عام حالات نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں یہی مناسب نظر آیا کہ ان مباحث کو انشا کے ساتھ بیان کیا جائے۔ چونکہ ان کا انشا سے بھی کافی تعلق ہے، اسلئے امید ہے کہ مطالعہ کیوقت بے محل معلوم نہ ہونگے۔

ماخذ دیباچہ و حواشی

حواشی اور دیباچہ کی ترتیب میں جن کتابوں سے امداد حاصل کی گئی ہے، اونکے اسما اور سنین طباعت حسب ذیل ہیں:

- (۱) - اردوی معلی، طبع اول، اکمل المطابع دہلی سنہ ۱۲۸۵ ھ (۱۸۶۹ ع)۔
- (۲) - ایضاً، طبع لاہور سنہ ۱۹۲۶ ع۔
- (۳) - عودِ ہندی، طبع اول، مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ ھ۔
- (۴) - کلیاتِ نظمِ فارسی، طبع اول، مطبع نولکشور سنہ ۱۲۷۹ ھ (۱۸۶۳ ع)۔
- (۵) - کلیاتِ نثرِ فارسی، طبع دوم، مطبع نولکشور سنہ ۱۸۷۱ ع۔
- (۶) - قاطعِ برہان، طبع اول، مطبع نولکشور سنہ ۱۲۷۸ ھ (۱۸۶۲ ع)۔
- (۷) - ابرِ گہر بار، طبع اول، اکمل المطابع دہلی سنہ ۱۲۸۰ ھ۔
- (۸) - دیوانِ غالب مع شرحِ نظامی، مطبوعہ نظامی پریس بدایون سنہ ۱۹۲۲ ع۔
- (۹) - یادگارِ غالب، مطبوعہ نامی پریس کانپور سنہ ۱۸۹۷ ع۔
- (۱۰) - غالب، مصنفہ مولانا مہر، طبع لاہور سنہ ۱۹۳۶ ع۔
- (۱۱) - خزانہ عامرہ، مصنفہ آزادِ بلگرامی، مطبوعہ نولکشور پریس کانپور سنہ ۱۸۷۱ ع۔
- (۱۲) - انتخابِ یادگار، مصنفہ امیرِ مینائی، مطبوعہ رامپور سنہ ۱۲۹۰ ھ۔
- (۱۳) - اخبار الصنادید، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۸ ع۔
- (۱۴) - تذکرہ کاملانِ رامپور، مطبوعہ ہمدرد پریس دہلی سنہ ۱۹۲۹ ع۔
- (۱۵) - انشایِ نور چشم، مطبوعہ نظامی پریس کانپور سنہ ۱۲۹۱ ھ۔

- (۱۶) - ڈکشنری آف انڈین لیا گرافی، مصنفہ بکلینڈ بزبانِ انگریزی مطبوعہ سنہ ۱۹۰۶ع (اس کتاب سے صرف انگریز حکام کے حالات ماخوذ ہیں)۔
- (۱۷) - اورینٹل لیا گرافیکل ڈکشنری، مصنفہ بیل بزبانِ انگریزی، مطبوعہ سنہ ۱۸۹۴ع۔

- ان مطبوعہ کتابوں کے علاوہ حسبِ ذیل قلمی کتابیں بھی زیرِ مطالعہ رہی ہیں :
- (۱) - تاریخِ محمدی، مصنفہ محمدِ حارثی بدخشی، نسخہٴ مولف۔
- (۲) - تاریخِ لطیف، مصنفہ مولوی مہدیعلیخان رامپوری، نسخہٴ مولف۔
- (۳) - تشریح السنین، مصنفہ محمد بشیر الدین کاکوروی، نسخہٴ مولف۔

تصاویر

کتاب میں نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان اور میرزا غالب کی تصویریں اور موخر الذکر کے ایک خط کا فوٹو شامل ہے۔

نواب فردوس مکان کی تصویر اونکے کلیاتِ اردو کے آغاز کی قلمی تصویر کا عکس ہے۔ یہ تصویر نواب صاحب کے درباری مصور محمد جان کی بنائی ہوئی ہے، اور اصل کتاب میں رنگ آمیز ہے۔ تصویر کے چاروں طرف کشمیری طلاکاری مرزا محمد حسن کشمیری کے قلم کی رہیں منت ہے۔ مرزا محمد حسن دربارِ رامپور کے متوسلین میں تھے، اور یہاں کی قدردانی کی بدولت اپنے وطن کو خیبرباد کھکر رامپور میں قیام پزیر ہو گئے تھے۔ انکے اخلاف اب تک کتب خانہ کے اسٹاف میں موجود ہیں۔

نواب خلد آشیان کی قلمی تصویر، جسکا عکس شایع کیا جا رہا ہے، کسی نامعلوم پینٹر کی بنائی ہوئی ہے۔ لیکن یہ بھی ندرتِ فن کا اعلیٰ نمونہ ہے، اور اصلاً رنگ آمیز ہے۔

میرزا غالب کی تصویر اوس قلمی تصویر کا عکس ہے، جو اونکی زندگی میں کلیاتِ نظمِ فارسی کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ (۱۸۶۳ ع) میں شایع ہوئی تھی۔ یہ ایڈیشن اب نایاب ہے۔ اسلئے مناسب خیال کیا

گیا کہ بجائے عام تصاویر کے، جنکی تاریخی حیثیت مشتبہ ہے، اوس تصویر کا عکس پیش کیا جائے، جو خود میرزا صاحب شایع کراچکے ہین۔

میرزا صاحب کا رسم تحریر پیش کرنیکے لئے وہ خط منتخب کیا گیا ہے، جو اون کے تعلقاتِ رامپور کے آغاز کی تاریخی سند ہے۔ اس سے یک وقت معلوم ہوسکے گا کہ میرزا صاحب کا رسم خط کیسا تھا، اور رامپور سے اونکے تعلقات کس سنہ میں شروع ہوئے۔

شکریہ

میرا فرض ہے کہ جناب سید شوکت علی صاحب ڈپٹی سیکریٹری دار الانشا اور حکیم انوار الحسن صاحب محافظِ دفترِ دار الانشا کا شکریہ ادا کروں۔ ان حضرات نے اپنے قیمتی وقت کا بڑا حصہ صرف کر کے، امثلہ کی تلاش میں مجھے امداد بہم پہنچائی ہے۔ اسی طرح میسرز شرف الدین اینڈ سنس مالکانِ مطبع قیمہ، بمبئی، کا شکریہ بھی میرے ذمہ واجب ہے۔ ان اصحاب نے طباعت کے سلسلہ میں ہر قسم کے فتنی مشورے دیئے، اور تغیر و تبدل الفاظ و فقرات کی انتہائی فراخ حوصلگی سے تعمیل کی۔ آخر میں میں سرکار کی درازیِ عمر و ترقیِ جاہ و جلال کی دعا پر تمہید ختم کرتا ہوں۔

از دستِ گدایِ بینوا ناید هیچ * جز آنکہ بصدقِ دل دعائی بکند

احقر

امتیاز علی عرشی

ناظم۔ کتب خانہ

کتب خانہ، قلعہ معلی، ریاست رامپور۔

۱۵ مارچ سنہ ۱۹۳۷ ع۔

شهباز نخب الدوله بزرگوار الملك اسد انجان در نظام حكومت مختص غالب مظلم



غالب نام آورده نام و نشانم پسر هم اسد نام و هم اسد اسم

سرگزشتِ غالب

آتشِ غدر سرد ہو جانیکے بعد میرزا غالب نے نواب فردوس مکان کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا، جسکا یہاں سے جواب نہیں گیا۔ میرزا صاحب نے خیال کیا کہ غالباً میری رودادِ غدر سے واقف نہونے کے باعث سرکار کو شبہ ہے کہ میں بھی باغیوں کا شریکِ کار رہا ہوں، اور اس بنا پر از راہِ احتیاط مراسلت سے احتراز فرمایا ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کیلئے ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو انھوں نے دوسرا عریضہ ارسال کیا، اور اوس میں اپنے انگریزی روابط، حقیقتِ تعلقِ قلعہ، اور ایامِ غدر میں اپنی گوشہ گیری کے تذکرہ سے پہلے سرکار کو لکھا:

• در زمانِ چیرہ دستی کور تمکان سپاہِ روسیہ سر رشتہ یام از ہم گشت۔ ناچار بفرستادن نامہ پر رساندن نامہ و پیام صورت بست۔ درین روزگار، کہ فرمان داوران دادگر روائی و سلسلہ آمد شد نامہ رسائی یافت، نامہ در یام روان داشته شد، و نا رسیدن پاسخ آنرا چنان پنداشته شد، کہ مگر آن نیايشنامه نرسیده باشد، یا فرط احتیاط مانع تحریر جواب گردیده باشد۔ ہر آئینہ در دل چنان گزشت کہ درین باربد انہان سخن مرای توان گشت کہ سرگزشت من از ولی نعمت نہان و حجابی در میان نماند۔ (۱)

میرزا صاحب کی اس توجیہ کے پیش نظر میں نے بھی یہی مناسب خیال کیا کہ کم از کم وہ حالات، جو خود میرزا صاحب اس عریضہ یا دیگر عرایض و مکاتیبِ رامپور کے ذریعہ نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان، یا وابستگانِ دربار کے علم میں لانا ضروری سمجھتے تھے، آغازِ مکاتیب میں شامل کردوں، تاکہ اس مجموعہ کے مطالعہ کرنیوالے کی نگاہ سے بھی وہ حجاب دور ہو جائے، جو مکتوب الیہم کے درمیان سے اوٹھایا گیا تھا۔

نام تخلص اور القاب شاہی

میرزا صاحب کا نام » اسد اللہ خان « تخلص » غالب « اور شاہی لقب » نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ « تھا ۔ عریضہ نمبر ۱۳ کے آخر میں نام ، نمبر ۷ اور ۱۱ کے خاتمہ میں نام اور تخلص ، اور نمبر ۱ کے زیرین گوشہ کی مہر میں نام مع القاب شاہی مذکور ہے ۔ (۱)

عرف

عرایض میں میرزا صاحب کا عرف کہیں مذکور نہیں ۔ لیکن سرکاری جوابات کے مسودوں کے آغاز میں ہمیشہ » بنام میرزا نوشہ صاحب « درج ہوتا ہے ۔ نیز قصیدہ » ہمانا اگر گوہر جان فرستم « کے لفافہ کی پشت پر بھی میر منشی صاحب نے یہی نام لکھا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کا عرف » مرزا نوشہ « تھا ۔ (۲)

تاریخ پیدائش

عریضہ نمبر ۷ میں میرزا صاحب لکھتے ہیں :

« از سر آغاز سال یکہزار و ہشت صد و شش کہ درآنگاہ شمار سنین عمر من از دہ نگزشتہ بود » (۳)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۰۶ ع میں میرزا صاحب کی عمر کا دسواں سال تھا ۔ گویا وہ سنہ ۱۷۹۷ ع میں پیدا ہوئے تھے ۔ اردوی معلیٰ اور عود ہندی میں ۸ رجب سنہ ۱۲۱۲ ھ تاریخ پیدائش بتائی گئی ہے ، (۴) جو سنہ ۱۷۹۷ ع کے مطابق ہے ۔ اسلئے اس انگریزی سنہ کو صحیح سال پیدائش شمار کرنا چاہیے ۔

نسب خاندان — چچا

میرزا صاحب نصر اللہ بیگخان بہادر کے بھتیجے تھے ۔ نصر اللہ بیگخان چار سو سواروں کے رسالہ کے افسر تھے ، اور جنرل لارڈ لیک بہادر کی

(۱) مکاتیب ، ص ۲۰ و ۱۴ و ۱۸ و ۴ (۲) ایضاً ، ص ۶ حاشیہ نمبر ۱ (۳) ایضاً ، ص ۱۱

(۴) اردوی معلیٰ ، ص ۳۹۹ و عود ہندی ، ص ۶۹

معیت میں حکومتِ انگریزی کی گرانقدر فوجی خدمات انجام دیکھتے تھے، جسکے صلہ میں پرگنہ «سونک سونسا» بقیدِ حینِ حیات جاگیر میں عطا ہوا تھا۔ سنہ ۱۸۰۶ ع میں نصر اللہ بیگ خان بہادر کا یکایک انتقال ہو گیا۔ گورنمنٹ نے جاگیر واپس لیکر اونکے ورثا کی پنشن مقرر کر دی، جو ابتداءً ریاستِ فیروزپور جھر کے خزانہ سے اور بعد ازاں غدر تک خزانہ کلکٹری دہلی سے تقسیم ہوتی رہی۔ یہ تمام تفصیل میرزا صاحب نے عریضہ نمبر ۷ میں تحریر کی ہے۔ فرماتے ہیں:

«حالی رای جهان آرای باد کہ دیرینہ نمکخوار سرکار انگریزم۔ و از سر آغاز سال یکھزار و ہشت صد و شش کہ در انگاہ شمار سنین عمر من از دہ نگزشتہ بود، بموض جاگیر عم حقیقی نسبی خود نصر اللہ بیگخان بہادر، کہ باجمیع رسالہ چار صد سوار بمعیت جرنیل لاؤد لیک بہادر در فتح ہندوستان کو ششہای نمایان کردہ، و پرگنہ سونک سونسا بقیدِ حینِ حیات جاگیر یافتہ، و ہم دران عہد بمرگ ناگاہ از جهان رقتہ بود، بفرمان جرنیل لاؤد لیک بہادر و منظوری گورنمنٹ مشیت زری شامل جاگیر عم سببی من نواب احمد بخش خان بہادر در وجہ معاش من منجملہ زر استمراری سرکاری، کہ بذمہ احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود، قرار یافت۔» (۱)

حقیقی بھائی

ایک عریضہ میں میرزا صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی میرزا یوسف خان کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

«بہر حال دو امر ہنوز مبہم ہیں۔ ایک اس انگریزی تحریر کا حال، اور دوسری میری بھائی کی پنشن کی حقیقت۔» (۲)

میرزا یوسف خان نے ۲۹ صفر سنہ ۱۲۷۴ ھ مطابق ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۸۵۷ ع کو بحالتِ دیوانگی دلی میں انتقال کیا۔ (۳)

سببی خاندان - بی بی

میرزا صاحب کی بی بی امراؤ بیگم نواب الہی بخش خان معروف کی بیٹی تھیں۔ یہ ۷ رجب سنہ ۱۲۲۵ ھ (۱۸۱۰ ع) کو میرزا صاحب کے عقد میں آئیں، اور اونکی وفات کے چند ماہ بعد تک زندہ رہیں۔ نواب فردوس

(۱) مکاتیب، ص ۱۱ (۲) ایضاً، ص ۲۷ (۳) کلیات نثر فارسی، ص ۳۹۹

مکان کی مزاج پر سی کرتے ہوئے میرزا صاحب نے انکے متعلق لکھا ہے :
 جب سی حضرت کی ناسازی مزاج مبارک کا حال خارج سی مسموع ہوا ہی ، عالم الغیب گواہ ہی
 کہ بچہ اور میری بی بی پر ... کیا گزر رہی ہی . . (۱)

میرزا صاحب کے انتقال کے بعد امراؤ بیگم نے اپنی مالی مصیبت کا سارا بچا
 چٹھالکھکر کمشنر دہلی سے درخواست کی تھی کہ میرزا صاحب کی پنشن حسین
 علیخان پسر متبنی کے اور میرے نام منتقل کر دیجائے۔ لیکن ڈپٹی کمشنر کی
 ہمدردانہ رپورٹ کے باوجود کمشنر دہلی نے جواب دیا کہ متبنی بیٹے کے نام
 پنشن کیسی طرح جاری نہیں ہو سکتی۔ البتہ بیوہ پکھری مین حاضر ہو تو اوسکے
 نام دس روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا جائیگا۔ اس باغیرت بی بی نے پکھری
 کی حاضری کو گوارا نہ کیا، اور دس روپیہ ماہوار کے وظیفہ سے انکار کر دیا۔
 حسین علیخان نے ۱۲ جون سنہ ۱۸۶۹ ع کو نواب خلد آشیان کی
 خدمت مین ایک عریضہ ارسال کیا تھا۔ اوس مین میرزا صاحب کے قرض کی
 ادائیگی کی درخواست، اور اپنے حاضر نہوسکنے کے عذر کے بعد، بیگم صاحبہ
 غالب کی درخواست پنشن کے بارے مین لکھتے ہیں :

پنشن سرکار انگریزی کی یہ صورت ہوئی، کہ هنگام ثبوت و تحقیق مفلسی و بمقدوری و
 قرضداری ڈپٹی کمشنر صاحب نے رپورٹ اچھی کی۔ اوسپر صاحب کمشنر بہادر نے حکم دیا کہ پسر
 متبنی کی پنشن نہیں ہو سکتی۔ ہاں زوجہ کیواسطی مبلغ دس روپیہ تجویز ہوئیگی۔ جناب دادی
 صاحبہ نے دس روپیہ نامنظور کیو۔ یہ امید بھی جاتی رہی . . (۲)

اس عرضی کے آخر مین بیگم صاحبہ نے لکھا ہے :

از جانب امراؤ بیگم۔ بعد کورائش بتوحد مضمون عرضی هذا بہ گزارش ہو۔ کمترینہ اول
 بعمر ہفتاد سالہ حرکت و نقل مکان سی معذور۔ اور سوائے اوسکی خدمتہ انتقال شوہر اور
 مجرم قرض خواہان سی اور معیشت آئندہ سی مجبور۔ با این ہمہ بسبب عدت کی خانہ سی باہر
 نہیں نکلسکتی۔ بدین وجوہ مانع حضوری ہی۔ اور سوائے دولت کی کوئی ملجا و ماوا نظر نہیں
 آتا۔ حضور کو دستگیری مجھے یکسہ عاجزہ کی واجب ہی۔ اور یہ ارادہ ہی کہ بعد انقضای مدت
 عدت خدمت مین حاضر ہوں، اور وہین انفاس بقیہ کو گزاروں۔ اب نان شبینہ کو محتاج ہوں۔

چارہ اسکا بجز بندگان عالیٰ کہ ممکن نہیں۔ رحم فرمائیے اور خبر گیری کیجیے، کہ بدعا گوئی ذولت ابد مدت مشغول رہوں۔

۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۶ھ (اگست سنہ ۱۸۶۹ع) کو بیگم صاحبہ نے نواب خلد آشیان کو پھر لکھا :

«جناب عالی! جس روز سی مرزا اسد اللہ خان غالب نے وفات پائی ہو، تو یہ عاجزہ بیوہ اسقدر مصائب میں گرفتار ہو، کہ تحریر سی باہر ہو۔ اول تو یہ مصیبت ہو کہ مرزا صاحب مرحوم آٹھ سو روپیہ کی قرضدار مری۔ دوسری مصیبت یہ کہ پنشن انگریزی مسدود ہوئی۔ تیسری یہ کہ تنخواہ سو روپیہ ماہوار، جو آپ از راہ قدر ذاتی کی مرزا مرحوم کو ارسال فرماتی تھی، وہ بھی یک لخت موقوف ہوئی۔ ابتک قرض لیکر اوقات بسر کی۔ اب قرض بھی نہیں ملتا۔ نوبت فاقہ کشی کی پہنچی۔ اس حالت حیرانی اور پریشانی میں پھر بھی خیال آیا، کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا وسیلہ پرورش اور اوقات گزاری کا اس دنیا میں آپکی ذات بابرکات کو بنایا ہو، اور سوائے آپکی ذات بابرکات کی دوسرا کوئی نظر نہ آیا۔ لاچار برخوردار حسین علیخان کو آپکی قدموں پر ڈالا۔ آپو بسبب شرفا پروری اور اقتضای مروت اور فتوت کو اسقدر اوپر حال برخوردار کی عنایت فرمائی ہو، کہ بیان سی باہر ہو۔ اب دعا گو کی یہ تمنا ہو کہ ایسی پرورش مجھ ضعیفہ کی ہو جائے، کہ مرزا مرحوم حق عباد سی بری ہو جائیں، کہ یہ سخت عذاب ہو۔ اگر حضور صورت ادای قرض فرمادیں تو کمال ثواب عظیم ہوگا۔ اور اگر دفعہ صورت ادای قرض مناسب رای بیضا ضیا کی ہو، تو یہ تنخواہ ششماہ کی بحساب فی ماہ صد روپیہ بالفعل مجھ بیوہ کو عنایت ہو جائے۔ باقی ۶ ماہ اور بحساب مذکورہ بالا مرحمت فرمائیے، تاکہ میں بیوہ قرض صاحب کا ادا کر دوں۔ اور ظاہرا یقین ہو کہ زندگی میری بھی اسی میعاد میں پوری ہو جائیگی۔ اور پنشن میری دس روپیہ انگریز کرتا ہو، بشرط اینکه کچہری میں حاضر ہوں۔ اور جانا میرا کچہری میں ہرگز نہ ہوگا۔ گوفاقون سی مر جاؤں۔ کیا میں اپنی باپ اور چچا اور شوہر کا نام روشن کروں۔ اور جو عزت اور ریاست میری چچا کی اور حرمت میری والد کی اور شوہر کی آگے خاص و عام کی تھی حضور پر سب روشن ہو۔ (۱)

اس عریضہ پر بھی سرکار نے کوئی حکم نہ دیا۔ تو ۲۴ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۶ھ کو بیگم صاحبہ نے مکرر درخواست پرورش پیش کی۔ اسکا مضمون تقریباً سابق درخواست کے مطابق ہے، اسلئے اعادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ اس عرضی کے لفافہ پر میر منشی صاحب کا نوٹ ہے :

(۱) مثل نمبر ۲۵۴، صیفہ احباب، عہد نواب خلد آشیان، محافظ خانہ دارالانشاء

پیش نموده شد . حکم نفاذ یافت کہ درین خصوص بہ نواب مرزا خان فہائش و ہدایت بعمل آمدہ . ۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ ع . ۰

اس تاریخ کے بعد صرف ایک اور درخواست کا پتہ چلتا ہے ، جو شعبان میں بھیجی گئی تھی . لیکن مثل میں اوسکا لفافہ شامل ہے . اصل عرضی موجود نہیں . اسکے بعد امراؤ بیگم کا تذکرہ نہیں ملتا . اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اونکی یہ پیشینگوئی کہ » میں اسی ششماہی میں فوت ہو جاؤنگی « درست نکلی . اور وہ سنہ ۱۲۸۶ ھ ہی میں فوت ہو گئیں .

بی بی کو چچا اور بھائی

نواب احمد بخش خان بہادر والی فیروزپور جھڑکہ و جاگیردار لوہارو میرزا صاحب کی بی بی کے حقیقی چچا اور میرزا صاحب کے چچیا سسر تھے . انہوں نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے لڑکے نواب شمس الدین احمد خان کو فیروزپور کا رئیس بنا دیا تھا ، اور خود گوشہ گیر ہو گئے تھے . نواب شمس الدین احمد خان بہادر کو ولیم فریزر ریزیڈنٹ دہلی کے قتل کے الزام میں پھانسی دیدی گئی . میرزا صاحب نے اپنی سرگزشت میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے ، اور اوسی میں نواب شمس الدین احمد خان کے قتل کی طرف بھی اشارہ کر گئے ہیں . فرماتے ہیں :

» فرمان جرنیل لازد لیک بہادر و منظوری گورنمنٹ مشنٹ زری شامل جاگیر عم سہی من نواب احمد بخش خان بہادر دروجہ معاش من منجملہ زراستمراری سرکاری ، کہ بذمہ نواب احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود ، قرار یافت . چون جانشین احمد بخش خان کیفر کردار یافت و جاگیر بسرکار باز یافت شد ، رسیدن آن وجہ مقررۃ از خزائنہ کلکتری دہلی صورت پذیرفت . « (۱)

نواب احمد بخش خان نے سنہ ۱۸۲۷ ع میں اور نواب شمس الدین احمد خان نے سنہ ۱۸۳۵ ع میں اس دار فانی سے کوچ کیا .

بی بی کو پوتے — باقر علی خان

امراؤ بیگم کے سات اولادین ہوئیں ، لیکن ان میں سے کسی نے پندرہ ماہ

سے زیادہ عمر نہیں پائی۔ ان میان بی بی نے زین العابدین خان عارف کو، جو امراؤ بیگم کے حقیقی بھانجے تھے، منہ بولا بیٹا بنالیا۔ یہ دو خورد سال بچے چھوڑ کر جوانی میں انتقال کر گئے۔ ان دونوں میں بڑے باقر علیخان تھے، جو والد کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک اپنی دادی بنیادی بیگم کے ہاں رہے اور ان کے بعد میرزا صاحب کے پاس چلے آئے۔ میرزا صاحب نے انکی پرورش کی، پڑھایا لکھایا، اور جب جوان ہو گئے تو ڈھائی ہزار روپیہ لگا کر نواب ضیاء الدین خان بہادر کی صاحبزادی سے شادی کر دی۔ نواب خلد آشیان کو انکی شادی اور اوسکے اخراجات کے بارے میں لکھا ہے:

» باقر علیخان کی شادی نواب ضیاء الدین خان کے ہاں ہوئی۔ اونہوں نے کھانڈ جوڑی کے دو ہزار

روپیہ دیے۔ اور میری زوجہ نے پانسو روپیہ کا زیور لگا کر پچیس سو روپیہ صرف کیے۔ (۱)

باقر علیخان نے سنہ ۱۲۹۳ ھ (۱۸۷۶ ع) کو انتقال کیا۔

حسین علیخان

عارف کے چھوٹے لڑکے حسین علیخان کو میرزا صاحب نے عارف کی جگہ متبنی کر لیا تھا۔ چنانچہ نواب فردوس مکان کی مزاج پرسی کے پہلے خط میں انکو اپنا فرزند لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

» جب سی حضرت کی ناسازی مزاج مبارک کا حال خارج سی مسوع ہوا سی عالم الغیب گواہ سی کہ

مجھ پر..... اور میری فرزند حسین علی خان پر کیا گزر رہی سی۔ (۲)

نواب خلد آشیان کی خدمت میں انکے متعلق میرزا صاحب نے بار بار تحریریں لکھی ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے ۱۹ اگست سنہ ۱۸۶۷ ع کو انکی منگنی کے بارے میں لکھا:

» آپکو غلام زر خرید، یعنی حسین علیخان، کی منگنی ہو گئی۔ اور اپنی کٹی میں ہوئی۔ یعنی نواب

احمد بخش خان مرحوم کے حقیقی بھائی کی پوتی سی۔ اور رجب کا مہینا قرار پایا۔ اب میری

بڑا ہڈ اور میری مفلسی کی شرم آپکو ہاتھ سی۔ (۳)

سرکار نے جواباً تحریر فرمایا کہ آپکی تحریر مجمل ہے۔ خلاصہ مکتونِ خاطر

تحریر فرمائیے۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے ۵ ستمبر کو لکھا:

مجملاً یہ کہ میں در دولت کا گدای خاک نشین اور وہ آپ کا غلام۔ تفصیل یہ کہ میری پاس نقد، جنس، اسباب، املاک، اور میری گھر میں زیور زربہ و سیمینہ کا نام و نشان نہیں۔ ہت اودھار قرض کوئی دیتا نہیں۔ آپ رویہ عنایت فرمائیں، تا یہ کام سر انجام پاؤ، اور بوڑھی فقیر کی برادری میں شرم رھجاؤ۔ دوسری بات یہ کہ سو روپیہ آپکی سرکار سی بطریق خیرات اور باسٹھ رویہ آٹھ آدھ مہینا سرکار انگریزی سی بعوض جاگیر پاتا ہوں۔ عالم الغیب جانتا ہی کہ اس میں میرا بڑی مشکل سی گزارا ہوتا ہی۔ بہو کو کمان سی کھلاؤنگا؟ حسین علیخان کی کچھ تنخواہ مقرر ہو جاؤ۔ لیکن توقع تنخواہ اوسکی نام جاری نہو۔ بلکہ اوسکی زوجہ حسن جہان بیگم بنت اکبر علیخان کو نام وہ تنخواہ مقرر ہو۔ اور اوسکی مہری رسید سی ملا کری۔ زر مصرف شادی کی مقدار اور تنخواہ کی مقدار جو خداوند کی ہمت اور اس کنگال اپاہج کی قسمت۔ (۱)

سرکار نے ارقام فرمایا کہ آپ مصارف کی مقدار لکھیے۔ اسکے بعد حکم مناسب دیا جاسکیگا۔ مابدولت کو بر بنای موانست و اتحاد قدیمہ آپ کی خوشنودی خاطر مد نظر ہے۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے ۲۳ ستمبر کو تحریر کیا:

حضرت ذ غمخواری و تفقد و درویش نوازی کو اوس پایہ پر پہنچایا کہ شاہان عجم میں سلطان سنجر ذ اور شاہان ہند میں شاہجہان ذ ملازموں کی اتنی پرسش اور نوازش کی ہوگی۔ باقر علیخان کی شادی تواب ضیاء الدینخان کو مان ہوئی۔ اوانہوں ذ کھانہ جوڑی کو دو ہزار رویہ دیو۔ اور میری زوجہ ذ پانسو روپیہ کا زیور لگا کر پچیس سو روپیہ صرف کیو۔ حسین علیخان کا سسر، یعنی اکبر علیخان، اپنی خاندان کا ہی۔ لیکن امیر نہیں۔ نوکری پیشہ ہی۔ اب یہ میں کیونکر عرض کروں کہ مجھی کیا دو۔ سائل ہوں۔ یہ رسم نہیں کہ سائل مقدار سوال عرض کری۔ حال مصارف شادی خاندان لکھ دیا ہی۔ دو ڈھائی ہزار میں شادی اچھی ہو جائیگی۔ لیکن یہ بھی ساتھ عرض کرتا ہی کہ میرا حق خدمت اتنا نہیں کہ اسقدر مانگ سکوں۔ جو کچھ دوگو اوس میں شادی کر دوںگا۔ (۲)

اس عریضہ کا سرکار کی جانب سے کوئی جواب نہ گیا، اور رجب میں شادی ملتوی ہو گئی۔ میرزا صاحب نے ۲ رمضان سنہ ۱۲۸۴ ھ مطابق ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ ع کو یاد دہانی کرتے ہوئے لکھا:

ماہ صیام میں سلاطین و امرا خیرات کرتے ہیں۔ اگر حسین علیخان یتیم کی شادی اسی صیغی میں ہو جاؤ، اور اس بوڑھی اپاہج فقیر کو رویہ مل جاؤ تو اس مہینی میں تیاری ہو رہی، اور

شوال مین رسم نکاح عمل مین آؤ . اور چونکہ اس ماہ مبارک مین در فیض یاز اور سال انگریزی کا بھی آغاز ہو ، وہ پچیس روپیہ مہینا جو زبان مبارک می نکلا ہی ، جنوری سنہ ۱۸۶۸ می بنام حسین علیخان مذکور جاری ہو جائی . تو بھی گویا دونوں جہان ملگئی . (۱)

لیکن اس عریضہ کا جواب بھی صیغۃ التوا مین رہا ، اور ذیقعدہ آہنچا .

میرزا صاحب نے ۹ مارچ سنہ ۱۸۶۸ ع کو لکھا :

مرزا حسین علیخان کی شادی رجب کے مہینے مین قرار پائی تھی . عطیہ حضور کے نہ پہنچنے کی سبب ملتوی رہی . آج جو ذیقعدہ کی ۱۵ ہو ، ۱۵ دن یہ اور مہینا ذی الحجہ کا . اگر اسی ذیقعدہ کے مہینے مین کچھ حضرت عطا فرمائینگی ، تو آخر ذی الحجہ تک نکاح ہو جائیگا . خدا کری ! خداوند کے ضمیر مین یہ بھی گزری ، کہ غالب جب بہو بیابہ لائیگا ، تو اوسکو روٹی کہاں می کھلائیگا . غرض اس سے یہ کہ حسین علیخان کی تنخواہ جاری ہو جائی . حضرت ! کوئی ایسا نہیں کہ جو میری مطالب حضور مین عرض کرتا رہی اور بھی بار بار لکھتی ہوئی شرم آتی ہو . (۲)

سرکار نے یہ درخواست منظور فرمائی ، اور آمد زمستان تک شادی سے فراغت کی امید ہو گئی . نواب مرزا خان داغ دھلوی ، اور حکیم مظفر حسین خان بہادر لکھنوی نے علی الترتیب میرزا صاحب کو قبولیت التماس کی اطلاع دی . اسکی توثیق نیز مکرر یاد دہانی کی خاطر میرزا صاحب نے ۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۸ ع کو لکھا :

تین التماسین سابق پیش ہوئی تھیں . سو اب پہلی برخوردار نواب مرزا خان کی تحریر می اور پھر جناب مظفر حسین خان بہادر کے خط می اون خواہشوں کے منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی . انشاء اللہ الکریم حسب ارشاد حضور اسی برس ۶۸ مین آمد زمستان یعنی نومبر و دسمبر مین میرا قرض بھی ادا ہو جائیگا ، اور حسین علیخان کی شادی بھی ہو جائیگی ، اور اوسکی واسطی اوسکی زندگی تک تنخواہ جداگانہ مقرر ہو جائیگی . (۳)

اس عرصہ مین حسین علیخان کی سسرال سے شادی کا تقاضا شروع ہو گیا . میرزا صاحب نے مجبور ہو کر ۷ ستمبر کو ولی نعمت کی خدمت مین عرض کیا :

پیر و مرشد ! حسین علیخان کے سسرال والوں کا بڑا تقاضا ہو . زندگی مشکل ہو گئی ہو . بطریق شیدا اللہ سوال مختصر یہ ہو کہ جو حضرت کے مزاج مین آوی وہ عطا کیجی ، اور حسین علیخان کے نام جداگانہ تنخواہ مقرر کر دیجی . لیکن یہ دونوں امر جلد صورت پکڑ جائیں . (۴)

سرکار نے ابھی اسکا جواب ارقام نہیں فرمایا تھا کہ اس عرصہ مین

(۱) مکاتیب ، ص ۱۰۰ (۲) ایضاً ، ص ۱۰۲ (۳) ایضاً ، ص ۱۰۵ (۴) ایضاً ، ص ۱۰۶

میرزا صاحب پر قرضخواہوں کا سخت تقاضا ہونے لگا، اور شادی کی خوشی کے حصول سے قبل قرض کے غم کا رفع کرنا ضروری ہو گیا۔ ادائیگی قرض کی سیل صرف عطیہ سرکار رامپور تھا۔ بنابرین ۱۶ نومبر کو میرزا صاحب نے بحالتِ اضطراب لکھا:

دھال میرا تباہ ہوتا ہوتا اب یہ نوبت پہنچی، کہ ابھی تنخواہ میں سے ۵۴ روپے بچے ۶۳۰ روپے کا چٹھا ماہوار کا سو سے ماہہ دینا۔ بھلا آٹھ سو روپے ہون تو میری آبرو بچی ہے۔ ناچار حسین علیخان کی شادی اور اوسکو نام کی تنخواہ سے قطع نظر کی۔ اب اس باب میں عرض کروں کیا مجال۔ کبھی نکھونگا۔ آٹھ سو روپے بچکو اور دیجو۔ شادی کیسی؟ میری آبرو بچ جائے، تو غنیمت ہے۔ (۱)

میرزا صاحب مرتے دم تک اپنے اس عہد پر قائم رہے۔ آخری عریضہ میں بھی، جو ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۹ ع کو تحریر کیا تھا^(۲)، حسین علیخان کی شادی کا ذکر نہیں کیا، اور یہ ارمان ساتھ لیکر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حسین علیخان نے انکے انتقال کے ایک مہینے بعد ۱۷ مارچ سنہ ۶۹ ع کو اپنے تقرر تنخواہ کی درخواست بھیجی۔ بعد ازان ۱۲ جون کے عریضہ میں پھر اپنی خواہش و وظیفہ کا اعادہ کیا، اور یہ بھی عرض کیا کہ فدوی بیمار ہے، اسلئے حاضر خدمت نہیں ہو سکتا۔ انشاء اللہ صحت کے بعد قدمبوسی کی سعادت حاصل کریگا۔

۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۶ ھ (اگست سنہ ۱۸۶۹ ع) کو بیگم غالب نے سرکار کو جو عریضہ لکھا ہے اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسوقت حسین علیخان ملازم ہو چکے تھے۔ لیکن ابھی انکی شادی نہیں ہوئی تھی۔ ۲۱ فروری سنہ ۱۸۷۰ ع کو حسین علیخان نے رامپور سے دلی واپس جا کر منشی سیلچند صاحب کو ایک خط لکھا ہے۔ اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسین علیخان اگست سنہ ۶۹ ع کے بعد رامپور آئے، اور فروری سنہ ۷۰ ع میں میرزا صاحب کی برسی کی فاتحہ کیلئے رخصت لیکر دلی گئے۔ وہاں سسرال والوں

نے شادی کا تقاضا کیا۔ ان کی تنخواہ صرف پچیس روپیہ ماہوار مقرر ہوئی تھی، اور ابھی ۶ ماہ ملازمت پر گزرے تھے، اسلئے کچھ پس انداز بھی نہونے پایا تھا۔ لہذا بذریعہ عریضہ جداگانہ سرکار سے درخواست کی کہ مصارفِ شادی عطا کر بندہ کی پرورش فرمائیے، اور منشی صاحب سے خواہش کی کہ اس کام میں آپ کوشش کریں۔ «یقین تو ہے کہ حضور دام اقبالہ بس رحم فرما کر کچھ عنایت فرمائینگے۔ آگے مقدر۔»

اسکے بعد املہ میں شادی سے متعلق کوئی تحریر نہیں۔ اسلئے قیاس یہ ہے کہ حسین علیخان کو امداد ملگئی، اور سنہ ۷۰ ع میں انکی شادی کی تقریب انجام پائی۔

تعلیم — عربی و فارسی

میرزا صاحب نے عربی و فارسی کی صرف ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن زبانِ فارسی سے فطری دلچسپی تھی۔ خوش قسمتی سے عنفوانِ شباب میں ایک ایرانی نژاد بزرگ ملا عبد الصمد آگرہ وارد ہوا، اور دو سال تک انکے مکان پر مقیم رہا۔ یہ اصلاً زرتشتی تھا، اور فلسفہ و حکمت میں دستگاہِ کامل رکھتا تھا۔ میرزا صاحب نے اوس سے زبانِ فارسی کے حقائق و دقائق سیکھے، اور اسطرح اپنی بواسطہ تحصیلِ ادبِ فارسی کو پایہ تکمیل تک پہنچالیا۔ چنانچہ ایک عریضہ میں فرماتے ہیں:

«بدو فطرت سی میری طبیعت کو زبانِ فارسی سی ایک لگاؤ تھا۔ چاہتا تھا، کہ فرہنگوں سی بڑھکر کوئی ماخذ مجھکو ملے۔ باری مراد بر آئی، اور اکابرِ پارس میں سی ایک بزرگ بیان وارد ہوا، اور اکبر آباد میں فقیر کی مکان پر دو برس رہا، اور میں نے اوس سی حقائق و دقائق زبانِ پارسی کی معلوم کیو۔ اب مجھو اس امر خاص میں نفس مطمئنہ حاصل ہو۔ مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہو۔ بحث کا طریقہ یاد نہیں ہو۔» (۱)

قاطعِ برہان سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا عبد الصمد سنہ ۱۲۲۶ ھ (۱۸۱۱ ع) میں آگرہ وارد ہوا تھا (۲)۔

طب

میرزا صاحب نے ایک عریضہ میں اپنے طبی تجربہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو غالباً قدرے کتبِ طب کے از خود مطالعہ سے اور زیادہ تر ایامِ امراض کی طوالت اور کثرتِ استعمالِ ادویہ سے حاصل ہوا تھا۔ فرماتے ہیں:

• میں طبیب نہیں مگر تجربہ کار ہوں۔ ستر برس کا آدمی ہوشیار ہوں۔ (۱)

اسکے بعد مختلف ادویات تجویز کی ہیں، اور بعض اشیاء سے پرہیز کی ہدایت کی ہے۔

علم نجوم

نواب فردوس مکان کے جشنِ غسلِ صحت کی تہنیت میں میرزا صاحب نے جو فارسی تہنیت نامہ لکھا ہے اوس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں علمِ نجوم میں بھی دخل تھا۔ اس مکتوب میں از رویِ نجوم ثابت کیا گیا ہے کہ مرضِ سرطان سے سرکار کی صحتیابی ایسی مبارک ساعت میں واقع ہوئی ہے کہ اسکے اثرات کے ماتحت عرصہ دراز تک سرکار مہلک امراض کے حملوں سے محفوظ رہیں گے۔ (۲)

وطن اور سکونت دہلی

میرزا صاحب کا وطن اکبر آباد (آگرہ) ہے۔ چنانچہ اپنے ایرانی استاد کے ذکر میں نواب خلد آشیان کو لکھا ہے:

• اکبر پارس میں سی ایک بزرگ بیان وارد ہوا، اور اکبر آباد میں فقیر کی مکان پر دو برس رہا۔ (۳)

لیکن شادی کے بعد دلی میں آ رہے تھے۔ یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶ع کو لکھتے ہیں:

• میں باون ترین برس سی بیان رہتا ہوں۔ (۴)

اس حساب سے اونکا دلی میں قیام سنہ ۱۸۱۳ع یا سنہ ۱۸۱۴ع سے ہونا چاہیے۔ میرزا صاحب نے دلی میں ذاتی مکان کبھی نہ بنایا۔ ہمیشہ کرایہ کے مکانات میں رہے۔ ان میں سے دو کا ذکر ایک عریضہ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

(۱) مکاتیب، ص ۶۲ (۲) ایضاً، ص ۴۴ (۳) ایضاً، ص ۸۲ (۴) ایضاً، ص ۷۷

» دیران خاص بر عنوان نامہ های پیشین نشان کلبۂ این درویش دلریش عقب مسجد جامع نبشته اند .
و من از هفت هشت سال در محله بلیار می مانم . « (۱)

مسکن کی حالات

جس عہد میں میرزا صاحب دلی تشریف لائے وہ اگرچہ دلی کی پیرانہ سالی کا زمانہ تھا، لیکن آثارِ شگفتگی و آبادانی ہر طرف ہویدا تھے۔ غدر سنہ ۵۷ع نے اس شہر کی بچی کھچی دولت لوٹکر نیا سکہ چلایا۔ عمارات گرا کر سڑکین بچھائی گئیں۔ شہر اوجاڑ کر قبرستان آباد کیے گئے، اور اہل ہنر کو شہر بدر کر کے فوج کا شہر میں پڑاؤ ڈالا گیا۔ ایکبار نواب فردوس مکان کو چوب چینی کی ضرورت پیش آئی۔ دلی اطبا اور عطاروں کا مخزن تھا، اسلئے سرکار نے میرزا صاحب سے فرمایش کی۔ اسکے جواب میں ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ع کو میرزا صاحب تحریر کرتے ہیں:

» دلی اب شہر نہیں۔ چھاؤنی ہو۔ کپ ہو۔ نہ قلعہ، نہ شہر کے امرا، نہ اطراف شہر کے روسا . « (۲)

۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ع کو دلی میں کاتبوں کے فقدان کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

» شہر سراسر ویران ہو۔ کاتب کہاں ؟ « (۳)

خشک سالی

سنہ ۶۵ع میں دلی بارانِ رحمت کے فیض سے محروم رہی۔ جولائی بھری برسات کا مہینا ہے، لیکن اس زمانہ میں شہر کے اندر لو چلتی رہی۔ ۲۳ جولائی کو میرزا صاحب نے دلی کی محرومی کا رونا رویا ہے۔ فرماتے ہیں:

» یہاں خلق کو مینہ درکار ہو، اور ہوا شرارہ بار ہو۔ دھوپ کی تیزی سے آدمی کی تیور اور پہاڑ کی پتھر جلی جاتی ہیں۔ پانی جگر گداز، ہوا جانستان، امراض مختلفہ کا ہجوم جہاں تہاں۔ جز اعضاء انسان، کہ وہ پسینے میں تر ہیں، طراوت و رطوبت کا کہیں پتا نہیں۔ یا لو چلتی ہو یا مطلق ہوا نہیں . « (۴)

۱۱ ماہ اگست کو پھر لکھتے ہیں:

» یہاں مینہ اسقدر برسا ہے کہ جسکو پانی سے زمیندار حاصل فصل ربیع سے ہاتھ دھو لین . « (۵)

(۱) مکاتیب، ص ۱۴ (۲) ایضاً، ص ۴۳ (۳) ایضاً، ص ۸۰ (۴) ایضاً، ص ۵۵ (۵) ایضاً، ص ۵۶

برسات

لیکن آئندہ سال بارش نے سنہ ۶۵ ع کی کھی باران کی تلافی کی ،
اور شہر مین اسقدر پانی برسا کہ گزشتہ باون ترین برس سے ایسا نہ برسا تھا ۔
یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو میرزا صاحب نے لکھا ہے :

دبرسات ایسی ہوتی ہی کہ مین باون ترین برس سی یہاں رہتا ہوں ۔ عرش آرامگاہ اکبر شاہ ک
عہد مین ایکبار ایسی برسات دیکھی تھی یا امسال نظر آئی ہو ۔ (۱)

عقائد

میرزا صاحب کے ایک عریضہ سے اونکے عقائد اسلامی پر بھی روشنی
پڑتی ہے ۔ فرماتے ہیں :

و اگرچہ فاسق و فاجر ہوں ، مگر وحدانیت خدا اور نبوت خاتم الانبیا کا بدل معتقد اور بزبان
معترف ہوں ۔ (۲)

اخلاق و عادات

میرزا صاحب کے اخلاق و عادات اوس عہد کے شرفا کے اخلاق
و عادات کا نمونہ تھے ۔ لغو گوئی سے پرہیز ، جھوٹ اور تکلف سے نفرت ،
اجباب کی تکلیف سے رنج ، خوشی سے راحت ، چھوٹوں پر مہربانی ، اور
بزرگوں کی خیرخواہی ، اونکا شعار تھا ۔

صدق و سداد

ایکبار نواب فردوس مکان کی جانب سے مراسلت مین تاخیر ہوئی ۔
میرزا صاحب نے ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ ع کو لکھا :

د فقیر کا شیوہ صدق و سداد کا ہو ۔ چند روز سی تفقد و التفات قدیم مین ، خدا نخواستہ باشد ،
کچھ کمی پاتا ہوں ۔ اگر غلط ہو میرا گمان تو بشرف اطلاع مشرف فرمائی ۔ اور اگر میرا
دل دیوانہ سچ سمجھا ہو تو متوقع ہوں کہ عتاب ک سبب سی آگہی پاؤں ۔ (۳)

لغو گوئی سی نفرت

۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۱ ع کو ایک سفارش کے سلسلہ مین تحریر کرتے ہیں :

د لازم کر لیا ہی کہ بیہودہ گزارش نکرون اور کبھی کسی کی سپارش نکرون ۔ (۴)



جھوٹی قسم کے بارے میں لکھتے ہیں:
خدا و رسول کی قسم جھوٹی نکھاؤنگا۔ (۱)

رنج پر رنج

نواب فردوس مکان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو اونکی تعزیت میں
۲۸ مارچ سنہ ۵۹ ع کو تحریر کیا:
و کیا کہون کیا غم و اندوہ کا ہیوم ہوا۔ حضرت کو غمگین ہونیکا تصور کر کر اور زیادہ مغموم
ہوا۔ (۲)

سنہ ۱۸۶۵ ع میں نواب خلد آشیان کی بیاہتا بیگم فوت ہوئیں تو ۱۸
ستمبر سنہ مذکور کو لکھا:

دچاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں۔ مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔ لازم تھا کہ تعزیت نامہ بزبان
فارسی و عبارت بلیغ لکھوں۔ آپکی قدموں کی قسم! دل نہ قبول نکیا۔ (۳)

خوشی می خوشی

سنہ ۵۹ ع میں نواب فردوس مکان کو بصلۃ خدماتِ غدر علاقہ جدید
عطا ہوا۔ اسکی تہنیت میں لکھتے ہیں:

دہ چار بالش عمارت اور کاشی پور کا ضمیمہ ملک موروثی ہونا پہلی آپکو اور پھر ولیعہد بہادر
کو اور پھر آپکی اولاد و اخوان و انصار کو اور سبکی بعد غالب دعا گوی گوشہ نشین کو
مبارک ہو۔ (۴)

خیر خواہی

جون سنہ ۶۵ ع میں نواب خلد آشیان کو از راہِ خیر خواہی
تحریر کیا ہے:

دپیر و مرشد! از راہِ خیر خواہی ایک امر عرض کرتا ہوں۔ حضرت کی جد امجد
کو احمد شاہ درانی نے مخاطب بہ مخلص الدولہ فرمایا۔ حضرت اگر مناسب جانیں تو اوس
خطاب کو مع دو جزو 'شمس الملک و بہرام جنگ' جناب ملکہ معظمہ سے بذریعہ گورنمنٹ
اپنی واسطی لین۔ (۵)

قدما کا اعتراف

میرزا صاحب شعرائِ قدیم کے فنی مرتبہ اور اونکے کلام سے استشہاد

(۱) مکاتیب، ص ۸۴ (۲) ایضاً، ص ۱۸ (۳) ایضاً، ص ۶۴ (۴) ایضاً، ص ۲۳ (۵) ایضاً، ص ۵۴

کو تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں نواب خلد آشیان کو صراحتاً لکھا ہے کہ:

دقیر اشعار قدما کا معتقد۔ اون لوگوں کو کلام کا عاشق۔ (۱)

نیز خلیفہ احمد علی صاحب رامپوری کو دورِ متاخرین کے گلِ شگفتہ مولانا عرفی شیرازی کے متعلق لکھتے ہیں:

دقواعد زبان فارسی کا ماخذ تو ان حضرات کا کلام ہی۔ عرفی کی زبان سو جو نکلائی وہ سند ہی۔ ہماری واسطی وہ ایک قاعدۂ محکم ہی۔ وہ مطاع ہی اور ہم اوسکو مقلد اور مطیع ہیں۔ (۲)

ہندی شعرا اور فرہنگ نویسوں کا انکار

لیکن ہندی شعرائِ فارسی گو اور ہندی فرہنگ نویسوں کے قائل نہ تھے۔ اونکا خیال تھا، کہ یہ حضرات اہل زبان کا کلام پڑھکر اپنے قیاس سے اوسکے محاورات والفاظ کے معنی قائم کرتے ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ اونکا قیاس صحیح نکلے، بنابین بارہا اون سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں نواب خلد آشیان کو لکھا ہے:

د میان انجو جامع فرہنگ جہانگیری، شیخ رشید راقم فرہنگ رشیدی، عظمای عجم میں سو نہیں۔ ہند انکا مولد۔ ماخذ انکا اشعار قدما۔ ہادی انکا انکا قیاس۔ ٹیکچند اور سیالکوٹی مل انکی پیرو۔ سبحان اللہ! ہندی بھی اور ہندو بھی۔ (۳)

اس عریضہ کے جواب الجواب میں لکھتے ہیں:

دشعرائِ ہند کو کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں، یا ہندی فرہنگ لکھنی والوں کو بیان میں جو نادرستی اور باہم جو اونکو عقول میں اختلاف ہیں، اوس میں میں کلام نہیں کرتا۔ اپنی تحقیق کو مانی ہوئی ہوں۔ (۴)

در نکلی

اپنے مخلص احباب اور محسنوں سے میرزا صاحب تکلف برتنا ناسزا جانتے تھے۔ نواب فردوس مکان سے انکا تعلق سراسر اخلاص پر مبنی تھا۔ اسلئے اگر روپیہ کی ضرورت آپڑتی تو میرزا صاحب بلا تکلف سرکار سے مانگ لیا

کر تے تھے۔ اپنے اس رویہ کو ایک خط میں ظاہر بھی کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”جو آپ بن مانگو دین اوسکی لینو میں بھہو انکار نہیں۔ اور جب بھہو حاجت آہڑی تو آپ
می مانگو میں عار نہیں۔“ (۱)

قرض سے نفرت

اگرچہ میرزا صاحب عمر بھر مقروض رہے، لیکن اونہیں طبعاً قرضداری سے نفرت تھی۔ وہ ہمیشہ کوشش کرتے رہے کہ اس مصیبت کا سامنا نہو، مگر ایک متمول اور ذی عزت خاندان کا فرد ہونے کے سبب اخراجات زیادہ تھے۔ اسلئے اونکی رامپور اور سرکارِ انگریزی کی ماہوار آمدنی، ایکسوباٹھ روپیے آٹھ آنے، ضروری اخراجات کو ناکافی ہوتی، اور تقریباً ہر مہینے قرض لینا پڑتا۔ سرکارِ رامپور اونکا ملجا و ملاوا تھی۔ جب قرض خواہوں کا تقاضا سخت ہو جاتا تو ادائیگی قرض کیلئے روپیہ کا سوال پیش کر دیتے، اور یہاں کی امداد سے بارگران سے سبکدوشی حاصل کرتے۔ اس سلسلہ کی جسقدر تحریریں اس مجموعہ میں پائی جاتی ہیں، اون سے صاف عیان ہے کہ میرزا صاحب قرض کا بار بہت محسوس کیا کرتے، اور چاہتے تھے کہ جلد از جلد اس بلا سے نجات حاصل ہو جائے۔ چنانچہ سب سے پہلی تحریر میں، جو ۱۷ نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو نواب فردوس مکان کی خدمت میں ارسال کی ہے، لکھتے ہیں:

”بارگران غم سے ہست ہو گیا ہوں۔ اگر تنگدست تھا۔ اب تہی دست ہو گیا ہوں۔ جلد میری
خبر لیجیو، اور کچھ بھجوادینجی۔“ (۲)

اسکے بعد ۸ دسمبر سنہ ۱۸۵۹ ع کو پھر لکھا ہے:

”سورہ پہ کی ہنڈوی... پہنچی۔ اور روپیہ وصول میں آیا، اور صرف ہو گیا، اور میں بدستور
بھوکا اور ننگا رہا۔ تم سے نکون تو کس سے کہوں۔ اس مشاہرہ مقرر سے علاوہ دو سو روپیہ
اگر بھکو اور بھید بیگنا تو جلا لیجیگا۔ لیکن اس شرط سے کہ اس عطیہ مقرر میں محسوب نہو
اور بہت جلد مرحمت ہو۔“ (۳)

۲۲ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع کو نواب خلد آشیان کی خدمت میں تحریر کیا ہے:

(۳) ایضاً، ص ۲۴ و ۲۵

(۲) ایضاً، ص ۱۶

(۱) مکاتیب، ص ۱۶

ان دنوں میں متفرقات کی قرضدار سرگرم تقاضا بلکہ آمادہ شور و غوغا تھی۔ دو سو روپیہ کی
ہڈوی صراحی آب حیات ہو گئی۔ دام مرگ سے نجات ہو گئی۔ (۱)

ایکبار رامپور سے تنخواہ کی روانگی میں دیر ہو گئی تھی۔ میرزا صاحب کو
قرضخواہوں کی رقیں ادا کرنی ہونگی، اسلئے ۱۰ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کو
سرکار کی خدمت میں لکھا:

میرا حال یہ کہ انگریزی تنخواہ گھر میں اور کچھ قرض کی قسط میں جاتی ہو۔ حضور کے عطیہ پر
میرا اور شاگرد پیشہ کا اور حسین علی کا گزارا ہو۔ عالم الغیب جانتا ہو جس طرح گزرتی ہو۔
چار سو ساڑھے چار سو کا قرض باقی ہو۔ اب کوئی قرض بھی نہیں دیتا۔ (۲)

۱۳ اگست سنہ مذکور کو پھر لکھتے ہیں:

غم و بے شمول بڑھاپہ کے پست و مضحل کر دیا ہو۔ حضرت کے قدموں کی قسم! نہ حواس درست نہ
رای صحیح۔ برسوں سے مکروہات میں مبتلا رہو اب طاقت تحمل کی نہ ہو۔ خدا جانتا کیا
ہوتا ہو کیا سمجھتا ہوں۔ کیا کرنا چاہی کیا کرنا ہوں۔ کل آخر روز میرا منشی حضور کا خط
آیا۔ جون کی تنخواہ کی رسید نہ پہنچنے کی اطلاع پائی۔ تہدستی و قرض کی رنج میں خستہ و آزرده
بیٹھا تھا۔ اوسی وقت عرضی لکھی۔ اگرچہ ڈاک کا وقت نہ تھا، مگر بھیج دی۔ (۳)

۶ اکتوبر سنہ ۶۶ ع کے عریضہ میں میرزا صاحب نے راحت کا انحصار قرض
کی ادائیگی میں بتایا ہے۔ تحریر کرتے ہیں:

حضور ملک و مال جسکو جسقدر چاہیں عطا کر سکتے ہیں۔ میں آپ سے صرف راحت مانگتا
ہوں۔ اور راحت منحصر اس میں ہو کہ قرض باقیانندہ ادا ہو جائے، اور آئندہ قرض لینے کی
حاجت نہ پڑے۔ (۴)

سرکار نے میرزا صاحب کا قرض ادا فرمادیا تو ۸ جنوری سنہ ۶۷ ع کو
اوسکے شکریہ میں لکھتے ہیں:

حضرت کے تصدق سے قرض ادا ہو گیا۔ تنخواہ و قسط سے اور میں نے رنج سے رہائی پائی۔ (۵)

اگست سنہ ۱۸۶۸ ع میں میرزا صاحب کے قرض کی ادائیگی کا سرکار نے پھر
وعدہ فرمایا۔ اس وعدہ سے میرزا صاحب کو جو مسرت ہوئی، اوسکا
اندازہ ان الفاظ سے بخوبی ہوتا ہے:

تین التماسین سابق پیش ہوئی تھیں... اون خواہشوں کے منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی۔ انشاء۔

(۱) مکاتیب، ص ۶۲ (۲) ایضاً، ص ۷۵ (۳) ایضاً، ص ۷۶ (۴) ایضاً، ص ۸۱ (۵) ایضاً، ص ۸۹

اللہ الکریم حسب ارشاد حضور امی برس ۶۸ میں آمد زمستان یعنی نومبر و دسمبر میں میرا قرض ... ادا ہو جائیگا . (۱)

۱۶ نومبر سنہ ۶۸ ع کو پھر لکھا :

• حال میرا تباہ ہوتا ہوا اب یہ نوبت پہنچی کہ ابکی تنخواہ میں سے ۵۴ روپے بچی جملا آٹھ سو روپے ہوں تو میری آبرو بچی ہے . ناچار حسین علیخان کی شادی اور اوسکی نام کی تنخواہ سے قطع نظر کی . اب اس باب میں عرض کروں کیا مجال . کبھی نکمہ لگا . آٹھ سو روپے بچکو اور دیجی . شادی کیسی ؟ میری آبرو بچ جائے تو غنیمت ہے مختصر یہ کہ اب میری جان اور میری آبرو آپکو ہاتھ ہے . مگر حضور جو عطا فرمانا ہے جلد ارشاد ہو . (۲)

۱۷ دسمبر کو میرزا صاحب نے یاد دہانی کی ، اور پھر آخری خط میں اپنے اضطراب کو ان الفاظ سے ظاہر کیا :

• حضور قرض خواہوں نے بہت عاجز کر رکھا ہے . بس میرا یہی کام ہے کہ یاد دلادوں . آگے حضرت مالک ہیں . (۳)

لیکن ابھی یہاں سے رقم پہنچنے نہ پائی تھی کہ میرزا صاحب کا انتقال ہو گیا .

امراض اور ضعف پیری

میرزا صاحب نے سب سے پہلے عریضہ نمبر ۱۴ مورخہ یکم اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ ع میں عوارض جسمانی کا ذکر کیا ہے . لیکن وہ ضعف پیری تک محدود ہے . فرماتے ہیں :

• خدمت گزار ہوں اور دعا و ثنا میرا کام ہے . بڑھاپہ تو کھو دیا . جز نفسی چند مجھ میں کچھ باقی نہیں . (۴)

قولنج

امراض کا شکوہ ۱۱ نومبر سنہ ۶۱ ع سے شروع ہوتا ہے . اس زمانہ میں میرزا صاحب ابتداء درد قولنج اور بعد ازاں بخار میں مبتلا ہوئے ، اور ایک ماہ تک ان امراض کی مصیبت جھیلے رہے . فرماتے ہیں :

• دعا گو ایک مہینہ بھر سے بیمار ہے . ابتدا وہی قولنج دوری . بسبب استعمال ادویہ جارہ ، کہ اس مرض میں اوس سے گزیر نہیں ، تپ تو آگھیرا . کئی بار باران بھگتین . اب دو بار باران تلگئی ہیں . لیکن طاقت بالکل سلب ہو گئی ہے . اور ضعف دماغ تو قریب بھلاکت پہنچا دیا ہے . بالفعل آب سبب کا استعمال ہے . (۵)

(۱) مکاتیب ، ص ۱۰۵ (۲) ایضاً ، ص ۱۰۷ (۳) ایضاً ، ص ۱۰۸ (۴) ایضاً ، ص ۲۰ (۵) ایضاً ، ص ۳۳

امراض مختلفہ کا هجوم

نواب خلد آشیان کی دعوتِ قدومِ رامپور کے جواب میں امراضِ مختلفہ اور صعوبتِ سفرِ تابستان کا عذر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :
 وہ آگ برس رہی ہو کہ طیور کو پر جل رہو ہیں . بعد آگ کے پانی برس گیا . سفر خصوصاً
 بوڑھی رنجور آدمی کو دونوں صورت میں متندر . (۱)
 ۲۳ جولائی کو پھر تحریر کیا ہے :
 پانی جگر گداز ، ہوا جانستان ، امراض مختلفہ کا هجوم جہاں تہاں . (۲)

نیم مردہ

سنہ ۱۸۶۵ ع میں نواب سکندر زمانی بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا . ایسے
 موقع پر میرزا صاحب کو بزبان فارسی و عبارتِ بلیغ تعزیت نامہ لکھنا
 چاہیے تھا . لیکن بڑھاپا اور ضعف مانع آیا ، اور انہوں نے ۱۸ ستمبر سنہ
 مذکور کو از راہِ معذرت لکھا :
 اب میں نیم مردہ ، دل پڑمردہ ، خاطر افسردہ ، جس باب میں لفظ و معنی فراہم کیا چاہوں
 وہ میرا سر طبع کی خلاف . (۳)

کوفتہ و رنجور

رامپور کے دوسرے سفر سے واپس ہوتے ہوئے میرزا صاحب مراد
 آباد پہنچ کر بیمار ہو گئے تھے . نواب خلد آشیان نے مزاجِ پرسی کی تو اسکے جواب
 میں ۲۱ جنوری سنہ ۶۶ ع کو رودادِ سفر بیان کر کے لکھتے ہیں :
 ایک ہفتہ کوفتہ و رنجور رہا . اب ویسا پیر و ناتوان ہوں جیسا کہ اس سفر سے پہلے تھا . (۴)

نیمجان ہون

سفر کی صعوبت اور عرضِ راہ کی بیماری نے میرزا صاحب کی رہی
 سہی صحت برباد کر دی ، اور یہ اپنے آپکو نیمجان سمجھنے لگے . چنانچہ ۲۹
 مارچ کو لکھتے ہیں :

اپنا حال اس سے زیادہ کیا لکھوں کہ آگو ناتوان تھا . اور اب نیمجان ہوں . برخوردار
 نواب مرزا خان اپنی مشاہدہ کی مطابق جو میری حقیقت عرض کری وہ مسموع و مقبول ہو . (۵)

(۱) مکاتیب ، ص ۵۴ (۲) ایضاً ، ص ۵۵ (۳) ایضاً ، ص ۶۴ (۴) ایضاً ، ص ۶۸ (۵) ایضاً ، ص ۶۹

حواس درست نہیں

امراض اور مالی دقتوں نے میرزا صاحب کے احساسات پر بھی کافی اثر اندازی کی۔ چنانچہ ۱۱ اگست سنہ ۶۶ ع کو تحریر کیا ہے:

« غم و بے ہوشی بڑھائی کہ بے ہوش و مضطرب کر دیا ہے۔ حضرت کی قدموں کی قسم! نہ حواس درست، نہ رای صحیح۔ برسوں سے مکروہات میں مبتلا رہتے اب طاعت تحمل کی نہ رہی۔ خدا جانی کیا ہوتا ہے، کیا سمجھتا ہوں۔ کیا کرنا چاہی، کیا کرتا ہوں۔ » (۱)

ضعف بصر اور رعشہ

۱۸ ستمبر سنہ ۶۶ ع کو چند نئے امراض کی شکایت کرتے ہوئے تحریر

کیا ہے:

« خاطر اقدس میں نگہری کہ غالباً تعمیل احکام میں کامل ہے۔ بصارت میں فتور۔ ہاتھ میں رعشہ۔ حواس مختل۔ » (۲)

امراض قدیم بڑھ گئی

اس کے ۶ ماہ بعد ۱۳ مارچ سنہ ۶۷ ع کو لکھتے ہیں:

« اس درویش کا حال اب قابل گزارش نہیں۔ امراض قدیم بڑھ گئی۔ دوران سر، اور رعشہ، اور ضعف بصر، تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا۔ لڑکوں سے بنوالتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی۔ ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہے۔ » (۲)

فرض محال

اسکے ایک مہینے بعد ۱۴ اپریل سنہ ۶۷ ع کو نمائشِ باغِ بینظیر کی

شرکت کی آرزو کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:-

« نمائشگاہ سر اسر سورامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں، اور خون جگر کھاتا ہوں، کہ ہاؤ میں وہاں نہیں! بالاخانہ پر رہتا ہوں۔ اوتر نہیں سکتا۔ مانا کہ آدمیوں کو گود میں لیکر اوتارا، اور پالکی میں بٹھادیا۔ کبار چلی، راہ میں نہ مرا اور رامپور پہنچ گیا۔ کباروں کو جا کر بینظیر میں میری پالکی رکھ دی۔ پالکی قفس اور میں طائراسیر۔ وہ بھی بڑے پروبال۔ نہ چل سکوں۔ نہ پھر سکوں۔ جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں یہ سب بطریق فرض محال ہے۔ ورنہ ان امور کو وقوع کی کہانِ محال ہے۔ » (۴)

اب دم نہیں

رفتہ رفتہ ماہ و سال کے سفر کیساتھ ساتھ میرزا صاحب کے اعضا بھی

فرسودہ و ناتوان ہوتے چلے گئے۔ تا آنکہ ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۷ ع تک یہ نوبت پہنچی کہ اونہوں نے منشی سیلچند صاحب کو صاف صاف لکھ دیا :
 ”بھائی پر تکلف لکھتا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں۔ نہ طاقت باقی ہو۔ نہ حواس درست ہیں۔ لکھا کچھ چاہتا ہوں۔ لکھ کچھ جاتا ہوں۔ بس اب تو یہ نوبت پہنچی ہو کہ آج بچا کل مرا۔ کل بچا پرسون مرا۔“ (۱)

وفات اور مدفن

آخر کار وہ دن بھی آ گیا، جسکی میرزا صاحب کو برسوں سے آرزو تھی، اور ۱۵ فروری سنہ ۱۸۶۹ ع مطابق ۲ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔ لیکن انکی خواہش تھی کہ بعد مرگ رامپور میں دفن کیا جاؤں۔ چنانچہ ۳۱ دسمبر سنہ ۵۹ ع کو حسین مرزا صاحب کو لکھا تھا :
 ”رامپور زندگی میں میرا مسکن اور بعد مرگ میرا مدفن ہو لیا۔“ (۲)

قضا و قدر نے یہ تمنا پوری نہونے دی، اور میرزا صاحب شاہ نظام الدین اولیا کے مزار کے قریب اپنے خاندان کے احاطے میں مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔



تصانیف

میرزا صاحب نے زیرِ نظر عریضوں میں اپنی متعدد تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے اکثر مشہور ہیں اور کئی کئی بار طبع بھی ہو چکی ہیں۔ لیکن بعض کے حالات سے ارباب علم ابھی تک آگاہ نہیں۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا اجمالی ذکر کر دیا جائے۔

تاریخ سلاطین تیموریہ

۱۴ جنوری سنہ ۵۸۰ع کے عریضہ میں میرزا صاحب نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

«از هفت هشت سال بتحریر تاریخ سلاطین تیموریہ می پرداختم ...» (۱)

واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۸۵۰ع میں شاہ ظفر نے میرزا صاحب کو تاریخ نویسی کی خدمت پر بمشاہرۃ پچاس روپیہ ماہوار مقرر فرمایا، اور حکم دیا کہ حکیم احسن اللہ خان بہادر تواریخ سے حالات اقتباس کر کے میرزا کو دیا کریں، اور میرزا صاحب اپنے اندازِ خاص میں ان واقعات کو تحریر کریں۔ میرزا صاحب نے کتاب کا نام پر توستان رکھا، اور یہ تجویز قرار پائی، کہ کتاب دو حصوں میں تقسیم کی جائے۔ پہلا حصہ ابتدائی آفرینش سے امیر تیمور گورگان تک بالاختصار اور تیمور سے ہمایون تک قدرے تفصیل کیساتھ مرتب کیا جائے۔ دوسرے میں جلال الدین اکبر سے سراج الدین بہادر شاہ تک کے واقعات ہوں۔ میرزا صاحب نے حصہ اول کا نام «مہر نیمروز» اور ثانی کا «ماہ نیم ماہ» رکھا۔ حصہ اول کے متعلق ۱۱ جون سنہ ۱۸۵۲ع کو میرزا صاحب نے منشی جواہر سنگھ جوہر کو لکھا ہے:

معرودہ روزنامہ روداد اورنگ نشینان چٹائیہ بدست ہیرا سنگھ روان داشتہ ایم، و ہنوز از رسیدن نشان یافتہ ایم۔ اگر رسیدہ است بنویسند۔ ورنہ از ہیرا سنگھ باز پرس کنند۔ (۱)
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سال ڈیڑھ سال کے اندر ہی »مہرِ نیمروز« تمام ہو چکی تھی۔ لیکن سنہ ۱۲۷۱ھ تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہوسکی (۲)، جسکی وجہ یہ ہوگی کہ اگر میرزا صاحب فوراً حضورِ شاہ مین کتاب پیش کر دیتے تو حصہ دوم کا تقاضا شروع ہو جاتا، جسکی واسطے یہ اسقدر جلد تیار نہ تھے۔

بہر حال مطبوعہ کتاب بادشاہ کے روبرو سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ع) مین پیش ہوئی۔ چاہئے تھا کہ میرزا صاحب حصہ ثانی کی ترتیب شروع کر دیتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، حتیٰ کہ سنہ ۵۷ع نے بساطِ حکومت اولئدی، اور »ماہِ نیم ماہ« شرمندہ طلوع نہوسکا۔ بظاہر اسکی ایک اہم وجہ میرزا صاحب کی جدید طرزِ انشا بھی ہے، جو بادشاہ تو بادشاہ اوس عہد کے کسی ادیب کو بھی پسندیدہ نہ تھی۔ ورنہ ناممکن تھا کہ سنہ ۵۴ع سے سنہ ۵۷ع تک بادشاہ تقاضا نہ کرتے، یا مہلت عطا کر دیتے اور قبلِ اتمام کتاب جلاوطن ہو جاتے تو میرزا صاحب اپنے خطوط مین یہ نہ لکھتے کہ مین نے حصہ ثانی کی ترتیب کا آغاز کر دیا تھا، لیکن اوسکو انجام تک اسلئے نہیں پہنچایا کہ اب اوسکا قدردان دلی سے رخصت ہو گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ اسی سال شیخ ابراہیم ذوق کا انتقال ہوا اور میرزا صاحب بہ تنخواہ موجودہ استادِ شہ قرار پائے، اسلئے اونہوں نے خلافِ دانشمندی سمجھا ہو کہ ایک تنخواہ کے عوض دو خدمتیں انجام دین۔ واللہ اعلم۔

دیوان اردو

میرزا صاحب نے ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۳ھ کے عریضہ مین اسکا اسطرح ذکر کیا ہے:

ۛ بچکو غم یہ ہی کہ غزلہای اصلاحی اور دیوان اردو کی رسید میں ذ نہ پائی۔۔۔۔۔ دیوان کی رسید۔۔۔ ایسی ہی باریک کاغذ پر لکھکر اس ساھوکار کو دیجیگا، اور اوسکو تاکید کیجیگا کہ اسکو بھیجیدی۔۔ (۱)

منشی شیونرائن اکبر آبادی کو اس نسخہ کے بارے میں لکھتے ہیں :
 داب تم سنو۔ دیوان ریختہ اتم و اکل کہاں تھا۔ مگر ہاں میں فی غدر سو پہلو لکھوا کر
 نواب یوسف علیخان بہادر کو رامپور بھیج دیا تھا۔ (۲)

اس بیان سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے مئی سنہ ۵۷ ع سے قبل دیوان اردو رامپور بھیجا۔ لیکن دراصل نسخہ مذکور عریضہ نمبر ۵ کے جواب کی تاریخ ۹ مئی اور تاریخ آشوب غدر ۱۱ مئی کے درمیان کسی تاریخ کو بھیجا گیا تھا۔ چونکہ وہ تاریخ غدر سے قبل تھی اسلئے میرزا صاحب نے مجملہ « غدر سے پہلے » کہا ہے۔

میرزا صاحب کو اسکی رسید نومبر سنہ ۵۸ ع تک موصول نہوسکی۔ جب ماء مذکور میں انہوں نے « دستنبو » کی ایک جلد تحفۃ ارسال کی اور نواب صاحب نے جواب میں لکھا کہ عدیم الفرستی کے سبب دیوان اور دستنبو ملاحظہ سے نگزرا، تو میرزا صاحب نے ۷ نومبر کو لکھا:

داس قرینی سے کہ بسبب کم فرصتی کی اونکا ملاحظہ نکرنا مرقوم ہوا ریختہ کی دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا۔ (۳)

اس نسخہ کی مفصل کیفیت صفحہ ۱۰ کے حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

دستنبو

میرزا صاحب نے « آغازِ یازدہم مئی سنہ ۱۸۵۷ ع سے ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۵۸ ع تک رودادِ شہر اور اپنی سرگزشت یعنی پندرہ مہینے کا حال ثر میں لکھا۔۔۔ اور التزام اسکا کیا۔۔۔ کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے، اور کوئی لفظ عربی نہ آئے» (۴)۔ اور منشی شیو نرائن کے مطبع واقع اکبر آباد (آگرہ) میں طبع کرا کے ایک نسخہ نواب فردوس

(۱) مکاتیب، ص ۱۰ (۲) اردوی معلی، ص ۳۸۱ (۳) مکاتیب، ص ۱۸ (۴) اردوی معلی، ص ۴۹

مکان کو ارسال کیا۔ ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع کو اسکی رسید کے متعلق لکھتے ہیں:

» اس قریب سی کہ بسبب کم فرصتی کے اونکا ملاحظہ نہ کرنا مرقوم ہوا، ریختہ کے دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا۔ دیوان کے دیکھنے ندیکھنے میں آپ کو اختیار ہو۔ مگر یہ چار جزو کا رسالہ جو اب بھیجا ہو اسکا دیکھنا ضرور درکار ہو۔ فارسی قدیم اور پھر حسن معنی اور صنعت الفاظ۔ با این همه ہر امر کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ۔ جناب عالی! طرفہ معاملہ ہو۔ خدا کا شکر ہو اور اپنی قسمت کا گلہ ہو۔ خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلق قلمہ کی طرح کے جرم کا یہ نسبت میری احتمال بھی نہیں۔ قسمت کا گلہ یہ کہ عطای پسن قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ انیسواں مہینا ہو۔ گویا بن کھاڑ جینا ہو۔ کہتے ہیں کہ جنوری شروع سال میں پسنداروں کو روپیہ ملیگا۔ دیکھو کیا نیا گل کھلیگا۔ پہلی نومبر کو یہاں اشتہار عام ہو گیا ہو۔ کہ اب قلمرو ہندوستان میں عمل ملکہ معظمہ عالیقام ہو گیا ہو۔ میں پہلی سی مداحوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں، اور وزرائ ملکہ دارا دربارت کے دو ساریفکٹ پاچکا ہوں۔ اگر اس اجمال کو بہ تفصیل معلوم کیا چاہی، تو اسی کتاب موسوم بہ «دستنبو» میں دیکھا چاہو۔» (۱)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع سے قبل کتاب طبع ہو چکی تھی۔ اس کتاب کی طباعت میں میرزا صاحب نے جسقدر اہتمام اور کوشش کی ہے اوسکی داستان سے اردوی معلیٰ اور عود ہندی کے صفحے کے صفحے پُر ہیں۔ ان خطوط کا ضروری اقتباس مولانا مہر کی کتاب کے صفحات ۳۲۶ - ۳۳۴ میں ملاحظہ ہو۔

کلیات فارسی

کلیات فارسی کا نسخہ میرزا صاحب نے مارچ سنہ ۱۸۶۱ ع میں نذر کیا تھا۔ یہ نسخہ خاندان لوہارو کے ایک بزرگ نواب نضر الدین خان مرحوم کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ ۷ اپریل سنہ ۶۱ ع کو اسکے بارے میں میرزا صاحب تحریر کرتے ہیں:

» کلیات فارسی کے پہنچنے سے اور اس فکر کے مقبول ہونے سے بھگو بہت خوشی حاصل ہوئی۔» (۲)

۱۹ محرم سنہ ۱۲۸۲ ھ (۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۵ ع) کو پھر اسکا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

و در قصیدہ مدحیہ میری دیوان فارسی میں مرقوم اور وہ دیوان حضرت کی کتابخانہ میں موجود ہو . (۱)

بعد ازان ۱۸ جون سنہ ۶۵ ع کو پھر لکھتے ہیں :

و اب عرض یہ ہو کہ حسب الحکم حضور کی یہ قصیدہ میری دیوان فارسی میں ، جو کتابخانہ میں موجود ہو ، درج کیا جائی . (۲)

نسخہ کی مزید تفصیل ص ۲۸ کے حاشیہ نمبر ۲ میں درج ہے .
نامہ غالب

میرزا صاحب نے سنہ ۱۸۶۰ ع میں فرہنگ برہان قاطع کے اغلاط پر مشتمل ایک رسالہ مسمی بہ « قاطع برہان » لکھکر نواب فردوس مکان کی امداد سے شایع کیا تھا . اسکے جواب میں ہندوستان کے متعدد اہل علم نے رسائل لکھے . ان حضرات میں سے ایک مرزا رحیم بیگ تھے . انہوں نے « ساطع برہان » رسالہ تصنیف کیا ، اور اوسمین میرزا صاحب کو بہت جلی کٹی باتیں سنائیں . میرزا صاحب نے اسکا جواب الجواب لکھا ، اور اوسکے پانچ نسخے نواب مرزا خان داغ دھلوی کے توسط سے نواب خلد آشیان کی خدمت میں نذر گزراکر ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع کو نواب صاحب کو لکھا :

ایک عبارت کا ایک جزو بطریق خط ایک انصاف دشمن کو لکھکر چھپوا دیا ہو . پارسل اوسکا نواب مرزا کو ارسال کیا ہو . پانچ رسالہ وہ میرطرف می نذر گزرا نیتگی . حضرت قبول نذر کو میرا عز و شرف جائزین گو . (۳)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسالہ مذکورہ شروع اگست سنہ ۶۵ میں شایع ہوا تھا .

انتخاب دیوان اردو

نواب خلد آشیان اساتذہ فارسی و اردو کے منتخبہ اشعار کی ایک بیاض مرتب فرمانا چاہتے تھے . اسکے لئے میرزا صاحب کے چیدہ چیدہ اشعار کی بھی ضرورت تھی . لہذا انہوں نے ۲۵ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کو میرزا صاحب کو لکھا کہ آپ اپنے اردو اور فارسی کلام کا انتخاب روانا فرمائیے ، تاکہ

(۱) مکاتیب ، ص ۵۳

(۲) ایضاً ، ص ۵۳

(۳) ایضاً ، ص ۵۷

مجموعہ مذکور میں شامل کیا جائے۔ میرزا صاحب نے ۱۰ ستمبر کو جواباً تحریر کیا:

اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہے۔ بعد اتمام تحریر نذر کیا جائیگا۔ (۱)

۱۸ ستمبر کو پھر تحریر کیا:

«خاطر اقدس میں نگہری کہ غالب تعمیل احکام میں کاهل ہے۔ بصارت میں فتور۔ ہاتھ میں رعشہ۔ حواس مختل۔ ناچار کاتب کی تلاش کی۔ شہر سراسر ویران ہے۔ کاتب کہاں؟ باری ایک دوست فی کاتب نشان دیا۔ اردو کا دیوان اشعار پر صادر کر کے اوسکو حوالہ کیا۔ کل وہ اجزای منقولہ آئی۔ آج بطریق پارسل مع اس عرضی کے ارسال کیے۔ خط کاتب کا بھگو پسند نہیں آیا۔ حضرت کو کیونکر پسند آئیگا۔ اغلاط اتنے تھے کہ بھگو تحریر کی برابر محنت پڑی۔» (۲)

۲۴ ستمبر کو سہ بارہ اردو دیوان کا اسطرح ذکر کیا ہے:

«اردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں۔ یقین ہو کہ حضرت کی نظر انور سے گزر گیا ہو۔» (۳)

انتخاب دیوان فارسی

اسی سلسلہ میں میرزا صاحب نے اپنی فارسی غزلوں کا انتخاب بھی روانا کیا تھا۔ ۱۰ ستمبر کے خط میں اسکی متعلق فرماتے ہیں:

«فارسی دیوان کا شیرازہ کھول کر چند شخصوں کے حوالہ کیا ہے۔» (۴)

۱۸ ستمبر کے عریضہ میں دیوان اردو کے ارسال کی اطلاع کے بعد لکھتے ہیں:

«فارسی کی کلیات کا شیرازہ کھول کر اجزا اوسکی احباب پر تقسیم کر دیئے ہیں۔ جاہجا اشعار پر صادر کر دیئے ہیں۔ وہ بھی میری انتخاب کے مطابق نقل ہو رہے ہیں۔ بعد اتمام وہ بھی پیشکش کرونگا۔» (۵)

میرزا صاحب نے یہ انتخاب ۲۴ ستمبر کو روانا کر کے بطریق اطلاع سرکار کو لکھا:

«آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریق پارسل اس عرضی کیساتھ بھیجتا ہوں۔ ... اس درویش فی صرف غزلین اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہے۔ قصائد و قطعات و مشویات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا۔ اگر حکم ہو تو وہ بھی بھیجوں۔» (۶)

لیکن اغلب یہ ہے کہ سرکار نے ان اصنافِ نظم کا انتخاب طلب نہیں فرمایا۔ ان دونوں نسخوں کے متعلق ص ۷۹ کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ کیجیے۔

تلامذہ

میرزا صاحب کے شاگردوں کی تعداد خاصی ہے۔ لیکن مکاتیب میں صرف چند اصحاب کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے باقر علیخان اور حسین علیخان سببی خاندان کے عنوان کے ماتحت مذکور ہو چکے۔ بقیہ اصحاب حسب ذیل ہیں۔

نیر

نواب ضیاء الدین خان بہادر نیر ورخشان ابن نواب احمد بخش خان بہادر والی فیروزپور جھرکہ و لوہارو میرزا صاحب کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ نواب خلد آشیان نے ۲۵ اگست سنہ ۶۶ ع کے فرمان میں میرزا صاحب سے ارشاد فرمایا تھا کہ بھائی ضیاء الدین خان صاحب کے کلام کا انتخاب بھی بھجوائیے۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے ۱۰ ستمبر کو لکھا:

» بھائی ضیاء الدین خان کا مجموعہ نظم و نثر فارسی و اردو مراسر دیکھا ہوا میرا، جو اونکر کتابخانہ میں تھا، غدر میں لٹ گیا۔ بعد غدر ذوق شعر باطل اور دل افسردہ ہو گیا۔ دو تین غزلین فارسی و ہندی جو لکھی ہیں اوسکا انتخاب بھی پہنچا گا۔ (۱)

۲۴ ستمبر کو انتخاب دیوان فارسی کیساتھ جو عریضہ بھیجا تھا اوسمیں ضیاء الدین خان بہادر کے بارے میں تحریر کیا ہے:

» بھائی ضیاء الدین خان بہادر نے جو اوراق میری پاس بھیجی ہیں وہ بھی اس پارسل میں رکھ دیو۔ میں۔ حضرت اس غریب کا مجموعہ نظم و نثر غدر میں لٹ گیا۔ بعد غدر جو کچھ کہا ہو وہ یہی ہے، جو پہنچتا ہو۔ (۲)

نواب ضیاء الدین خان بہادر کیلئے ص ۷۹ کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ ہو۔

ناظم

میرزا صاحب کے دوسرے قابل نخر شاگرد، جنکا مکاتیب میں اسلئے

بارہا ذکر آیا ہے کہ ابتدائی ۴۲ عرایض اون کے نام نامی سے معنون ہیں ، نواب سید محمد یوسف علیخان بہادر فردوس مکان ناظم تخلص ہیں . چونکہ دیباچہ میں موصوف الذکر کی شاگردی سے بالتفصیل بحث کی گئی ہے ، نیز اونکے سوانح پر ایک مختصر نوٹ مکاتیب کے آغاز میں درج ہے ، اسلئے یہاں صرف ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے .

نواب خلد آشیان

نواب سید محمد کلب علیخان بہادر خلد آشیان بھی میرزا صاحب کے زمرہ تلامذہ کے رخشندہ گوہر ہیں . آپ نے ۲۷ اگست ۶۶ ع کو ایک فارسی نثر میرزا صاحب کو بغرض اصلاح بھیجی تھی ، اور گرامی نامہ مورخہ ۲ اکتوبر میں تحریر فرمایا تھا :

» مرا ازان مشفق واسطۂ تلذذ بودہ است . « (۱)

بعض وجوہ سے یہ رشتہ پایدار ثابت نہ ہوا ، اور غالباً صرف ایک نثر پر میرزا صاحب اصلاح دیسکے . مکاتیبِ ہذا کی بڑی تعداد آپ کی خدمتِ اقدس میں لکھی گئی ہے . چونکہ آپ کے نام کے عرایض کے شروع میں سوانحِ حیات پر مشتمل ایک نوٹ اضافہ کر دیا گیا ہے ، اسلئے یہاں تفصیل کی حاجت نہیں .

لوازمات امارت

شاگرد پیشہ

ایک عریضہ مین میرزا صاحب نے اپنے ملازمون کا بھی اجمالی ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں :

حضور کے عطف پر میرا اور شاگرد پیشہ کا اور حسین علی کا گزارا ہے۔ عالم الغیب جانتا ہے جس طرح گزرتی ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کے ملازمون کی تعداد خاصی تھی، اور یہ کہ وہ اس غربت مین بھی لوازمات امارت کے پابند تھے۔ ان خدمتگارون مین سے بعض کا تذکرہ میرزا صاحب کے دوسرے سفر رامپور کے ضمن مین آئیگا۔

مختار کار

میرزا صاحب نے روسا کی طرح مالی اور دیگر دفتری کاروبار کے انصرام کیلئے مختار کار بھی رکھ چھوڑا تھا۔ یہ قوم کا بنیا اور ساھوکاری پیشہ تھا۔ بسا اوقات اسی سے میرزا صاحب قرض بھی لیا کرتے، اور اسی کے ہاتھ سرکار رامپور کی فرستادہ ہنڈوی فروخت کر ڈالتے تھے۔

۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کے عریضہ مین میرزا صاحب نے پہلی بار اسکا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

آج آخر روز توفیق و قیام مع جولانی کی تنخواہ کی ہنڈوی کو پہنچا۔ ہنڈوی مختار کار کو دی اور یہ عرضی لکھی بیٹھا۔ (۲)

بعد ازان ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ ع کو منشی سیلچند کے نام کے مکتوب مین لکھتے ہیں :

اگلی مہینے یعنی اگست سنہ ۱۸۶۸ کی تنخواہ کی ہنڈوی جو تم نے بھیجی تھی اوسکا روپیہ اب تک نہیں پٹا۔ مین تو جس دن ہنڈوی آئی ہے اوس دن یا دوسری دن اپنی مختار کار کے ہاتھ، کہ وہ بھی مہاجن ہے، بیچ ڈالتا ہوں۔ مگر اوس مختار کو جسکو ہان ہنڈوی آئی ہے اوسنی روپیہ اب تک نہیں دیا۔ (۳)

(۳) ایضاً، ص ۱۱۶

(۲) ایضاً، ص ۷۶

(۱) مکاتیب، ص ۷۵

انگریزی تعلقات

دیرینہ نمکخوار

حکومت انگلشیہ سے میرزا صاحب کے تعلق کا آغاز اونکے چچا نصر اللہ بیگ خان بہادر کے توسط سے ہوتا ہے۔ نصر اللہ بیگ خان بہادر انگریزی فوج میں رسالدار، اور پرگنہ سونک سونسا کے جاگیردار تھے۔ میرزا صاحب اپنے والد کے انتقال کے بعد چچا کی سرپرستی میں پرورش پا رہے تھے کہ سنہ ۱۸۰۶ ع میں، جبکہ انکی عمر ہنوز دس سال کی بھی نہ ہوئی تھی، نصر اللہ بیگ خان بہادر کا انتقال ہو گیا۔ لارڈ لیک بہادر نے دیرینہ خدمات کا لحاظ کر کے جاگیر کے عوض اونکے متعلقین کی پنشن مقرر کرادی، اور اس طرح میرزا صاحب انگریزوں کے وظیفہ خوار بن گئے۔ یہ پنشن نواب احمد بخش خان بہادر والی فیروزپور جھرک، برادر نسبتی نصر اللہ بیگ خان بہادر، کے خزانہ سے ماتی تھی۔ لیکن اونکے جانشین، نواب شمس الدین احمد خان بہادر کو ولیم فریزر ریزیڈنٹ دہلی کے قتل کرانے کے الزام میں پھانسی دیدی گئی، اور فیروزپور کی جاگیر ضبط ہو گئی، تو میرزا صاحب اور دیگر ورثائی نصر اللہ بیگ خان کی پنشن خزانہ کلکتری دہلی سے تقسیم ہونے لگی اور اپریل سنہ ۱۸۵۷ ع تک میرزا صاحب کو ملتی رہی۔

میرزا صاحب اپنی اس «دیرینہ نمکخواری» کے متعلق نواب فردوس مکان کو تحریر کرتے ہیں :

«حالی رای جہان آرای باد، کہ دیرینہ نمکخوار مرکار انگریزم۔ و از سر آغاز سال یکہزار و ہشتصد و شش، کہ درآنگاہ شمار سنین عمر من از ده نگزشتہ بود، بعوض جاگیر عم حقیقی نسب خود نصر اللہ بیگ خان بہادر، کہ باجمیع رسالہ چہار صد سوار بمعیت جرنیل لاژد لیک بہادر در فتح ہندوستان کوششہای نمایان کردہ، و پرگنہ سونک سونسا بقید حین حیات جاگیر

یافتہ ، و ہم دران عہد بمرگ ناگاہ از جهان رفته بود ، بفرمان جنرل لاڈلیک بہادر و منظوری گورمنٹ مشیت زری شامل جاگیر عم سببی من نواب احمد بخش خان بہادر در وجہ معاش من منجملہ زر استمراری سرکاری ، کہ بدمہ نواب احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود ، قرار یافت . چون جانشین احمد بخش خان کیفر کردار یافت و جاگیر بسرکار باز یافت شد ، رسیدن آن وجہ مقررری از خزائنہ کلکتری دہلی صورت پزیرفت . چنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتری دہلی یافتہ ام . (۱)

دربار اور خلعت

پنشنخوار کی حیثیت سے میرزا صاحب اہم شخصیت کے مالک نہ تھے . اونہیں ساڑھے سات سو روپیے سالانہ یا ساڑھے باسٹھ روپیہ ماہوار کا معمولی وظیفہ ملتا تھا . نواب خلد آشیان کو ۵ ستمبر سنہ ۶۷ ع کے عریضہ میں لکھا ہے :
 « باسٹھ روپے آٹھ آن مہینہ انگریزی سرکار سی یعوض جاگیر پاتا ہوں . » (۲)
 در اصل اونکا حقیقی اعزاز یہ تھا کہ گورنر جنرل کے دربار میں داہنی صف میں دسویں کرسی اور سات پارچے مع جیغہ ، سریچ و مالای مروارید خلعت پاتے تھے . نواب فردوس مکان کو یہ تفصیل لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

« میں انگریزی سرکار میں علاقہ ریاست دودمانی کا رکھتا ہوں . معاش اگرچہ قلیل ہی ، مگر عزت زیادہ پاتا ہوں . گورمنٹ کو دربار میں داہنی صف میں دسواں نمبر اور سات پارچہ اور جیغہ ، سریچ ، مالای مروارید خلعت مقرر ہی . » (۳)

غدر اور قصور خدمت

سرکار انگریزی سے میرزا صاحب کے تعلقات مئی سنہ ۵۷ ع تک خوشگوار تھے . جب دہلی اور دیگر اطراف ملک میں انگریزوں کے خلاف فوج اور رعایا نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا ، اور شاہ ظفر مطلق العنان حکمران قرار دیے گئے ، تو میرزا صاحب کیلئے بجز گوشہ گیری کوئی چارہ کار نہ رہا . کیونکہ اگر اپنی محسن سرکار کا ساتھ دیتے ، تو باغی گھر بار لوٹ لیجاتے ، اور اہل قلعہ کی کھلم کھلا حمایت کرتے ، تو بصورتِ ناکامی انگریزوں کی طرف سے بدسلوکی کا خوف تھا . نصیب کی تائید سے میرزا صاحب کی تدبیر کارگر ہوئی ، اور وہ

شہر دہلی کے اندر باغیوں کیساتھ «بیاطن بیگانہ و بظا ہر آشنا» ایام گزاری کرتے رہے۔ تا آنکہ انگریزی فوج نے دوبارہ شہر فتح کیا، اور اون اشخاص کی دار و گیر شروع ہوئی، جنہوں نے باغیوں کی جنبہ داری کی تھی۔ اہل شہر نے انگریزی سپاہ کے داخل شہر ہوتے ہی بھاگنا شروع کر دیا، لیکن میرزا صاحب اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ شہر میں تحقیقات شروع ہوئی۔ مخبروں نے اطلاعین بہم پہنچا کر باغیوں کی تلاش میں گورنمنٹ کی مدد کی، مگر باوجود تعلق قلعہ میرزا صاحب کے دامن وفاداری پر دہبہ نہ آیا۔ حکام کو میرزا صاحب کے قیام دہلی کی اطلاع ہوئی، مگر اونہوں نے اس سے دلچسپی نہ لی۔ خود میرزا صاحب نے کسی حاکم سے اسلئے ملنا مناسب نہ جانا کہ موجودہ اصحاب میں اونکا کوئی شناسا نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کیلئے انکے تعلقات انگریزی منقطع ہو گئے۔ دوران بغاوت میں نواب فردوس مکان نے انگریزوں کی بڑی امداد کی تھی۔ میرزا صاحب اس حقیقت سے واقف تھے۔ جب غدر کی آگ بجھ گئی، تو انہوں نے ازراہ مصلحت ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو اپنی ساری روداد نواب صاحب کو لکھی، اور آخر میں عرض کیا:

«راستی اینکه درین فتنہ و آشوب خدمتی بجا نیاوردہ ام۔ لیکن مقام شکر است کہ بہ تقدیم نرسیدن

خدمت از راہ بیدستگاہیست و ذریعہ اخلاص و خلوص همان بیگناہیست۔» (۱)

بعد ازان ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع کو تحریر کیا ہے:

«خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلق کس طرح کی جرم کا بہ نسبت میری احتمال بھی نہیں۔» (۲)

اسی سلسلہ میں ۷ نومبر سنہ ۵۹ ع کو لکھتے ہیں:

«ابتک میں اپنی کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بیگناہ ہوں یا گناہگار۔ مقبول ہوں یا مردود۔ مانا کہ

کوئی خیر خواہی نہیں کی جو تو انعام کا مستحق ہوں۔ لیکن کوئی بیوفائی بھی سرزد نہیں ہوئی

جو دستور قدیم کو برہم ماری۔» (۳)

مسدودی دربار و خلعت و پٹن

میرزا صاحب نے ایام غدر میں جو رویہ اختیار کیا تھا اوسکی بنا پر

حکومتِ انگلشیہ کی نظر میں مجرم ثابت نہوے کہ سزا دیجاتی، لیکن کسی خاص خدمت کے انجام ندینے کے سبب اس کے بھی مستحق خیال نہ کیے گئے کہ پنشن، دربار اور خلعت بحال رکھا جائے۔ چنانچہ یہ تینوں اعزاز بند ہو گئے۔ نواب فردوس مکان کو ۷ نومبر سنہ ۱۸۵۹ ع کے عریضہ میں دربار و خلعت کے ذکر کے بعد لکھا ہے:

• لاؤد ہارڈنگ صاحب کے عہد تک پایا۔ لاؤد دہلوی یہاں آؤ نہیں۔ اب یہ نواب معلی القاب آؤ ہیں۔ زمانہ کا رنگ اور۔ کوئی حاکم کوئی سکرتر میرا آشنا نہیں۔ بڑی میری مری قدردان جناب اڈمنسٹن صاحب۔ وہ بھی چیف سکرتر نہو۔ لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ وہ سکرتر رہتی تو مجھے کچھ غم نہ تھا۔ (۱)

پنشن کی مسدودی کے بارے میں ۱۴ جنوری سنہ ۵۸ ع کے محولہ بالا عریضہ میں لکھتے ہیں:

• چنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتری دہلی یافتہ ام۔ و از مئی خود آشکار است کہ حال چیست۔ (۲)

اسکے بعد ۷ نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو تحریر کرتے ہیں:

• جناب عالی! طرفہ معاملہ ہو۔ خدا کا شکر ہو، اور اپنی قسمت کا گلہ ہو۔ خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلق قلعہ کی طرح کہ جرم کا بہ نسبت میری احتیال بھی نہیں۔ قسمت کا گلہ یہ کہ عطای پنسن قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ انیسواں مہینا ہو۔ گویا بن کھائی جینا ہو۔ (۳)

پنشن کی بحالی کی کوشش

غالباً مئی سنہ ۱۸۰۶ ع سے اپریل سنہ ۵۷ ع تک میرزا صاحب کو خاندانی وظیفہ ملتا رہا۔ مئی میں غدر ہو گیا اور چند ماہ تک اہل دہلی اور گورنمنٹ کے تعلقات منقطع رہے۔ فتح دہلی کے بعد جنوری سنہ ۵۸ ع تک میرزا صاحب نے اسلئے تجدیدِ راہ و رسم کی سعی نکلی، کہ شناسا حاکمون میں سے اب کوئی نہ رہا تھا، اور تھے حکام سے ملاقات کی تقریب کوئی خدمت ہونی چاہیے تھی، جو از راہ احتیاط انہوں نے انجام نہیں دی تھی۔ چنانچہ ۱۴ جنوری سنہ ۵۸ ع کے عریضہ میں نواب فردوس مکان کو لکھا ہے:

د از مر آغاز سال ۱۸۰۶ ... بعوض جاگیر عم حقیقی نسی خود ... مشیت زری ... در وجہ معاش من قرار یافت چنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتری دہلی یافتہ ام . و از مئی خود آشکاراست کہ حال چیست می بایست کہ خود سلسلہ جنبان گشتمی . و با حکام پیوستی . درین بارہ سخن آنست ، کہ درین فرماندہان با هیچ کس سابقہ معرفتی ندارم . و معہذا موقع و محل آن نمی نگرم کہ نامہ نویدم ، و خواہش ملاقات بیان آورم . راستی اینکہ درین فتنہ و آشوب خدمتی بجا نیاورده ام . (۱)

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴ جنوری اور ۲۵ مارچ سنہ ۵۸ ع کے درمیان ہی مین بحالی پنشن کی سلسلہ جنبانی شروع کردی تھی . اسلئے کہ نواب فردوس مکان کی بالواسطہ دعوت رامپور کے جواب مین صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر کو ۲۵ مارچ سنہ ۵۸ ع کو لکھتے ہیں :

د مین فی اپنی پنسن کو باب مین چیف کمشنر بہادر کو درخواست دی تھی . وہاں سی صاحب کمشنر شہر کو وہ درخواست حوالہ ہوئی . صاحب کمشنر دہلی فی صاحب کلکٹر شہر سی کیفیت طلب کی ہی . پس اگر وہ کیفیت پنسن کی ہو تو یہاں کی کلکتری کا دفتر اگر نہیں رہا نہ رہی . رینوبورڈ کو دفتر اور لفٹنگ گورنری آگرہ اور نواب گورنر جنرل کلکتہ کو دفتر اس پنسن کی کیفیت سی خالی نہیں ہیں . اور اگر میری کیفیت مطلوب ہی ، تو میرا بیجرم اور بری اور الگ ہونا فساد سی از روی دفتر قلعہ و اظہار مخبرین ظاہر ہو . بہر حال صاحب کمشنر شہر کیفیت صاحب کلکٹر سی طلب کر کر چیف کمشنر کو ساتھ پنجاب کو گئی ہیں . دیکھی کب آوین ، اور بعد ملاحظہ کیفیت کیا حکم دین . (۲)

مداحوت مین نام

اس عرصہ مین میرزا صاحب نے مداحان حکومت انگلشیہ مین اپنا نام درج کرا کے وزرایِ ملکہ معظمہ کے دو سارٹیفکٹ حاصل کر لئے تھے . لیکن اسکے باوجود نومبر سنہ ۵۸ ع تک پنشن جاری نہوئی ، اور جب شہر مین یہ افواہ مشہور ہوئی کہ جنوری سنہ ۱۸۵۹ ع مین پنشنداروں کو روپیہ ملیگا ، تو ۷ نومبر سنہ ۵۸ ع کو میرزا صاحب نے از راہ شکایت نواب فردوس مکان کو لکھا :

د قسمت کا گلہ یہ کہ عطای پنسن قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں . یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ انیسواں مہینا ہی . گویا بن کھائی جینا ہی . کہو ہیں کہ جنوری شروع سال مین پنشنداروں کو روپیہ ملیگا .

دیکھو کیا نیا گل کھایگا . پہلی نومبر کو یہاں اشتہار عام ہو گیا ہی ، کہ اب قلعہ ہندوستان میں عمل ملکہ معظمہ عالیقام ہو گیا ہی . میں پہلی سی مداحون میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں . اور وزرای ملکہ دارادربان کو دو سارقی فکٹ پا چکا ہوں . (۱)

اسکے جواب میں نواب صاحب نے لکھا کہ آپ رامپور تشریف لے آئیے . میرزا صاحب نے ۳ دسمبر کو جواباً تحریر کیا :

» میری حاضر ہونیکو جو ارشاد ہوتا ہی ، میں وہاں نہ آؤنگا ، تو اور کہاں جاؤنگا . پنشن کو وصول کا زمانہ قریب آیا ہی . اسکو ملتوی چھوڑ کر کیونکر چلا آؤں . سنا جاتا ہی ، اور یقین بھی آتا ہی ، کہ جنوری آغاز سال ۵۹ عیسوی میں یہ قصہ انجام پاؤ . جسکو رویہ ملنا ہی اوسکو رویہ ، جسکو جواب ملنا ہی اوسکو جواب ملجاؤ . (۲)

عرضی کی روداد

جنوری سنہ ۵۹ ع پر دو مہینہ اور گزر گئے ، مگر ہنوز مقدمہ پنشن فیصل نہوا . سرکار نے ۱۳ اپریل کو پھر دعوت آمد رامپور دی ، تو میرزا صاحب نے امید وصولیابی پنشن کا گیت گاتے ہوئے لکھا :

» مجموعہ پسنداروں کی مثل مرتب ہو ، اور ہنوز صدر کو روانہ نہیں ہوئی . نواب گورنر جنرل لاؤڈ کینٹ بہادر نے کلکتہ سے میری کواغذ طلب کی ، اور وہ کاغذ فہرست میں سے الگ ہو کر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے . وہاں سے کلکتہ کو بھیجی جائیگی . پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب ہوتا ہوا یہاں آئیگا ، اور یہاں مجھکو رویہ ملجائیگا . (۳)

راہ چارہ مسدود

جب مہینے پر مہینا گزرنے لگا ، اور پنشن کا تصفیہ نہوا ، تو میرزا صاحب نے ۷ نومبر سنہ ۵۹ ع کو مجبوراً لکھا :

» ابتک میں اپنے کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بیگناہ ہوں یا گناہگار . مقبول ہوں یا مردود . مانا کہ کوئی خیر خواہی نہیں کی جو نئی انعام کا مستحق ہوں . لیکن کوئی بیوفائی بھی سرزد نہیں ہوئی جو دستور قدیم کو برہم ماری . بہر حال راہ چارہ مسدود اور دکھ موجود . عرفی خوب کہتا ہی : مرا زمانہ طناز دست بستہ و تیغ زند بفرقم و گوید کہ ہاں سری میخار . (۴)

نواب فردوس مکان کی سفارش

نواب فردوس مکان اپنے استاد کی پریشانی سے کاحقہ واقف تھے . آپ نے از راہ نوازش اکثر انگریز حکام سے اسلئے میرزا صاحب کی تعریف کی

کہ انکے سابقہ مدارج بحال ہو جائیں۔ اور جب میرزا صاحب کا یاسنامہ مورخہ ۷ نومبر سنہ ۵۹ ع مطالعہ فرمایا تو تسکینِ خاطر کیلئے لکھا:

”مشفق! هنگام ملاقات کی اکثر صاحبانِ ذیشان سے تذکارِ حماد اوصافِ ذاتی اور صفاتی آپکا عمل میں آیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی فضل اور قدرِ ذاتی سرکارِ دولتمداری یقینِ واثق ہو کہ جو مدارج شریف آپکی قدیم سے ہیں، پیشگاہِ گورنمنٹ سے بھی اوسے مطابق ظہور میں آویگا۔ کسواسطی کہ اہالی سرکار ابد قرارِ قدردان و قدر شناس ہیں۔“ (۱)

اقبال کی تائید

سرکار کی سفارش بار آور ہوئی، اور پنشنداروں کا نقشہ بعدِ صدور حکم صدر سے واپس آگیا۔ میرزا صاحب نے ۱۲ اپریل سنہ ۶۰ ع کو ان الفاظ میں سرکار کو اطلاع دی:

”عالم دو ہیں۔ ایک عالمِ شہادت، ایک عالمِ غیب۔ جس طرح عالمِ شہادت میں آپ میری دستگیری کر رہے ہیں، عالمِ غیب میں آپکا اقبال مجھکو مدد پہنچا رہا ہو۔ تفصیل اس اجمال کی یہ کہ وہ نقشا پنشنداروں کا جو بیان سے صدر کو گیا تھا، وہ اب صدر سے بعدِ صدور حکم آگیا۔ حکم بہ نسبت ہر واحد کی مختلف ہو۔ تقلیل بہت ہو۔ سوریہ مہینو والیکو پچھتر بھی ہیں اور پچیس بھی ہیں اور دس بھی ہیں۔ اب فرمائی میری واسطی کیا احتمال گزرتا ہو۔ یاس کلی ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہوا ہو کہ سب سے پہلے میرا نام اور پوری پنشن کی واگراشت کا حکم۔ طرفہ یہ کہ میری نام کے ساتھ ایک انگریزی تحریر ہو، کہ جسکو دیکھو سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ گورنمنٹ کا حکم منظوری اس تحریر پر متفرع ہو۔ حکام کے عملہ میں اور وکلا اور اہل شہر میں یہ مشہور ہو کہ وہ تحریر ولایت سے آئی ہو۔ بہر حال دو امر ہنوز مبہم ہیں۔ ایک اس انگریزی تحریر کا حال اور دوسری میری بھائی کی پنشن کی حقیقت۔ سو یہ دونوں امر چند روز میں معلوم ہو جائیگی۔ اور جو معلوم ہوگا وہ عرض کیا جائیگا۔“ (۲)

خناساز بات

میرزا صاحب نے ۴ مئی سنہ ۶۰ ع کو زرِ پنشن وصول کر لیا۔ اہلِ دہلی نے اس اجرا کو نواب فردوس مکان کی سعی و کوشش کا نتیجہ قرار دیا۔ میرزا صاحب ان مراتب سے سب سے زیادہ آگاہ تھے، اور جنوری سنہ ۶۰ ع میں رامپور آتے وقت بعض احباب کو یہ لکھ بھی چکے تھے کہ

اس سفر کا مقصد یہ ہے کہ نواب صاحب کے ذریعہ گورنمنٹ سے میری صفائی ہو جائے۔ لیکن اسکے باوجود جب یوسف مرزا صاحب نے لکھا کہ خواجہ جان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ والی رامپور کی کوشش سے آپکی پنشن جاری ہو گئی، تو اسکے جواب میں میرزا صاحب نے اجرائی پنشن کو مسبب الاسباب کی طرف منسوب کرتے ہوئے حقیقتِ حال کے اظہار سے اغماض کیا۔ فرماتے ہیں:

»خواجہ جان جھوٹ بولتا ہے۔ والی رامپور کو اس پنشن کو اجرا میں کچھ دخل نہیں۔ یہ کام خدا ساز ہے بعلی بن ایتالاب علیہ السلام۔« (۱)

بحالی دربار و خلعت کی کوشش

اوپر عرض کیا جا چکا ہے، کہ میرزا صاحب گورنر جنرل کے دربار میں خلعتِ ہفت پارچہ اور سہ رقومِ جواہر لارڈ ہارڈنگ صاحب کے وقت تک حاصل کرتے رہے۔ لارڈ ڈلہوسی نے دلی آکر دربار نہیں کیا۔ اسلئے سنہ ۱۸۴۸ ع سے غدر سنہ ۵۷ ع تک میرزا صاحب کو شرکتِ دربار اور حصولِ خلعت کا کوئی موقع میسر نہ آیا۔ غدر کے بعد بعد از اشتباہ پنشن بند ہوئی تو دربار و خلعت کی امید بھی جاتی رہی۔ لیکن اجرائی پنشن کے بعد میرزا صاحب نے بحالی دربار کی درخواست کی، جس پر عرصہ تک تحقیقات ہوتی رہی۔

گورنر کا دربار اور خلعت

سہ شنبہ ۳ مارچ سنہ ۱۸۶۳ ع کو^(۲) سر رابرٹ مشگمری لفٹننٹ گورنر پنجاب نے دلی میں دربار کیا۔ میرزا صاحب کو بھی شرکت کا حکم ملا۔ یہ اوس روز نہ گئے۔ دوسرے دن گورنر نے یاد کیا، تو خیام

(۱) اردوی معلیٰ، ص ۳۳۱

(۲) مولانا مہر فی «غالب» صفحہ ۲۳۹ اور ۲۴۱ پر لکھا ہے کہ مارچ سنہ ۱۸۶۲ ع میں دربار و خلعت بحال ہوئی۔ یہ رای درست نہیں ہے۔ دراصل یہ مارچ سنہ ۱۸۶۳ ع کا واقعہ ہے۔ کیونکہ نواب فردوس مکان اور میرزا صاحب کی مراسلت کا ہر خط مورخہ ہے۔ اور جن خطوں میں زیر بحث مسئلہ کا ذکر آیا ہے وہ سنہ ۱۸۶۲ ع کے ہیں، بلکہ سنہ ۱۸۶۳ ع کے تحریر شدہ ہیں۔ غالباً اردوی معلیٰ کے مطبوعہ نسخہ کی غلطی طباعت سے میرزا صاحب کو یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔ نیز اردوی معلیٰ ص ۱۱۲ پر میرزا نقتہ کے نام کے مکتوب کی تاریخ ۴ فروری بھی غلط ہے۔ اسکو ۴ مارچ ہونا چاہیے۔

گورنری مین حاضر ہوئے۔ صاحب نے خلعت دیا اور فرمایا کہ گورنر جنرل بہادر کا دربار انبالے مین ہونیوالا ہے۔ آپ وہاں بھی تشریف لیجائیے، اور دربار مین شریک ہو کر خلعت معمولی حاصل کیجیے۔ میرزا صاحب نے غالباً ۴ مارچ کو سرکار سے زادِ راہ کیلئے عطیہ کی درخواست کی۔ ۱۱ کو سرکار نے ۲۰۰ روپیہ بھیجے۔ ۱۶ مارچ کو میرزا صاحب روپیہ کی رسید کیساتھ نواب فردوس مکان کو لکھتے ہیں:

واب سنیٹی اپنی دعاگو کی داستان۔ منگل ۳ مارچ کو جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے خلعت عطا کیا، اور فرمایا کہ ہم تمہیں مژدہ دیتی ہیں کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے اپنی دفتر مین تمہاری دربار اور خلعت کی بدستور بحال رہنے کا حکم لکھوا دیا۔ مین نے عرض کیا کہ مین انبالے جاؤں؟ فرمایا البتہ انبالے جانا ہوگا۔

بعد جناب نواب صاحب کی جائیکہ شہر مین شہرت ہوئی کہ دلی کی لوگ انبالے جاتی سی ممنوع ہیں۔ گھبراہٹ اور صاحب کشنر کی پاس گیا۔ آپ خط اپنا دی آیا۔ زبانی پرسش کا جواب زبانی پایا۔ پھر خط کے جواب مین خط محررہ ۷ مارچ آیا۔ چنانچہ لفافہ بلحاظ گرانوی وزن رہنے دیتا ہوں۔ اور خط بجنہ حضرت کو بھیجتا ہوں۔ کل سی ایک اور خبر اوڑی ہے کہ نصیب اعدا لاؤد صاحب کی طبیعت ناساز ہوگئی ہے۔ انبالے مین دربار نکرینگی، اور شملہ کو چلی جائینگے۔ اب مین دو وجہ سے یین السفر والسکون متردد ہوں۔ پہلی وجہ خاص اور دوسری وجہ عام۔ دو سو مین سی سو لیکر ساز و سامان درست کیا ہے، اور سو مہاجن کی ہان ڈال اور خرچ راہ کیواسطی رہنے دیوے ہیں۔ تار برقی مین جناب نواب صاحب سی حکم منگواؤنگا۔ جو حکم آئیگا، آپ سی عرض کرکے اوسکی تعمیل کرونگا۔ (۱)

گورنر جنرل کے دربار مین نجاسکی

نواب فردوس مکان نے میرزا صاحب کے عریضہ مورخہ ۱۶ مارچ کے جواب مین کشنر صاحب کے خط کا جسقدر مضمون دوہرایا ہے (۲) اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب نے یہی لکھا تھا کہ آپ انبالے نجاتین۔ اتفاقاً اسی زمانہ مین میرزا صاحب کے پھنسیان بھی نکل آئین۔ اسلئے مجبوراً خود انبالے جانیکے بجائے اپنا قصیدہ، جو معمولی نذر تھی، بطریقِ ڈاک بھیجکر شکریہ کے جوابی فرمان پر قناعت کرلی۔ اور ۴ اگست سنہ ۱۸۶۳ ع کو نواب فردوس مکان کو تحریر کیا:

(۲) ایضاً، ص ۳۷، حاشیہ نمبر ۱

(۱) مکاتیب، ص ۳۵

• جب انبال میرا جانا نہوا تو میں نے قصیدہ مدح، جو دربار کی نذر کیواسطی لکھا تھا، بطریق ڈاک جناب چیف سکریٹری بہادر کو اس مراد سے بھیجا، کہ آپ اسکو جناب نواب علی القاب کی نظر سے گزرائیں۔ اور یہ دستور قدیم تھا کہ جب میں قصیدہ مدحیہ بھیجتا تو صاحب سکریٹری بہادر کا خط بیواسطہ حکام ماتحت بھجوا جاتا۔ اب جو میں نے موافق معمول قصیدہ بھیجا، یقین ہی کہ مارچ یا اپریل کے مہینے میں وہ لفافہ یہاں سے لشکر کو گیا۔ صدائی برتخاست۔ نا امید ہو کر بیٹھ رہا۔ بلکہ یہ خیال گزرا کہ جب رسم تحریر خطوط نرمی تو دربار و خلعت کہان۔ ناگاہ کل شام کو صاحب سکریٹری بہادر کا خط ڈاک میں آیا۔ وہی افشانی کاغذ۔ وہی القاب۔ جی چاہتا تھا کہ اصل خط مع سرنامہ بھیج دوں، تاکہ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ مگر برسات کا اندیشہ مانع آیا۔ نقل سرنامہ اور خط کی بھیجتا ہوں۔ (۱)

لیکن اسکے بعد زندگی بھر میرزا صاحب کو گورنر جنرل کے دربار کی شرکت کا موقع نہ ملا، اور یہ آرزو بھی دوسری بہت سی آرزوؤں کیساتھ پیوندِ خاک ہو گئی۔

گورنر کا دوسرا دربار اور خلعت

سر ڈائل میکلوڈ گورنر پنجاب نے ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ء کو دلی میں دربار کیا۔ میرزا صاحب اس میں شریک اور «خلعتِ ہفت پارچہ وسہ رقم جواہر» سے مشرف ہوئے۔ رامپور اس زمانہ میں نواب خلد آشیان کی زیر حکومت تھا۔ دربار کے دوسرے دن میرزا صاحب نے سرکار کو لکھا:

• حضرت کی توجہ باطنی، جو ہمیشہ میری مصلح حال اور افزائش عز و وقار کی کفیل ہی، بعد ادای شکر الہی، اوسکا سپاس بجا لاتا ہوں۔ پیش از غدر گورنمنٹ کے دربار میں ۷ پارچہ اور جیفہ، سرپیچ، مالای مروارید، تین رقیں جواہر کی بھگو ملتی تھیں۔ بعد غدر اگرچہ پنسن اور دربار بحال رہا، لیکن خلعت موقوف ہو گیا۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کا کل ۱۲ پر چار بچی دربار تھا۔ حکم سب دربار داروں کو پہنچ گیا تھا۔ میں نواب مہدی علی خان صاحب کو رخصت کر کے گھر آیا۔ دو گھنٹی کے بعد دربار میں گیا۔ خیال یہی کہ ملاقات ہوگی۔ ایک رباعی کاغذ مذہب پر لکھی ہوئی نذر کرونگا۔ کلمات عنایت سنکر چلا آؤنگا۔ نہ بچھی کچھ احتمال۔ نہ صاحب کشنر بہادر شہر کو علم۔ باری بر وقت ملاقات تعظیم معمولی اور مصافحہ کر کے لاؤ صاحب نے کھڑی کھڑی جیفہ، سرپیچ میری ٹوپی پر باندھا، اور فرمایا: یہ ہم نے آپکو واسطی رکھا تھا۔ مالای مروارید میر منشی نے گلی میں ڈال دی۔ ... میں اس عطیہ کو آپکی بخشش معنوی سمجھتا ہوں۔ (۲)

یہ میرزا صاحب کا آخری دربار اور خلعت تھا۔ اسکے بعد فروری سنہ ۶۹ء تک کسی دربار کی شرکت کا ذکر نہیں ملتا۔

بہادر شاہ ظفر سی تعلقات

تاریخ نویسی

دلی کے لال قلعہ سے میرزا صاحب کے تعلقات ذاتی تھے۔ لیکن پہلے صرف مختلف تقریبوں میں آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ شاہ ظفر کے عہد میں رشتہ ملازمت بھی پیدا ہو گیا اور سلاطینِ تیموریہ کی تاریخ نویسی سپرد ہوئی۔ نواب فردوس مکان کو لکھتے ہیں:

» پیوند تعلق با بہادر شاہ جز آن نبود کہ از ہفت ہشت سال بتحریر تاریخ سلاطین تیموریہ.....

می پرداختم۔ (۱)

یہ عریضہ ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو لکھا گیا تھا۔ اس حساب سے اونکے تعلقِ خدمت کا آغاز سنہ ۱۸۴۹ ع یا سنہ ۱۸۵۰ ع سے ہونا چاہیے۔ خواجہ حالی مرحوم نے اس واقعہ کا سال متعین کرتے ہوئے صرف سنہ ہجری ۱۲۶۶ لکھا ہے (۲)، جو ۱۷ نومبر سنہ ۱۸۴۹ ع سے شروع ہو کر ۵ نومبر سنہ ۱۸۵۰ ع پر ختم ہوتا ہے۔ مولانا مہر فرماتے ہیں کہ میرزا صاحب کو قلعہ کی پہلی تنخواہ جون سنہ ۱۸۵۰ سے ملی (۳)۔ اس حساب سے میرزا صاحب کے تخمینی سنینِ تعلقِ قلعہ میں سے سنہ ۱۸۵۰ ع درست ہوگا۔

اصلاح اشعار

میرزا صاحب کی ملازمت کو ۴ سال ہوئے تھے کہ شیخ ابراہیم ذوق، استادِ شاہ ظفر، کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے اصلاحِ اشعار کی خدمت بھی میرزا صاحب کے سپرد کر دی۔ میرزا صاحب نے محوٰلہ بالا عریضہ میں اسکا بھی ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

» و از دو سہ سال باصلاح اشعار شہریار می پرداختم۔

(۱) مکاتیب، ص ۱۲ (۲) یادگار غالب، ص ۳۳ (۳) غالب، ص ۱۳۹

اس تخمینہ کی رو سے تعلقِ استادِ سنہ ۱۸۵۴ ع یا ۱۸۵۵ ع میں شروع ہوا۔ خواجہ صاحب نے یہاں بھی سنہ ہجری ۱۲۷۱ پر اکتفا کی ہے^(۱)، جو ۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۵۴ ع سے شروع ہو کر ۱۳ ستمبر سنہ ۱۸۵۵ ع پر ختم ہوتا ہے۔ قاموس المشاہیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوق نے ۲۴ صفر سنہ ۱۲۷۱ ھ کو انتقال کیا^(۲)، جو ۱۶ ماہِ اکتوبر سنہ ۱۸۵۴ ع کے مطابق ہے۔ لہذا سنہ ۱۸۵۴ ع سالِ تعلقِ استادِ ہونا چاہیے۔

خطابِ شامی

بہادر شاہ نے میرزا صاحب کو «نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ» خطاب عطا فرمایا تھا۔ مکاتیب کے متن میں اس کا مذکور نہیں۔ لیکن عریضہٴ اول مورخہ ۲۸ جنوری سنہ ۵۷ ع کے آخر میں مہر کے اندر پورا منقوش ہے۔ مہر میں سنہ ۱۲۶۷ ھ سال کندہ ہے، جو سنہ ۱۸۵۰ ع کے مطابق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملازمتِ شاہی کے موقع پر تقررِ تنخواہ کیساتھ خطاب بھی عطا ہوا تھا^(۳)۔



(۱) یادگار غالب، ص ۳۵ (۲) قاموس المشاہیر، ج ۱، ص ۲۴۷ (۳) یادگار غالب، ص ۳۳ می بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔ اسلئے سال ملازمت ہی کو عطایِ خطاب کا سال شمار کرنا چاہی۔

تعلقاتِ رامپور

ریاستوں سے تعلق کی نوعیت

میرزا صاحب کو اپنی عالیٰ نسب پر ہمیشہ فخر رہا۔ وہ اوس زمانہ میں بھی، جبکہ سر پر مصائب کے بادل منڈلا رہے تھے، اور ہر چہار طرف نفسی نفسی کا عالم تھا، اپنی نسب انفرادیت کے گیت گاتے رہے، اور »زادشم و افراسیاب« کو نہ بھولے۔

لیکن سنہ ۱۸۴۷ ع میں ایک ایسا روح فرسا واقعہ پیش آیا، کہ کچھ عرصہ کیلئے اُنکے ہوش پراگندہ ہو گئے۔ اوس عہد کے روسا چوسر و شطرنج کے ذریعہ وقت گزاری کیا کرتے تھے۔ میرزا صاحب کا خاندان بھی امارت کے ان لوازمات سے عاری نہ تھا۔ اسلئے یہ بھی چوسر کے دلدادہ ہو گئے تھے۔ مگر کھیل میں سرگرمی پیدا کرنے کیلئے بازی لگا کر کھیلا کرتے۔ کوتوالِ شہر نے از راہِ عداوت جوئے کا مقدمہ قائم کر کے مجسٹریٹ کی عدالت میں چالان کر دیا، اور ولیعہدِ ہندوستان کی سفارش کے باوجود میرزا صاحب کو ۶ ماہ کی سزا ہو گئی۔ تین مہینے کے بعد اوسی مجسٹریٹ کی رپورٹ پر انہیں رہا کر دیا گیا۔ لیکن اس غیر شریفانہ برتاؤ سے اُنکی حسِ غیرت سخت مجروح ہوئی، خود اپنی نظر میں شرافتِ خاندان پر دھبہ آ گیا، اور یہ اپنے آپکو روسایِ ہندوستان سے ملنے جلنے کے قابل شمار کرنے سے احتراز کرنے لگے۔

سنہ ۱۸۵۲ ع میں ریاست جیپور سے اتفاقاً رابطہ پیدا ہوا۔ میرزا تقہ نے اسکی تفصیلات دریافت کرتے ہوئے لکھا کہ میرا بھی خیال رہے۔ اسکے جواب میں جمعہ دہم دسمبر سنہ مذکورہ کو میرزا صاحب نے لکھا:

» جیور کا امر محض اتفاق ہی . بی قصد و بی فکر درپیش آیا ہو . ہوسناکانہ ادھر متوجہ ہوا ہوں . بوڑھا ہو گیا ہوں . بہرا ہو گیا ہوں . سرکار انگریزی میں بہت بڑا پایہ رکھتا تھا . رئیسزادوں میں گنا جاتا تھا . پورا خلعت پاتا تھا . اب بدنام ہو گیا ہوں . بہت بڑا دھبہ لگ گیا ہو . کسی ریاست میں دخل نہیں کر سکتا تھا . مگر ہاں استاد یا پیر یا مداح بنکر راہ و رسم پیدا کروں . کچھ آپ فائدہ اونٹھاؤں . کچھ اپنی کسی عزیز کو وہاں داخل کردوں . دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہو ؟ ، (۱)

چونکہ استاد یا پیر بنکر ملنے میں ان کا درجہ کم از کم والی ریاست کے مساوی ہو جانا یقینی تھا ، اور بصورتِ مداحی مدوح سے مساوی برتاؤ کی آرزو نہیں پیدا ہوتی ، اسلئے ان صورتوں میں میرزا صاحب کو اپنے اخلاقی دھبے کے احساس کا خطرہ نہ تھا ، اور اب وہ ہر ریاست سے اسی قسم کے تعلقات کے خواہاں تھے .

رامپور سے ابتدائی تعلق

نواب سید غلام محمد خان بہادر (نَوَّرَ اللہ مَرَقَدَہُ) کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کی تخت سے دستبرداری کے بعد حکومتِ انگلشیہ کی زیرِ حمایت رامپور سے باہر اقامت گزین ہونے پر مجبور ہوئے تھے ، اور سابقہ تعلقات کی بنا پر دارالسلطنتِ دہلی کو اپنا مستقر بنایا تھا . میرزا صاحب جس زمانہ میں دلی تشریف لائے یہ خاندان وہاں فروکش تھا . چونکہ یہ حضرات صاحبِ علم و فضل تھے ، اسلئے ان سے میرزا صاحب کے روابطِ خلوص و اتحاد پیدا ہو گئے .

ایک عریضہ میں میرزا صاحب نے ان روابط کا تذکرہ کیا ہے . فرماتے ہیں :

» ہمدین کنج ، کہ مسکن منست ، شنیدہ ام کہ والاشان زین العابدین خان بہادر بشہر آمدہ اند . نیازمندی من با مرحومی نواب عبداللہ خان بہادر ، و مہرورزی من با اصغر علیخان مرحوم ، و محبت و خلعت من بانواب عبدالرحمن خان بہادر مغفور بکا دیدہ اند ، و آن مدارج کی در نظر دارند ، کہ ایشان را در ضمیر میگزشت کہ گدای گوشہ نشین را باید دید . « (۲)

نواب فردوس مکان کی شاگردی

نواب سید یوسف علیخان بہادر فردوس مکان نے سنِ شعور میں قدم

رکھ کر اپنی خاندانی روایات کے ماتحت طلبِ علم کے راستہ پر گامزنی کی۔ دلی کے اساتذہ مین، مفتی صدر الدین خان آزرده اور مولوی فضل حق خیر آبادی عربی مین، اور میرزا صاحب فارسی مین ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان سب سے خاندانِ رامپور کی دوستی تھی۔ اسلئے نواب فردوس مکان کی تعلیم انہی حضرات کے سپرد کی گئی، اور حسن اتفاق سے میرزا صاحب ایک ایسے طالبِ علم کے استاد قرار پائے، جسکو قضا و قدر ریاست رامپور کا تاج و تخت سوپنے والی تھی۔

اس تعلق کی طرف میرزا صاحب نے اپنے پہلے عریضہ مین اشارہ بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

»دران روزگار رنگین تر از نو بہار، کہ بہ فرخندگی وجود مسعود و سادہ با سپہر سادہ دم از برابری زد، نگاشتن و روان داشتن قطعہ تاریخ جلوس بہ توانائی آن دانائی و روان آسانی آن شناسائی صورت پزیرفت۔ (۱)

زمانہ شاگردی

میرزا صاحب نے نواب فردوس مکان کی اس شاگردی کا متعدد مواقع پر تذکرہ کیا ہے۔ لیکن کسی جگہ سالِ شاگردی نہیں لکھا۔ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو صرف اتنا لکھا ہے کہ

»نواب یوسف علیخان بہادر والی رامپور ... میری آشنای قدیم ہیں۔ (۲)

میرزا تفتہ کو قدرے صراحت کیساتھ لکھا ہے۔ لیکن یہاں بھی تخمینہ کی حد سے آگے قدم نہیں رکھا۔ فرماتے ہیں :

»نواب یوسف علیخان بہادر تیس تیس برس کی میری دوست ہیں۔ (۳)

اردوی معلیٰ کے نسخہ مطبوعہ کی رو سے یہ خط سنہ ۱۸۶۲ ع مین لکھا گیا تھا۔ لیکن اس مین میرزا صاحب نے رامپور کے پہلے سفر کی روداد لکھی ہے، جو سنہ ۶۰ ع مین کیا گیا تھا، اسلئے اسکو سنہ ۱۸۶۰ ع کا نوشتہ ہونا چاہیے۔ اور سنہ ۶۰ ع مین دوستی پر ۳۰ یا ۳۲ سال گزرنے کے یہ معنی ہیں کہ سنہ ۱۸۲۸ یا ۱۸۳۰ ع مین یہ رشتہ پیدا ہوا۔ نواب فردوس مکان سنہ ۱۸۱۶ ع مین

متولد ہوئے ، اور سنہ ۱۸۴۰ ع میں اپنے والد ماجد کی تخت نشینی پر رامپور تشریف لائے تھے ۔ بنابرین سنہ ۱۸۲۸ یا ۱۸۳۰ ع میں اونکو میرزا صاحب کا دوست نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ شاگرد ہونا بعید از قیاس نہیں ۔ اسلئے کہ اسوقت انکی عمر ۱۲ یا ۱۴ سال کی ہوگی ، جو طلب علم کا موزون تر زمانہ ہے ۔

نواب جنت آرامگاہ کی مداحی

سنہ ۱۸۴۰ ع میں نواب سید محمد سعید خان بہادر جنت آرامگاہ وارثِ تختِ رامپور قرار پائے۔ نواب سید عبداللہ خان بہادر برادرِ خورد نواب جنت آرامگاہ نے ، جو میرزا صاحب کے بہت گھرے دوست اور اسوقت میرٹھ کے صدر الصدور تھے ، سابقہ تعلقات کی بنا پر میرزا صاحب سے نواب جنت آرامگاہ کی مدح میں قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی ۔ میرزا صاحب نے معذرت کرتے ہوئے لکھا :

» خدام بلند مقام ، کہ سرانجام قصیدہ بقصد نام آوری از غالب بینوا چشم داشتہ اند ، مگر آن فرسودہ روان افسردہ دل را ، کہ هنوز نمرده است ، زندہ پنداشتہ اند ؟ ... کاش کشایش این کار چون صنعت نقاشی و گلدستہ بندی تنہا بکوشش دست و بازو صورت بستی ، تا چشم از خستگی دل پوشیدی و فرمان پزیرانہ در پردازش کار کوشیدی ۔ چکم چون سر این رشتہ در دست دل است ۔ تا دل بر جای نباشد ، زبان سخن سرای نباشد ۔ دیدہ وران صاحب دل داند ، کہ چہ قدرہا دیدہ و دل بہم آمیختہ شود ، تا نقشی بدین شگرفی کہ بالغ نظران پسندند ، انگیزتہ شود ۔ این دل شکستہ بہم نہ پیوستہ ، کہ در سینہ من و ہمانا دشمن دیرینہ منست ، ز نہار بکار سخن گستری نیاید ، و معنی آفرینی را نشاید ... اگر داند ، کہ فلائی با این ہمہ پریشانی سخن گفتن میتواند ، و من نیز دائم کہ میتوانم ، در مدح بندگان سپہر آستان امیر المسلمین قبلۃ دنیا و دین سرور سلطان نشان نواب محمد سعید خان بہادر بالقابہ چرا سخن نرانم ؟ تا اگر درین گیتی لعل و گہر سود نہ بردہ باشم ، خود دران گیتی دین و ایمان زیان نکرده باشم ۔ امید کہ در بارۃ گرایش بدین ستایش نظماً او ثراً نامہ نگار را از اموات شمارند ، و بدعای سلامت ایمان ، کہ حسن خجستگی انجام همان تواند بود ، یاد آرند ۔ « (۱)

لیکن میرزا صاحب نے سنہ ۱۸۴۰ ع میں جس کام کے سر انجام پانے کا عذر کیا تھا ، چند سال کے بعد قدرت اون سے وہی کام لینے والی تھی ۔ بیشک انسان آئندہ واقعات کے علم سے قطعاً محروم رکھا گیا ہے !!

نواب فردوس مکان کی تخت نشینی اور رشتہ استادی کی تجدید

اس مراسلت کے پندرہ سال بعد اپریل سنہ ۱۸۵۵ ع میں نواب جنت آرامگاہ نے وفات پائی، اور نواب سید یوسف علیخان بہادر فردوس مکان تخت نشین ہوئے۔ میرزا صاحب نے قدیم رابطہ کو مد نظر رکھتے ہوئے قطعہ تاریخ جلوس ارسال کیا^(۱) لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دربار رامپور سے اسکا کوئی جواب نہ گیا، اور تقریباً دو سال تک تجدید تعلقات کی یہ کوشش بار آور نہوئی۔

حسن اتفاق سے مولانا فضل حق خیر آبادی رامپور میں فروکش تھے۔ انہوں نے حق دوستی ادا کیا، اور وقتاً فوقتاً سرکار کے روبرو میرزا صاحب کی اسقدر تعریف و توصیف کی، کہ سرکار انکے کلام کے مشتاق ہو گئے۔ جب حالات سازگار نظر آئے، تو مولانا نے میرزا صاحب کو لکھا کہ سرکار کی خدمت مبارک میں »نامہ بندگی« اور قصیدہ مدحیہ ارسال کریں۔ مولانا کا نامہ گرامی میرزا صاحب کو ۲۷ جنوری سنہ ۱۸۵۷ ع کو موصول ہوا۔ ۲۸ جنوری کو انہوں نے بتعمیل ارشاد نواب فردوس مکان کی خدمت میں پہلا عریضہ ارسال کیا۔ اسکے جواب میں سرکار نے ۵ فروری کو اپنے کچھ اشعار بغرض اصلاح بھیجے اور انکے ساتھ تحریر فرمایا:

»نیمۃ انیقۃ بلاغت آگین مشعر رسید خط مولوی صاحب مخدوم محمد فضل حق صاحب با دیگر مراتب محبت و اشفاق بعبارت رنگین و دقیق در عین انتظار سرمہ کش عیون وصول نشاط شمول گردیدہ، باطلاع خیریتہا سرمایہ سرور نامحصور افزودہ، از مزید شفقت و ایلاف قلبی متصور شد۔« (۲)

اس فرمان نے میرزا صاحب میں نیا ولولہ پیدا کیا، اور انہوں نے ۱۱ فروری کو سرکار کی مدح میں قصیدہ مدحیہ نظم کر کے بذریعہ ڈاک ارسال کیا۔ اسکی ایک نقل میرزا صاحب نے مولانا کی خدمت میں بھی بھیجی تھی، جو انہیں الور میں موصول ہوئی۔ وہاں سے ۱۰ ماہ اپریل کو مولانا نے سرکار کو تحریر کیا: »بغرض عرض میرساند، کہ خیر سگال بافضال ایزد بہمال بصحت و اعتدال بالور رسیدہ ملاطفہ

مرزا صاحب مشفق نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خان صاحب متخلص بقالب مع قصیدہ میمہ، کہ در مدح حضور فیض معمور منظوم کردہ اند، از داکخانہ یافت۔ مرزا صاحب موصوف در ثنا و ستایش موزونی طبع اقدس و توصیف غزلہائی، کہ نزد شان شرف ارسال یافتہ بودند، و شکر و سپاس عطای مبلغ بانصد روپیہ، کہ بدو دفعہ بمرزا صاحب موصوف عنایت شدہ، اسباب در تحریر فرمودہ اند۔ حالانکہ طبع اقدس در علوم عقلیہ و فنون حکمیہ آنچنان دقیقہ رس، کہ عدیل آن در مملکت ہندوستان، کہ حال علای آن تفصیلاً معلوم است، کمتر بلکہ معدوم است۔ نظم شعر و فہم آن و ابداع معانی تازہ و مضامین منکرہ و سرد الفاظ فصیحہ و تراکیب بلیغہ بحسب اوزان عروض نسبت بعلو طبع اقدس و بلندی افکار صایہ از ادنی مراتب است۔ مرزا صاحب ازین حال لاعلم اند۔ طبع عالی و فکر صایب در دقائق حکمیہ و معضلات فلسفیہ بجای میرسد، کہ رسیدن افہام علام اعلام تا آن مقام معلوم الانتفاست۔ درین سخن هیچ مبالغہ و اغراق نیست۔ حضور لامع النور بنفس نفیس امتحانات فرمودہ اند، و تکریر امتحان ہم سہل است۔ و نظر بہمت والا در جود و سخا بذل آلف الوف را اقل قلیل توان پنداشت۔ مرزا صاحب حق سپاسگزاری ادا کردہ اند۔ نظم قصیدہ مدحیہ در غایت بلاغت و انجام است۔ غالباً شرف اندوز ملاحظہ والا شدہ باشد۔ (۱)

مولانا کی اس تحریر نے میرزا صاحب کے سابقہ تعلقات از سر نو استوار کر دیئے، اور ایک مخلص دوست کی کوشش سے میرزا صاحب کی یہ تجویز کہ «آئندہ ریاستون مین پیر یا اوستاد بنکر رسوخ حاصل کرنا چاہیے» ریاست رامپور مین کامیاب ہو گئی۔

نواب فردوس مکان کا سال شاگردی

نواب فردوس مکان کے سال تہذ کا تذکرہ میرزا صاحب نے متعدد خطوط مین کیا ہے۔ لیکن تقریباً ہر خط مین اونکا بیان دوسرے خط سے مختلف ہے۔ مارچ سنہ ۶۰ ع مین خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو لکھا ہے کہ نواب فردوس مکان سنہ ۵۵ ع مین میرے شاگرد ہوئے۔ فرماتے ہیں:

سنہ ۱۸۵۵ ع مین نواب یوسف علیخان بہادر والی رامپور، کہ میری آشنای قدیم ہیں، اس سال یعنی سنہ ۱۸۵۵ مین میری شاگرد ہوئے۔ «ناظم» اونکو تخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلین اردو کی بھیجتی۔ مین اصلاح دیکر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ اودھر سے آتا رہتا۔ قلعہ کی تنخواہ جاری۔ انگریزی پنسن کھلا ہوا۔ اونکو عطایا فتوح گئی جاتی تھی۔ جب وہ دونوں تنخواہ مین جاتی رہیں، تو زندگی کا مدار اونکو عطیہ پر رہا۔ بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ

(۱) مثل نمبر (۲۵۹)، صیفہ احباب، عہد نواب فردوس مکان، محکمہ دارالانشا

میری مقدم کی خواہان رہتی تھی۔ میں عذر کرتا تھا۔ جب جنوری سنہ ۱۸۶۰ میں گورنمنٹ سے وہ جواب پایا کہ جو اوپر لکھ آیا ہوں، تو میں آخر جنوری میں راپور گیا۔ (۱)

اسی ماہ میں منشی ہرگوپال تفتہ کو لکھتے ہیں:

»نواب یوسف علیخان بہادر تیس تیس برس کی میری دوست اور پانچ چھ برس سے میری شاگرد ہیں۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھجودیا کرتے تھے۔ اب جولائی سنہ ۱۸۵۹ سے سو روپیہ مہینہ ماہ بماء بھیجتے ہیں۔ (۲)

اس تخمینہ کی رو سے نواب فردوس مکان کا سال شاگردی سنہ ۵۴ یا ۵۵ ع قرار پاتا ہے۔ لیکن ۳۰ جولائی سنہ ۱۸۶۵ ع کو میان داد خان سیاح کو تحریر کیا ہے:

»ایک قرن ۱۲ برس سے فردوس مکان نواب یوسف علیخان والی راپور اپنے اشعار میری پاس بھیجتے تھے، اور سو روپیہ مہینہ ماہ بماء بسیل ہنڈوی بھجواتے تھے۔ (۳)

اس حساب سے نواب فردوس مکان کو سنہ ۵۳ ع میں میرزا صاحب سے مشورۃ سخن آغاز کرنا چاہیے۔ میرزا صاحب کے سوانح نگاروں میں سے مولانا مہر نے سنہ ۵۵ ع اختیار کیا ہے^(۴)۔ غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی کہ بظاہر اول الذکر دونوں سنہ تخمینی اور یہ واقعی ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ سنہ بھی تخمینی ہے، اور میرزا صاحب کے دوسرے تخمینی اعداد و شمار کی طرح دو سال قبل کی تاریخ بتاتا ہے۔

ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ میرزا صاحب نے ۲۸ جنوری سنہ ۵۷ ع کو اپنا پہلا »نامۂ بندگی« ارسال کیا تھا، اور اوس میں یہ عرض کیا تھا، کہ سنہ ۵۵ ع میں قطعۂ تاریخ جلوس کا ارسال سابقہ تعلق کی بنا پر تھا۔ اب یہ عریضہ مولانا فضل حق خیرآبادی کے ارشاد کی تعمیل میں لکھ رہا ہوں۔ اس کے جواب میں نواب فردوس مکان نے ۵ فروری سنہ ۵۷ ع کو گرامی نامہ تحریر فرمایا۔ جسکا ضروری حصہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ارادۂ تلذذ پر دال ہیں:

(۱) اردو معلیٰ، ص ۲۸۳ و عود، ص ۱۳۶۔ عود میں »پنس۔ کھلی ہوئی، بصیغۂ مونث ہے۔

(۲) اردو معلیٰ، ص ۵۴۔ (۳) ایضاً، ص ۱۶۔ (۴) غالب، مصنفۂ مولانا مہر، ص ۱۴۱

»مشفقاً ! هر چند که کاتب را اتفاق موزونیت يك مصرعه هم اتفاق نشده بود، لیکن محض بجهت سماعت کلام سابی زبانی مولوی صاحب صدر الوصف دلم خواست، کہ طریقه رسل و رسائل جاری شود۔ چون سبیل به ازیں بنظم نرسید، لهذا چند ایات و اہیات موزون نموده، بترصد اصلاح پیش آن یگانہ آفاق مرسل گشت۔ چشمداشت کہ بعد اصلاح غزلہای مذکور مع کدام طرح جدید لطف فرمودہ شوند۔ (۱)

میرزا صاحب نے ۱۲ فروری کو اس فرمان کے جواب میں عریضہ نمبر ۳ تحریر کیا، اور اوس میں غزلیات اور ہنڈوی کے پہنچنے کی اطلاع کے بعد عرض کیا کہ

»اشعار خود بہنگام خویش خواهد رسید۔«

نیز ۱۵ فروری کو اصلاح شدہ غزلوں کے ساتھ جو عریضہ بھیجا اوس میں تخلص کے متعلق لکھا:

»مین نہیں چاہتا کہ آپکا اسم سائی اور نام نامی تخلص رہی۔ ناظم، عالی، انور، شوکت، نیشان، ان میں سے جو پسند آئے وہ رہی دیجی۔ مگر یہ نہیں کہ خواہی نخواہی آپ ایسا ہی کریں۔ اگر وہی تخلص منظور ہو تو بہت مبارک۔« (۲)

سرکار نے یکم مارچ کو جواباً تحریر فرمایا:

»منجملۃ الفاظ تخلص لفظ »ناظم« مطبوع طبع نیاز گشت۔« (۳)

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ نواب فردوس مکان ۵ فروری سنہ ۵۷ ع کو میرزا صاحب کے شاگرد ہوئے، ۱۵ فروری کو میرزا صاحب نے اونہیں تخلص کیلئے چند الفاظ لکھے، اور یکم مارچ سنہ ۵۷ ع کو سرکار نے »ناظم« تخلص پسند آنے کی میرزا صاحب کو اطلاع تحریر فرمائی۔

ایک غلط فہمی

منشی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم نے نواب فردوس مکان کے تذکرہ

میں تحریر فرمایا ہے:

»طبیعت ازل سے موزون پائی تھی۔ سخنگونی کا ذوق، اردو شعر فرماؤ کا شوق تھا۔ پہلے مومن خان صاحب دہلوی سے مشورہ رہا۔ پھر مرزا اسد اللہ خان غالب سے تلمذ ہوا۔ آخر آخر بوضع

(۱) مکاتیب، ص ۴، حاشیہ نمبر ۱ (۲) ایضاً، ص ۷ (۳) ایضاً، ص ۸، حاشیہ نمبر ۱

اوستادان لکھنو موزون فرماؤ لکری۔ منشی مظفر علی صاحب کو، جو آج لکھنو میں سببان
عصر یکای دھر مین، کلام دکھاؤ لکری۔ (۱)

جہانتک حکیم مومن خان مرحوم کی شاگردی کا تعلق ہے، سرکار کے اس
بیان کی موجودگی میں کہ »کاتب را اتفاق موزونیت یک مصرعہ ہم اتفاق
نشده بود« اسکی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، کہ ایک لمحہ کیلئے بھی امیر
مینائی کے بیان کو تسلیم کیا جائے۔ اسلئے کہ اگر نواب فردوس مکان مومن
سے اصلاح لے چکے ہوتے تو میرزا صاحب کو یہ کبھی تحریر نہ فرماتے، کہ
مجھے ابھی تک ایک مصرعہ موزون کرینکا بھی اتفاق نہیں ہوا ہے۔

البتہ منشی مظفر علی صاحب اسیر لکھنوی کی شاگردی کا مسئلہ باقی
رہتا ہے۔ اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ نواب فردوس مکان نے میرزا صاحب
کی حیات میں انتقال فرمایا ہے، اور جیسا کہ عریضہ نمبر ۴۴ بنام نواب خلد
آشیان سے معلوم ہوتا ہے، آخر وقت تک سرکار میرزا صاحب کے پاس اپنا
کلام بھیجتے رہے۔ اس حالت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نواب فردوس
مکان نے میرزا صاحب کی زندگی میں اور اونسے اصلاح لیتے ہوئے اسیر
لکھنوی سے کیوں اور کب مشورہ سخن کیا۔ غالباً امیر مرحوم کے پاس اس کا
جواب صرف یہی ہوگا کہ نواب فردوس مکان کے آخری کلام میں لکھنوی
اثر کا پایا جانا اس مدعا کے ثبوت کی اہم دلیل ہے۔

مجھے اس خیال سے اتفاق ہے کہ سرکار کے آخری کلام میں لکھنویت
پائی جاتی ہے۔ لیکن صرف وجود لکھنویت تلمذ کی دلیل نہیں بن سکتا۔
خود امیر صاحب کے آخری کلام میں دہلویت پائی جاتی ہے۔ مگر اسوجہ
سے کسی نے بھی اونہیں مرزا داغ کا شاگرد تسلیم نہیں کیا۔ میری ناقص رای
میں امیر صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اور وہ اسطرح کہ سنہ ۶۴ ع میں

میرزا صاحب نے ضعفِ پیری اور غلبہٴ امراض کے باعث سرکار سے استدعا کی تھی کہ مجھے اصلاح سے معاف رکھا جائے^(۱)۔ اس زمانہ میں دیگر درباری شعرا کیساتھ سرکار نے منشی اسیر سے بھی کسی وقت دو چار الفاظ میں مشورہ کر لیا ہوگا۔ امیر مینائی مرحوم نے اس مساویانہ مشورہٴ سخن کو تلمذ سمجھ کر دربارِ رامپور سے اپنے رشتہٴ استاد کی قدیم بنایا ہے اور بس۔ اس خیال کو مزید تقویت بہم پہنچتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں، کہ نواب فردوس مکان نے متعدد مقطعون میں میرزا غالب کی استاد کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن اسیر کا ذکر کہیں نہیں کیا۔ اگر وہ بھی استاد ہوتے تو اونکا مذکور بھی کسی نہ کسی جگہ ضرور آنا چاہیے تھا۔

غدر اور میرزا صاحب کی خیر خواہی

میرزا صاحب کے جدید رشتہٴ استاد کی قیام پر چند ماہ گزرے تھے، کہ غدر سنہ ۵۷ ع کے آثار پیدا ہونے لگے۔ میرزا صاحب نے اپنے محسن شاگرد کی خدمت میں کچھ خطوط لکھے، جو اونکی حسبِ ہدایت چاک کر دیے گئے۔ اس ہدایت کی وجہ بجز اسکے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی، کہ ان تحریروں کا مضمون سیاسیات سے متعلق تھا۔ اسلئے کہ جب آتشِ غدر بھڑک اٹھی، اور نواب فردوس مکان کیلئے ناگزیر ہو گیا کہ اپنا رویہ متعین کریں، تو اونھوں نے انتہائی ہوشمندانہ طریقِ کار اختیار کیا۔ دستنبو میں میرزا صاحب اس رویہ کے متعلق لکھتے ہیں:

» چشم بد دور! فروزندہٴ ہور، نواب یوسف علیخان بہادر فرمانروایِ رامپور، کہ از دیر باز دران سر زمینِ برزبان و شاہ نشانی نیاگان خویش را جانشین است، و با جہانبان انگلند در مہرورزی و یکدلی استواری پیمانش بدان آئین است، کہ دست روزگار در ہزار سال ہزار گونہ کشاکش آترا نیارد گست، چار ناچار بفرستادن پیام خشک زبان ہم سایگان از گفتگو بست۔۔ (۲)

یہ رویہ جسے میرزا صاحب نے »پیامِ خشک« سے تعبیر کیا ہے، اوسوقت تک

کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، جب تک حالات کا صحیح علم اور اونکے پیدا ہونے کے واقعی اسباب قبل از وقت نہ معلوم ہو چکے ہوں۔

ترك مراسلت

غدر کیساتھ حکومتِ ہند کے سلسلہ نامہ رسانی میں اختلال واقع ہو گیا۔ نیز دہلی سے خط و کتابت کرنے میں کاتب و مکتوب ایسہ کیلئے لال قلعہ یا حکومتِ ہند کی نظر میں مشتبہ قرار پانے کا خطرہ تھا، اسلئے قاصد کے ذریعہ »خیریت گوئی و عافیت جوئی« بھی سہل اور بیخطر نہ رہی تھی۔ ادھر نواب فردوس مکان روہیلکھنڈ کی بغاوت فرو کرنے میں منہمک تھے۔ ان حالات کا یہ نتیجہ نکلا کہ میرزا صاحب اور سرکار میں اگست سنہ ۵۷ ع سے جنوری سنہ ۵۸ ع تک مراسلت نہوسکی۔

عرضہ نمبر ۷ میں میرزا صاحب اس تركِ مراسلت کا شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

»در زمان چہرہ دستی کورنمکان سپاہ روسیہ سر رشتہ یام از ہم گست۔ ناچار بفرستادن نامہ بر رساندن نامہ و پیام صورت بست۔ درین روزگار، کہ فرمان داوران دادگر روانی و سلسلہ آمد شد نامہ رسانی یافت، نامہ در یام روان داشته شد، و نا رسیدن پاسخ آترا چنان پنداشته شد، کہ مگر آن نیایشنامہ نرسیدہ باشد، یا فرط احتیاط مانع تحریر جواب گردیدہ باشد.... بہ نگاشتن این نامہ زحمت اوقات ملازمان ازان رو روا داشته ام، کہ اگر نفرستادن نامہ محض از روی احتیاط است ہویدا گردد، کہ در عنایت تغریط و در رعایت افراط است۔« (۱)

میرزا صاحب کی مالی پریشانی اور تقرر وظیفہ

میرزا صاحب کو خزانہ کلکٹری سے ساڑھے باسٹھ روپیہ ماہوار پنشن ملا کرتی تھی جسے غدر کے بعد تعلقِ قلعہ کے سبب سے گورنمنٹ نے مسدود کر دیا۔ امن کے بعد میرزا صاحب نے بیگناہی ظاہر کی، لیکن عرصہ تک شنوائی نہوئی۔ غدر سے قبل نواب فردوس مکان وقتاً فوقتاً عطیات بھیجتے رہتے تھے۔ چنانچہ میرزا صاحب نے خواجہ غلام غوث خان بہادر بینخبر کو ان عطیات کے بارے میں لکھا ہے :

»نواب یوسف علیخان بہادر والی رامپور، کہ میری آشنای قدیم ہیں، اس سال ... میری شاگرد ہوئے۔ ناظم اونکو تخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلین اردو کی بھیجی۔ میں اصلاح دیکر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ اودھر سے آتا رہتا۔« (۱)

لیکن ایامِ غدر میں وہ بھی امداد نہ کر سکے۔ بعدِ غدر متعدد بار دو سو ڈھائی سو روپیے نقد عطا کیے۔ مگر میرزا صاحب کو اوقات بسر کرنے کیلئے ماہوار امداد کی ضرورت تھی۔ لہذا انہوں نے «یوسف رامپور» کے حضور میں ماہانہ پرورش کی درخواست ارسال کی۔ سوء اتفاق سے مثل میں یہ درخواست موجود نہیں۔ البتہ عریضہ نمبر ۱۳ مورخہ ۱۸ اپریل سنہ ۵۹ ع میں ایک حسنِ طلب پر مشتمل نیازنامہ کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں :

»اسی نیازنامہ میں کچھ حسنِ طلب بھی تھا۔ افسوس کہ ایسا خط ضروری نہ پہنچا۔« (۲)

چونکہ اول الذکر عریضہ سرکار کو موصول نہوا، اور دوسرے میں اوس حسنِ طلب کی تصریح نہ تھی، اسلئے مجبوراً ۱۰ جولائی سنہ ۵۹ ع کو میرزا صاحب نے ایک اور عریضہ ارسال کیا۔ امثال میں یہ عریضہ بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن سرکار کے جوابی فرمان مورخہ ۱۴ ذیحجہ سنہ ۱۲۷۵ ھ مطابق ۱۶ جولائی سنہ ۵۹ ع سے اسکے مضمون پر روشنی پڑتی ہے۔ سرکار نے ارشاد فرمایا ہے :

»... سامی صحیفہ تلافی آگین مورخہ دسویں اس مہینہ جولائی سنہ حال کا بیچ عین انتظار کو غازہ آرای چہرہ وصول نشاط شمول کا ہوا، اور اوپر مراتب مرقومہ کو مطلع کیا۔ اور ان غزلوں کی اصلاح سے مخلص کو کمال مسرت ہوئی۔ اور بنظر آپکی زیرباری کو اس مہینہ جولائی سے سو روپیہ مہینا مقرر کیا گیا۔ اور دفتر میں نام آپکا مندرج کیا گیا۔ ہر مہینہ تنخواہ مقررہ پہنچے گی۔ یقین ہو کہ آپ بھی محمول کال محبت میں فرماؤینگے۔«

اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانہ میں میرزا صاحب نے کسی وجہ سے مراسلت کم کر دی تھی، مگر سرکار اونکے خط کے منتظر تھے۔ جب ۱۰ جولائی کے عریضہ میں انہوں نے اپنی زیرباری کا ذکر کیا، تو سرکار نے از راہِ پرورش سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر فرمادی۔ سرکار کا روبکارِ تقرر

وظیفہ ۱۶ جولائی کو صادر ہوا، اور میرزا صاحب کو پہلی تنخواہ کی
ہنڈوی ۲۸ ذیحجہ سنہ ۷۵ ھ مطابق ۳۱ جولائی سنہ ۵۹ ع کو روانہ کی گئی۔
اپریل سنہ ۶۰ ع میں میرزا صاحب نے میر مہدی مجروح کو جو خط
لکھا ہے اوس میں بھی جولائی سنہ ۵۹ ع سے تنخواہ جاری ہونیکا ذکر ہے۔
فرماتے ہیں :

«قرارداد یہ ہو کہ نواب صاحب جولائی سنہ ۱۸۵۹ ع، کہ جسکر یہ دسوان مہینا ہو، سو روپیہ
مجھی ماہ بماء بھیجتی ہیں ۰۰» (۱)

ہنڈوی بھیجنے کا طریقہ

چونکہ میرزا صاحب رامپور میں فروکش نہ تھے، اسلئے انہیں ہر مہینے
کی دسویں بارہویں تاریخ تک سو روپیہ کی ہنڈوی سرکار کے گرامی نامہ
کیساتھ ملفوف بھیجی جاتی تھی۔ بعض عرایض میں میرزا صاحب نے لکھا
ہے کہ پہلی دوسری تاریخ تک روپیہ بھیج دیا جایا کرے۔ سرکار نے اسکو
منظور بھی فرما لیا ہے، اور دفتر کو حکم بھی ہو گیا ہے، لیکن بالعموم ان
تاریخوں کے بعد ہی روپیہ روانہ کیا گیا۔ میرزا صاحب کے مکتوب مورخہ ۳۰
جولائی سنہ ۶۵ ع بنام میان داد خان سیاح سے معلوم ہوتا ہے، کہ سرکار میرزا
صاحب سے روپیہ کی رسید نہیں لیتے تھے۔ میرزا صاحب لکھتے ہیں :

«ایک قرن ۱۲ برس سے فردوس مکان نواب یوسف علیخان والی رامپور اپنی اشعار میری پاس
بھیجتی تھی، اور سو روپیہ مہینا ماہ بماء بسبیل ہنڈوی بھیجاتی تھی۔ اوس مغفور کی اندازہ
دانی دیکھی کہ مجھی کبھی اوس روپیہ کی رسید نہیں لی۔ اپنی خط میں ہنڈوی بھیجا کرتی۔
میں خط کا جواب لکھ بھیجتا۔ اس ماہانہ کے علاوہ کبھی دو سو کبھی ڈھائی سو بھیجتی رہتی۔
فتنہ و فساد کے دنوں میں قلعہ کی آمد مفقود۔ انگریزی پنشن مسدود۔ یہ بزرگوار وجہ مقرر
ماہ بماء اور فتح گاہ گاہ بھیجتا رہا، تب میری اور میری متوسلون کی زیست ہوئی ۰۰» (۲)

اس مکتوب میں رسید سے میرزا صاحب کی مراد باضابطہ رسید ہوگی۔ ورنہ
سرکار کے ہر فرمان میں روپیہ کی وصولیابی سے مطلع کرنے کی خواہش اور
میرزا صاحب کے تمام ماہانہ عرایض میں روپیہ کی رسید کی اطلاع درج ہے۔

میرزا صاحب کی تنخواہ کے تقرر کے سلسلہ میں مولانا مہر فرماتے ہیں :

وعدہ کر بعد جب قلعہ کی تنخواہ جاتی رہی ، اور خاندانی پنشن بند ہوگئی ، تو غالب نے ایک فارسی قصیدہ نواب یوسف علیخان کے پاس بھیجا ، جس میں گہری دوستانہ روابط کا ذکر کرتے ہوئے نواب صاحب کے تغافل کا شکوہ کیا گیا تھا ۔ اس قصیدہ پر نواب یوسف علی خان مرحوم نے سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ غالب کیلئے مقرر فرمادیا ، جو ماہ بماء نواب صاحب خود غالب کو بھیجتی تھی ۔ (۱)

لیکن مجھے مولانا کی رائے سے اتفاق نہیں ۔ اسلئے کہ اس قصیدہ میں میرزا صاحب نے سرکار سے ترکِ مراسلت کا شکوہ کیا ہے ۔ اگر یہ قصیدہ سنہ ۵۹ ع کا لکھا ہوا ہوتا تو شکوہ نادرست تھا ۔ کیونکہ سرکار کا وہ فرمان ، جو اطلاعِ تقررِ وظیفہ کے سلسلہ میں میرزا صاحب کو لکھا گیا تھا ، سرکار کیطرف سے شکوۂ ترکِ مراسلت پر مشتمل ہے ۔ دوسرے اسلئے کہ اس میں میرزا صاحب نے گورنمنٹ کیطرف سے بریلی کا علاقہ عطا ہونے کی مبارکباد تحریر کی ہے ۔ یہ علاقہ پرگنہ کاشی پور ضلع مرادآباد عطا کردہ اپریل سنہ ۶۰ ع کے عوض میں سرکار کو ملا تھا ۔ اگر میرزا صاحب کا قصیدہ سنہ ۵۹ ع کا ہوتا تو اس میں توقعِ بریلی کا مذکور نہونا چاہئے تھا ۔

مولانا مہر کے اس قیاس کی وجہ خود انکے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہے ، کہ اس میں میرزا صاحب نے اپنی تنخواہ کے تقرر کی درخواست کی ہے ۔ اگر قصیدہ تقررِ تنخواہ کے بعد لکھا گیا ہوتا ، تو اس میں عنایت کا شکریہ ادا کیا جاتا ۔ مولانا کے الفاظ یہ ہیں :

واسکو بعد نواب صاحب کو توقعِ بریلی کی مبارکباد دیوے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں مفتی یا قاضی یا شیعہ یا عامل کے عہدے کا طلبگار نہیں ، بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا حصہ بھیجے ماہ بماء پہنچتا رہی ۔ (۲)

حالانکہ اس قصیدہ میں میرزا صاحب نے صرف سالانہ امداد کی درخواست

کی ہے جو تقرر تنخواہ کے بعد بھی ہوسکتی تھی . اسلئے اس کو تقرر تنخواہ کی بنا قرار دینا مناسب نہیں . میرزا صاحب کا قصیدہ حسب ذیل ہے :

چون نیست مرا شربت آبی ز تو حاصل
در بادیه بر گور غریبان ز چه سوزد
زان خسرو خوبان چه قدر چشم وفا بود
افسانه غم گر بسرایم نبود عیب
میگویم و همدم زدم طعنه که «تن زن
از طعنه شدم خسته دل و از ره تیار
تا کس نبرد ظن که بشاهد بودم روی
شاهد بود آن دوست که اندر غول او را
من نالم از آن دوست که در عالم انصاف
او خسرو خوبان بود و بنده گدایش
گر خواجه همانست و گر دوست همانست
خود هر چه سرودم همه با اوست کزین پیش
یا رب چه شد اینک که نگردد خبر از من
ای «یوسف» ثانی که بود در همه عالم
گر نام تو در بحر نگجید زبان نیست
تا نزد تو چون آیم و دور از تو چه سازم
ای کاش بکوی تو چنین روی نمودی
چونست که گاهی نکئی روی بدین سوی
گر جان دهم از غصه تو دانی که بگیتی
خواهی که مرا بنگری از دور بفرمای
از صنعت استاد ازل دان که ز هر سوی
«غالب» بسخن نام من آمد ازل آورد
در فن سخن دم مزین از عرفی و طالب
من گنج و گردون به گل اندوه درم را
خود در خور ویرانه بود گنج گرانمند
هاروت فسون نفس گرم چه داند
آترا که صریر قلم هوش رباید
توقیع «بریلی» بتو فرخنده که من نیز
حاشا که ستانم رقم قاضی و مفتی

دائم که تو دریائی و من سبزه ساحل
آن شمع فروزان که بود در خور محفل
صد حیف که شد نقش امیدم همه باطل
با دوست که پیوسته همی برد غم از دل
چون می نهد داد، ز فریاد چه حاصل؟
دل گفت که هان شیوه عشاق فروهل
حاشا که حکایت کنم از لیلی و محمل
خوانند ستمگاره و خونخواره و قاتل
شایان بودش گویم اگر خسرو عادل
او قلم و عمان بود و من خس ساحل
مائیم و یقینی که بوحادث شده کامل
امیدگم بود بهر وادی و منزل
بر بسته برویم در ارسال رسائل
مشتاق جمال تو، چه دیوانه چه عاقل
شد نام نظیر تو و هم نام تو داخل
ماندن ز تو دشوار و رسیدن بتو مشکل
زیسان که فرو رفته مرا پای درین گل
از چیست که هرگز ندھی وایه به سائل
حرفی غلط از صفحه هستی شده زائل
تا نزد تو آرند یکی طائر بسمل
چون قبله نما سوی تو ام ساخته مائل
دانی که درین شیوه نیم عای و جاهل
این آیه خاصست که بر من شده نازل
می بین، در گنج ارچه کشودن شده مشکل
غم نیست گر آبادی دهلی شده زائل
اعجاز ز دهلی بود و سحر ز بابل
دیگر نبرد ذوق ز آواز عنادل
بسم بغرمندی خویش از کرم دل
حاشا که پزیرم عمل شخته و عامل

بفرست خردمند کسان را بحکومت
هر سال ازان شهر بن وایه روان دار
امید که لب تشنگی من نه پسندی
امید که پزیری و بر من نکلی قهر
امید که آن شیوه نوری که نگویم
ای رای تو در روشنی از مهر فزون تر
تا مهر یک سال کند دائره را دور
باشی بسپر شرف آن ماه که باشد
در جیب گدا ریز قلبی ز مداخل
کز بهر همین گشته در اقطاع تو شامل
زان رشحه که بر صفحه فشان ز انامل
نیزیم اگر معذرت فرط مشاغل
کز درد دلم فارغ و از من شده غافل
ای روی تو در حسن دو چند از مه کامل
تا ماه یک ماه کند قطع منازل
در نور به خورشید جهاتاب مقابل، (۱)

اصلاح مین تاخیر

میرزا صاحب کی طرف سے نواب فردوس مکان کے کلام پر اصلاح دینے میں تاخیر بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ متعدد فرامین میں تعجیل کا تقاضا اور بعض میں تاخیر کا شکوہ نظر آتا ہے۔ اس کا سبب میرزا صاحب کی علالت طبع تھی۔ ۲۰ نومبر سنہ ۶۱ ع کے ایک مکتوب بنام میان داد خان سیاح مین میرزا صاحب نے لکھا ہے :

واندون ضعف دماغ، دوران سر مین ایسا مبتلا ہوں کہ والی رامپور کا بھی بہت سا کلام یونہی دھرا ہوا ہو۔ دیکھو کی بھی نوبت نہیں آتی۔ تمہاری بھیجی ہوئی غزلین سب محفوظ دھری ہوئی ہیں۔ خاطر جمع رکھو۔ جب نوابصاحب کی غزلین دیکھو لگا، تو یہ بھی دیکھی جائیگی، (۲)

ایکبار تفتہ کے کلام پر اصلاح دینے میں دیر ہوئی۔ اونیہوں نے تقاضائی خط لکھا۔ اسپر ۱۴ اکتوبر سنہ ۶۲ ع کو میرزا صاحب نے تحریر فرمایا ہے :

» بھائی! تم سچ کہو ہو کہ بہت مسودی اصلاح کیواسطو فراہم ہوئی ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری ہی قصائد پڑی ہیں۔ نوابصاحب کی غزلین بھی اسطرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال تمہیں بھی معلوم ہی اب نجات ہوئی ہو۔ نوابصاحب کی غزلین اور تمہاری قصائد دیکھو جائینگے۔ میں ناتوان بہت ہو گیا ہوں۔ گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا تکلف کی ملاقات کا آجائی تو اوٹھ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹو لیٹو خط لکھتا ہوں۔

لیٹو لیٹو مسودات دیکھتا ہوں۔ اللہ! اللہ! اللہ! (۳)

اس جواب پر ایک ماہ گزر گیا، لیکن هنوز تفتہ کو اصلاح شدہ قصائد نہ ملے۔ اونیہوں نے پھر شکایت آمیز خط لکھا۔ اسکے جواب میں ۲۷ نومبر سنہ ۶۲ ع

(۱) کلیات نظم فارسی، ص ۳۲۷ طبع لکھنؤ سنہ ۱۸۶۳ ع (۲) اردوی معلی، ص ۲۷ (۳) ایضاً، ص ۹۴

کو میرزا صاحب نے معذرت کرتے ہوئے نوابصاحب کی غزلوں پر اصلاح دینے کا پھر ذکر کیا۔ فرماتے ہیں :

» مرزا تفتہ ! جو کچھ تمہیں لکھا یہ بیدردی ہو اور بدگمانی۔ معاذ اللہ ! تم سے اور آزدگی۔
مجھ کو اسپر ناز ہو کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق الولا رکھتا ہوں ، جسکا ہر گوپال نام
اور تفتہ تخلص ہو بھائی مجھ میں کچھ اب باقی نہیں ہو ۔ برسات کی مصیبت گزر گئی ،
لیکن بڑھاپہ کی شدت بڑھ گئی ۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں ۔ بیٹھے نہیں سکتا ۔ اکثر لیٹ لیٹ لکھتا ہوں ...
لالہ بالکلند یصبر کا ایک پارسل ہو کہ اوسکو بہت دن ہوئی ، آج تک سرنامہ بھی نہیں کھولا ۔
نوابصاحب کی دس پندرہ غزلیں پڑی ہوئی ہیں ۔

ضعف و غالب نکلا کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھو کام کے ، (۱)

مگر وظیفہ جاری

لیکن اس تاخیر کے باوجود نواب فردوس مکان وظیفہ برابر دیتے
رہے۔ حتیٰ کہ ایکبار میرزا صاحب نے اصلاح سے انکار کر دیا۔ اسپر بھی
سرکار نے از راہِ قدردانی وظیفہ بند نکلیا۔ سرکار کی اس مہربانی و پرورش
کا ایک خط میں میرزا صاحب نے ذکر کیا ہے۔ واقعہ یہ درپیش آیا کہ ایکبار
تفتہ کے کلام پر اصلاح دینے میں دیر ہوئی۔ انہوں نے تقاضا کیا۔
میرزا صاحب نے عذرِ ضعف کیا، جسے تفتہ نے باور نکلیا۔ اسپر میرزا
صاحب نے تحریر فرمایا :

» میرا عجب حال ہو ۔ حیران ہوں کہ تمہیں میرا کلام کیوں باور نہیں آتا ۔ ... سامعہ مر گیا تھا
اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا ۔ ... رئیس رامپور سو روپیہ مہینا دیتے ہیں ۔ سال گزشتہ اونکو
لکھ بھیجا کہ اصلاح نظم حواس کا کام ہو ، اور میں اپنی میں حواس نہیں پاتا ۔ متوقع ہوں کہ
اس خدمت سے معاف رہوں ۔ جو کچھ مجھے آپ کی سرکار سے ملتا ہو ، عوض خدمات سابقہ
میں شمار کیجئے ، تو میں سکھ لبر نہیں ، ورنہ خیرات خوار نہیں ۔ اور اگر یہ عطیہ بشرط
خدمت ہو تو جو آپکی مرضی ہو وہی میری قسمت ہو ۔ برس دن سے اونکا کلام نہیں آتا ۔
فوج مقرری نومبر تک آئی ۔ اب دیکھتی آگئی کیا ہوتا ہو ۔ آج تک نوابصاحب از راہ جو اتمر دی
دی جاتی ہیں ۔ (۲)

یہ خط میرزا صاحب نے ۱۴ رجب کو لکھا ہے۔ اسکے آخر میں سنہ درج
نہیں، لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ سنہ ۱۲۸۱ ھ مطابق ۱۴ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ ع

تاریخ کتابت ہوگی۔ اسلئے کہ اس مین میرزا صاحب نے نومبر کی تنخواہ موصول ہونے کی اطلاع دی ہے۔ لہذا خط لکھتے وقت دسمبر کا مہینا ہونا چاہیے۔ اور جیسا کہ خود میرزا صاحب کے عریضہ نمبر ۳۹ سے، جو اسی ماہ نومبر کی تنخواہ کی رسید ہے، معلوم ہوتا ہے، رجب اور دسمبر سنہ ۱۲۸۱ھ مین ایکسا تہ آئے تھے، اور اتفاق یہ کہ دونوں مہینوں کا آغاز بھی ایک دن ہوا تھا۔

اس خط مین میرزا صاحب نے اوس عریضہ کا مضمون دوہرایا ہے جو نواب فردوس مکان کی خدمت مین ارسال کیا تھا۔ وہ عریضہ فائل مین موجود نہیں۔ لیکن امثلہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کا یہ ارشاد کہ »برسدن سے اونکا کلام نہیں آتا« حقیقی عذر ہے۔ کیونکہ اس ایکسال کے عرصہ مین، جو کم از کم دسمبر سنہ ۶۳ ع سے دسمبر سنہ ۶۴ ع تک پھیلا ہوا ہے، نواب فردوس مکان نے تقریباً ہر ماہ خط بھیجا ہے۔ لیکن کسی مین اشعار کے ارسال کی اطلاع یا مرسلہ کلام کی واپسی کا تقاضا درج نہیں ہے۔ اونکا آخری کلام وہ واسوخت تھا جو میرزا صاحب نے آخر اکتوبر سنہ ۶۳ ع مین واپس بھیجا اور یہاں ۲۹ اکتوبر سنہ مذکور مطابق ۱۵ جمادی الثانیہ سنہ ۸۱ھ کو موصول ہوا۔ اسکے بعد اکتوبر سنہ ۶۴ ع کے آخر یا نومبر کے آغاز مین سرکار سرطان کے عارضہ مین مبتلا ہو گئے، اور غالباً سنہ ۶۵ ع کے شروع مین محرم سنہ ۸۲ھ کی مجالس کے لئے صرف ایک سلام لکھ کر بھیج سکے، جو اونکے انتقال کے بعد میرزا صاحب نے نواب خلد آشیان کی خدمت مین واپس ارسال کیا۔ (۱)

رامپور کا پہلا سفر، اور سرکار کے تین دعوتنامی

نواب فردوس مکان کو میرزا صاحب کا شاگرد ہوئے چند ماہ گزرے تھے کہ ہنگامہ غدر برپا ہو گیا، اور کچھ عرصہ تک با ہم مراسلت

بند رہی۔ لیکن مملکتِ ہند میں امن و امان قائم ہوتے ہی سرکار نے میرزا صاحب کو رامپور تشریف لانے کی دعوت دی۔ نواب صاحب کا پہلا دعوتنامہ مثل میں موجود نہیں۔ لیکن مکتوب بنام صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر مورخہ ۲۵ مارچ سنہ ۵۸ ع میں میرزا صاحب نے اپنے رامپور نائیکے وجوہ تحریر کیئے ہیں۔ اسلئے یقیناً پہلی دعوت ابتدائی سال سنہ ۵۸ ع میں دی گئی ہوگی۔ خود میرزا صاحب کے الفاظ »بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ میرے مقدم کے خواہان رہتے تھے۔ میں عذر کرتا تھا« سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

۲۵ نومبر سنہ مذکور کو سرکار نے پھر تحریر فرمایا:

دمشقا! جو کہ غلص کو اشتیاق معانقہ اور مکالمہ آپ کا بدرجہ کمال ہی، اور اب تشریف آوری آپ کی ایچکھ مناسب ہی، اسواسطی حوالہ خامہ محبت نگار کی ہوتا ہی، کہ آپ دیدار فایض الانوار اپنی سی غلص کو مرور فرمائی ۲۰ (۱)

اس کے بعد ۱۳ ماہ اپریل سنہ ۵۹ ع کو سہ بارہ تحریر فرمایا:

دحال تشریف آوری آپ کا اسطرف کو ابھی تک سامعہ نواز نہیں ہوا۔ اور دل صفامنزل مشتاق اور منتظر دریافت مرور ملاقات کا ہی۔ اسواسطی حوالہ خامہ اتحاد نگار کی ہوتا ہی، کہ آپ براہ عنایت کی نوید تشریف فرمائی اس سمت سی، کہ کبتک ممکن الوقوع ہی، مطلع اور مطمئن فرمائی ۲۰ (۲)

میرزا صاحب کا عذر

میرزا صاحب مطلع سیاست صاف ہو جائیکے بعد اپنی انگریزی پنشن کے اجرا کی سعی میں مصروف تھے۔ حکام انگریزی کی معدلت گستری و انصاف پڑوہی کے بدل معترف تھے، اور اپنے آپ کو جرم بیوفائی و غداری سے قطعاً بری پاتے تھے، اسلئے حکام کی ہر دفتری حرکت اونکی امید کو پیام کامیابی نظر آتی تھی۔ وہ روزانہ اس یقین کیساتھ بیدار ہوتے، کہ آج پنشن کی اجرا کا حکم ہو جائیگا، اور میں شام تک اپنے قرضہ کے بار سے سبک دوش ہو سکونگا۔ بسا اوقات اون سے یہ موہوم خوشی ضبط نہوسکی ہے، اور احباب کو کامیابی کی منزل قریب آجانے کی اطلاعیں تک دیدی ہیں۔ (۳)

(۱) مکاتیب، ص ۱۶، حاشیہ نمبر ۱ (۲) ایضاً، ص ۱۹، حاشیہ نمبر ۱

(۳) اردوی معلیٰ اور عود میں اس مضمون کی متعدد خطوط موجود ہیں۔

ایسی حالت میں کس طرح ممکن تھا کہ وہ دلی سے باہر چلے جاتے۔ چنانچہ یہی امروز و فردا دلی چھوڑ کر رامپور آنے سے مانع رہے، اور انہوں نے ہر دعوت نامہ کے جواب میں یہی عذر کیا کہ پنشن کے وصول کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ اسکو ادھورا چھوڑ کر نہیں آسکتا۔ اس سلسلہ میں صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر کو تحریر کرتے ہیں :

»جناب نواب صاحب میری محسن اور میری قدردان اور میری امیدگاہ ہیں۔ میں اگر رامپور ناؤنگا تو کہاں جاؤنگا۔ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ تجھ کو آؤ میں تردد کیا ہی، تردد کچھ نہیں توقف ہو۔ وجہ توقف کی یہ کہ میں نے اپنی پنشن کے باب میں چیف کمنشنر بہادر کو درخواست دی تھی۔ وہاں سے صاحب کمنشنر شہر کی وہ درخواست حوالہ ہوئی۔ صاحب کمنشنر دہلی نے صاحب کلکٹر شہر سے کیفیت طلب کی ہو۔ پھر حال صاحب کمنشنر شہر کیفیت صاحب کلکٹر سے طلب کر کر چیف کمنشنر کیساتھ پنجاب کو گئی ہیں۔ دیکھیے کب آویں، اور بعد ملاحظہ کیفیت کیا حکم دیں۔ مگر تا صدور حکم میں یہاں سے کہیں جا نہیں سکتا۔ ہاں بعد ملتو حکم کے، خواہی دلخواہ ہو خواہی مخالف مدعا، دونوں صورت میں رامپور آؤنگا۔ « (۱)

نواب فردوس مکان کے دعوت نامہ مورخہ ۲۵ نومبر سنہ ۵۸ ع کے جواب میں اسی عذر کا اعادہ کیا ہے۔ تحریر کرتے ہیں :

»میری حاضر ہونے کو جو ارشاد ہوتا ہو، میں وہاں نہ آؤنگا، تو اور کہاں جاؤنگا۔ پنشن کے وصول کا زمانہ قریب آیا ہو۔ اسکو ملتوی چھوڑ کر کیونکر چلا آؤں۔ سنا جاتا ہو اور یقین بھی آتا ہو کہ جنوری آغاز سال ۵۹ عیسوی میں یہ قصہ انجام پائے۔ جسکو روپیہ ملنا ہو اسکو روپیہ، جسکو جواب ملنا ہو اسکو جواب ملجائے۔ « (۲)

لیکن میرزا صاحب کے علی الرغم جنوری سنہ ۵۹ ع بھی بیگانہ وار گزر گیا، تو انہوں نے اپنی صادق الاعتقادی میں اور وسعت دے لی، اور جب سرکار نے ۱۳ ماہ اپریل سنہ مذکور کو تیسری بار آمدِ رامپور کی دعوت دی تو اس کے جواب میں لکھا :

»پہلی خط میں یہ عرض کیا ہی، کہ مجموعہ پنشنداروں کی مثل مرتب ہو، اور ہنوز صدر کو روانہ نہیں ہوئی۔ نواب گورنر جنرل لاؤڈ کیٹنگ بہادر نے کلکتہ سے میری پنشن کے کواغذ طلب کیے، اور وہ کاغذ فہرست میں سے الگ ہو کر لفٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے۔ وہاں سے کلکتہ کو بھیجی جائیں گی۔ پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب

موتا ہوا یہاں آئیگا، اور یہاں بچکو روپیہ ملجائیگا۔ آج روپیہ ملا، کل مین فی آپ سی سواری اور باربرداری مانگی۔ آج سواری اور باربرداری پہنچی، اور کل مین فی رامپور کی راہ لی۔ (۱) ۰۰

چوتھی دعوت

آخر کار سال ۵۹ ع بھی ختم ہونے کے قریب آ گیا، مگر پنشن کا معاملہ ہنوز لیت و لعل مین پڑا رہا۔ سرکار نے ۱۶ دسمبر سنہ ۵۹ ع کو پھر ارقام فرمایا: «سابق مین چند مرتبہ در باب تشریف فرمائی یہاں کی متکلف ہوا ہوں۔ لیکن اب تک آپ سرور ملاقات پہچت آیات می سرور نہیں فرمایا۔ اب لازم اشفاق کا یہ ہی کہ آپ تشریف شریف باسرع ازمہ ارزانی فرماوین، اور مخلص کو مشکور الطاف کا کرین۔ (۲) ۰۰

میرزا صاحب اس عرصہ مین نواب فردوس مکان کے اخلاص و اعانت کے بدل معترف ہو چکے تھے، اور یہ عزم کر کے، کہ مقدمہ پنشن کے منفصل ہوتے ہی رامپور روانا ہو جائینگے، یوسف مرزا کو لکھا تھا:

«مین تو پنشن کی باب مین حکم اخیر سن لون۔ پھر رامپور چلا جاؤنگا۔ جمادی الاول سی ذی الحجہ تک ۸ مہینی، اور پھر محرم سی سنہ ۱۲۷۷ سال شروع ہوگا۔ اس سال کی دو چار حد دس گیارہ مہینو غرض کہ اونیس بیس مہینو ہر طرح بسر کرنی مین۔ اسمین رنج و راحت و ذلت و عزت جو مقسوم مین ہی وہ پہنچ جاؤ۔ اور پھر «علی علی» کہتا ہوا ملک عدم کو چلا جاؤں۔ جسم رامپور مین اور روح عالم نور مین۔ یاعلی! یاعلی! یاعلی! (۳) ۰۰

میرزا صاحب کا عزم سفر اور اوسکا مقصد

جب آغاز سنہ ۱۸۶۰ ع مین گورنمنٹ نے مقدمہ پنشن کا فیصلہ میرزا صاحب کی خواہش اور امید کے خلاف صادر کیا، تو انھوں نے حسب وعدہ سفر رامپور کی تیاری کی۔ اس سلسلہ مین خواجہ غلام غوث خان بہادر بینبر کو لکھتے ہیں:

«بعد فتح دہلی وہ (نواب فردوس مکان) ہمیشہ میری مقدم کی خواہان رہتی تھی۔ مین عذر کرتا تھا۔ جب جنوری سنہ ۱۸۶۰ مین گورنمنٹ سی وہ جواب پایا، کہ جو اوپر لکھ آیا ہوں، تو مین آخر جنوری مین رامپور گیا۔ (۴) ۰۰

نواب فردوس مکان ایام غدر مین گورنمنٹ کے وفادار اور معاون رہے تھے۔

(۱) مکاتیب، ص ۱۹ (۲) ایضاً، ص ۲۵، حاشیہ نمبر ۱ (۳) اردوی معلی، ص ۳۴۵ (۴) ایضاً، ص ۲۸۳

بنابرین برٹش حکام کی نظر میں اونکی بڑی عزت و وقعت تھی۔ میرزا صاحب سے بھی اونکے تعلقات یحید پر خلوص تھے۔ اسلئے مقدمہ خلاف فیصل ہونیکے بعد میرزا صاحب نے مناسب جانا کہ رامپور جائین اور سرکار سے زبانی عرض کریں کہ اپنے توسط سے گورنمنٹ سے میرے معاملہ کو صاف فرمادیجئے۔ منشی شیونراین اکبر آبادی کو ۳ مارچ سنہ ۶۰ ع کو رامپور سے لکھا ہے:

«مین حسب الطلب نوابصاحب کو دوستانہ بیان آیا ہوں، اور اپنی صفائی گورنمنٹ سے بذریعہ انکی چاہتا ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہو۔» (۱)

اسکے علاوہ ایک اور واقعہ، جو قیام رامپور کے زمانہ میں پیش آیا، اس امر پر شاہد ہے کہ سفر رامپور سے میرزا صاحب کا مقصد «گورنمنٹ سے اپنی صفائی» تھی۔ ۱۴ فروری سنہ مذکورہ کو حکیم غلام نجف خان کو اس واقعہ کے متعلق تحریر کیا ہے:

«بیان کا یہ حال ہو کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ مراد آباد آیا چاہتی ہیں۔ مراد آباد بیان سے بارہ کوس ہو۔ نوابصاحب دوری کو اپنی ملک کو گئی ہیں۔ دو چار دن میں پھر آئینگی۔ اگر اونکی ملاقات کو مراد آباد جائینگی، میں بھی ساتھ جاؤنگا۔ اگرچہ گورنر غرب و شمال کو دلی سے کچھ علاقہ نہیں، مگر دیکھوں کیا گفتگو درمیان آتی ہو۔» (۲)

اگر میرزا صاحب کے پیش نظر گورنمنٹ سے صفائی نہوتی تو یہ جانتے ہوئے کہ یو۔ پی کے گورنر کو دلی سے کچھ واسطہ نہیں سرکار کیساتھ مراد آباد جانیکا تہیا نہ کرتے۔

دلی سے روانگی

میرزا صاحب نے ارادہ کیا کہ آخر جمادی الثانیہ میں دلی روانا ہوں، اور رجب المرجب کا چاند رامپور آکر دیکھیں۔ حسین مرزا صاحب کو سہ شنبہ ۳۱ دسمبر سنہ ۵۹ ع کو لکھتے ہیں:

«رامپور زندگی میں میرا مسکن اور بعد مرگ میرا مدفن ہو لیا۔ جب تم لکھو ہو کہ «اللہ تم وہاں جاؤ!» تو مجھکو ہنسی آتی ہو۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہلال ماہ رجب المرجب رامپور میں دیکھوں۔» (۳)

اس خط کی تحریر سے ۱۹ دن کے بعد میرزا صاحب دلی سے روانا ہوئے۔
دلی سے روانگی کی تاریخ کا ذکر متعدد خطوط میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً خواجہ
غلام غوث خان بہادر یخبر کو بجملاً لکھ دیا ہے کہ

» جب جنوری سنہ ۱۸۶۰ میں گورنمنٹ سی وہ جواب پایا کہ جو اوپر لکھ آیا ہوں تو میں
آخر جنوری میں رامپور گیا۔ « (۱)

رامپور سے واپس جا کر منشی شیونرین کو مہینے کیساتھ تاریخ بھی لکھی ہے۔
فرماتے ہیں:

» ۱۹ یا ۲۰ جنوری سنہ ۱۸۶۰ کتاب اور دونوں عرضیان ولایت کو روانہ کر کے رامپور گیا ہوں۔ « (۲)

لیکن آخر عمر میں میرزا صاحب کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، اسلئے
اونہیں صحیح تاریخ یاد نہیں رہی۔ دراصل وہ ۱۹ جنوری سنہ ۶۰ ع کو
دلی سے روانا ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۱ جنوری کو میرٹھ پہنچ کر مرزا تفتہ
کو لکھا ہے:

» بھائی! میں تو دلی کو چھوڑا، اور رامپور کو چلا۔ پنجشنبہ ۱۹ کو مرادنگر اور جمعہ ۲۰ کو
میرٹھ پہنچا۔ آج شنبہ ۲۱ کو بھائی مصطفیٰ خان کو کہو سی مقام کیا۔ یہاں سی یہ خط تمکو لکھ کر
بھیجا۔ کل شاہجہان پور پرسون گڈہ مکٹیشہ رہوٹگا۔ پھر مرادآباد ہوتا ہوا رامپور جاؤنگا۔ « (۳)

اسی تاریخ کو حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں:

» میان! میں تم سی رخصت ہو کر اوسدن مرادنگر میں رہا۔ دوسری دن، یعنی جمعہ کو، میرٹھ
پہنچا۔ نواب مصطفیٰ خان تو ایکدن رکھ لیا۔ آج شنبہ ۲۱ جنوری یہاں مقام سی۔ نو بج گئے ہیں۔
بینہا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ مفت کا کھانا سی۔ خوب پیٹ بھر کر کھاؤنگا۔ کل شاہجہانپور،
پرسون گڈہ مکٹیشہ، رہوٹگا۔ مرادآباد سی پھر تمکو خط لکھوٹگا۔ « (۴)

ان تمام تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعرات کے دن صبح کیوقت ۱۹ جنوری
سنہ ۶۰ ع کو میرزا صاحب دلی سے روانا ہوئے۔

اخضای حال

روانگی سے پہلے میرزا صاحب نے کسی مصالحت کے ماتحت مختلف
اصحاب سے مختلف مقامات کے سفر کا اظہار کیا تھا۔ لیکن میرٹھ پہنچ کر اخفا

کی ضرورت نہ سمجھی، اور وہیں سے حکیم غلام نجف خان کو لکھا:
 "ہاں بھائی! میں از روی مصلحت اپنے کو مقامات مختلف کا عازم کہ آیا ہوں۔ اب جو شخص تم سے
 پوچھا کری اوس سے پردہ نہ کرنا اور صاف کہہ دینا کہ رامپور کو گیا ہی۔ یعنی سب کو معلوم
 ہو جائے، اور کوئی تذبذب میں نہ رہے۔" (۱)

اس مکتوب میں میرزا صاحب نے اوس مصلحت کو ظاہر نہیں کیا، جو
 مقام سفر کے اخفا کی بنا تھی۔ لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ کسی سیاسی
 مصلحت سے ایسا کیا ہوگا۔ جو کم از کم یہ ہو سکتی ہے کہ اوس وقت تک گورنمنٹ
 نے میرزا صاحب کی بریت تسلیم نہیں کی تھی، اور انہیں غدر کے بعد سفر
 کا پہلا اتفاق تھا، اسلئے یہ خطرہ لاحق ہوا ہوگا کہ کہیں رامپور جانے سے
 روک نہ دیا جاؤں، یا یہ کہ کوئی حاسد سرکار کو یہ نہ لکھ دے کہ میرزا صاحب
 گورنمنٹ کی نظر میں ابھی مشتبہ ہیں، انہیں اپنی ریاست میں نہ آنے دیجئے۔

منازل سفر

۱۹ جنوری کی صبح کو دلی سے روانا ہو کر میرزا صاحب نے شام کو
 مرادنگر میں قیام کیا۔ دوسرے دن جمعہ کو میرٹھ پہنچے۔ وہاں ایکدن
 نواب مصطفیٰ خان بہادر شیفتہ کے ہاں ٹہر کر اتوار کو شاہجہانپور اور پیر
 کو گڑھ مکٹیسر میں اوترے۔ یہاں سے مرادآباد تک کی منازل کا پتہ نہیں،
 جو منگل اور بدھ دو دن میں طے کی گئی ہونگی۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ آخری
 منزل مرادآباد تھی۔ یہ تمام تفصیل مرزا تفتہ اور حکیم غلام نجف خان کے
 نام کے مکاتیب میں ابھی گزر چکی ہے۔

رفقای سفر

اس سفر میں زین العابدین خان عارف مرحوم کے دونوں لڑکے،
 باقر علیخان اور حسین علیخان، عنایت اللہ خادم، اور ایک دو اور ملازم
 میرزا صاحب کے ہمراہ تھے۔ لڑکوں کا ذکر متعدد خطوط میں کیا گیا
 ہے۔ یہاں صرف اوس خط کا اقتباس کافی ہوگا، جس میں تمام ہمراہیوں

کا ذکر ہے۔ میرزا صاحب حکیم غلام نجف خان کے خط کے آخر میں لکھتے ہیں :

• لڑکے بھی تندرست۔ آدمی بھی توانا۔ مگر ماں ایک عنایت اللہ دو دن سے کچھ بیمار ہو۔ خیر اچھا ہو جائیگا۔ (۱)

ورود رامپور کی تاریخ

غالباً میرزا صاحب جمعرات کے دن مراد آباد پہنچے، اور وہاں رات کو آرام کر کے دوسرے دن جمعہ کو رامپور وارد ہوئے۔ جمعہ ۳ فروری کو رامپور سے حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں :

• آج تک، کہ جمعہ آٹھواں دن میری پہنچ کو ہو، کچھ کلام نہیں ہوا۔ (۲)

اس سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے، کہ میرزا صاحب جمعہ کے دن رامپور پہنچے۔ لیکن مرزا تفتہ اور حکیم غلام نجف خان کو میرٹھ سے جو خطوط لکھے ہیں اون میں میرزا صاحب نے جمعہ کو ۲۰ اور شنبہ کو ۲۱ جنوری تاریخ تحریر کی ہے۔ اس حساب سے جس جمعہ کو میرزا صاحب نے سرزمین رامپور پر قدم رکھا، ۲۷ جنوری سنہ ۱۲۶۰ ع تاریخ انگریزی ہونی چاہیے۔

قیامگاہ

رامپور پہنچکر میرزا صاحب نے سرکار کی خاص کوٹھی میں قیام کیا۔ لیکن لڑکے میرزا صاحب کیساتھ آئے تھے، اسلئے یہاں چار دن گزارنے کے بعد از روی احتیاط جداگانہ مکان کی خواہش کی۔ سرکار نے ایک مکان، جو تین چار حویلیوں پر مشتمل تھا، قیام کیلئے عطا فرمایا۔ میرزا صاحب نے تفتہ کے پتہ کے استفسار پر جو خط لکھا ہے اوس میں فرماتے ہیں :

• پہلی یہ تو بناؤ کہ رامپور میں بھی کون نہیں جانتا۔ کہاں مولوی وجیہ الزمان صاحب کہاں میں۔ اونکا مسکن میری مسکن سے دور۔ پھر در دولت رئیس کہاں اور میں کہاں۔ چار دن والی شہر فی اپنی کوٹھی میں اوتارا۔ میں فی مکان جداگانہ مانگا۔ دو تین حویلیاں برابر برابر مجھکو عطا ہوئیں۔ اب اس میں رہتا ہوں۔ بحسب اتفاق ڈاک گھر مسکن کی پاس ہو۔ ڈاک منشی آشنا ہو گیا ہو۔ برابر دلی سے خط چلے آتی ہیں۔ صرف رامپور کا نام اور میرا نام۔ محلہ کی اور

عرف کی حاجت نہیں۔ بلکہ در دولت اور مولوی صاحب کی نشان می شاید خط تلف ہو جاؤ۔ (۱) ع۔
حکیم غلام نجف خان کو لکھا ہے:
 مکان کا پتہ ضرور نہیں۔ ڈاک گھر میری گھر کی پاس۔ ڈاک منشی میرا آشنا۔ ایک
 مکان، کہ وہ تین چار مکانوں پر مشتمل ہو، رہنے کو ملا ہی۔ (۲) ع۔
میر مہدی کو تحریر کیا ہے:

تمہارا خط پہنچا۔ تردد عبث۔ میرا مکان ڈاک گھر کی قریب اور ڈاک منشی میرا دوست ہو۔ (۳) ع۔
مکان کی تحقیق

حقیر عرشی نے بزرگانِ شہر سے تحقیق کی کہ اوس زمانہ میں ڈاکخانہ کس
 محلہ میں تھا، تو معلوم ہوا کہ محلہ راجدوارہ کی اوس شاہراہ پر، جو خاص باغ
 پبلس کو جاتی ہے، مولوی محمد یحیی صاحب وکیل کے مکان میں ڈاکخانہ واقع
 تھا، اور میرزا صاحب نے اوسکے متصل مکان میں قیام کیا تھا۔ اس مکان
 میں آجکل ایک آہنگر مقیم ہے۔ چونکہ یہ مکان اردو ادب کے نیرِ رخشان کا
 فرودگاہ رہ چکا ہے، اسلئے عالمِ تربت صاحب چیف منسٹر بہادر کے حسبِ الحکم
 اسپر پتھر کا کتبہ لگایا جا رہا ہے۔

مہانداری

میرزا صاحب کیلئے ابتداء سرکاری باورچیخانہ سے کھانا آتا رہا۔ چنانچہ
حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں:

دکھانا دونوں وقت سرکار می آتا ہو، اور وہ سب کو کافی ہوتا ہو۔ غذا میری بھی خلاف
 طبع نہیں۔ (۲) ع۔

میر مہدی کے خط میں بھی سرکاری مہانداری کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:
 یہاں کا حال سبطِ رح خوب ہو، اور صحت مرغوب ہو۔ اسوقت تک مہمان ہوں۔ (۳) ع۔
 لیکن چند دن کے بعد کھانے کے سو روپیہ ماہوار مقرر کر دیے گئے۔ دلی جا کر
 میرزا صاحب نے میر مہدی کو لکھا ہے:

اب جو میں وہاں گیا تو سو روپیہ مہینا بنام دعوت اور دیا۔ یعنی رامپور رہوں تو دو
 سو روپیہ مہینا پاؤں، اور دلی رہوں تو سو روپیہ۔ (۴) ع۔

آب و ہوا کی رامپور

رامپور کی آب و ہوا میرزا صاحب کے مزاج کے موافق ثابت ہوئی۔
آمدِ رامپور کے ۸ دن بعد حکیم غلام نجف خان کو لکھا ہے :

» پانی کا شکر کس منہ سے ادا کروں ۔ ایک دریا ہی کوسی .. سبحان اللہ ! اتنا میٹھا پانی کہ
پینے والا گمان کرے کہ یہ پھیکا شربت صاف ہی ۔ سبک ، گوارا ، ہاضم ، سریع النفوذ ۔
اس آٹھ دن میں قبض و انقباض کی صدمہ سے محفوظ ہوں ۔ صبح کو بھوک خوب لگتی ہی ۔
لڑکے بھی تسدرست ۔ آدمی بھی توانا ۔ مگر ہاں ایک عنایت اللہ دو دن سے کچھ بیمار ہی ۔
خیر اچھا ہو جائیگا ۔ (۱)

رامپور ہی سے میر مہدی مجروح کو تحریر کیا ہے :

» یہ رامپور ہی ۔ دارالدرور ہی ۔ جو لطف یہاں ہی وہ اور کہاں ہی ۔ پانی سبحان اللہ !
شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہی ، اور کوسی اوسکا نام ہی ۔ بی شبہ چشمۂ آب حیات
کی کوئی سوت اوس میں ملی ہی ۔ خیر اگر یوں بھی ہی ، تو یہاں ہی آب حیات عمر بڑھانا
ہی ۔ اتنا شیریں کہاں ہوگا ۔ (۲)

ملاقات اور تعظیم و توقیر

نواب فردوس مکان کا اخلاق میرزا صاحب کی امید کے مطابق ثابت
ہوا ۔ سرکار نے ہر وقت ملاقات احباب کی طرح معانقہ کیا ، اور احباب میں
تعظیم و توقیر کی جو رسم ہے اوسکو ملحوظ رکھا ۔ میرزا صاحب نے خود
نذر پیش کرنے کے عوض دونوں لڑکوں سے نذر دلوائی ۔ سرکار کے اس برتاؤ
کے بارے میں میرزا صاحب میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں :

» تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگراشت نہیں ہی ۔ (۳)

بعد ازان دلی جا کر لکھا ہے :

» ملاقات بھی دوستانہ رہی ۔ معانقہ و تعظیم جس طرح احباب میں رسم ہی ۔ وہ صورت
ملاقات کی ہی ۔ لڑکوں سے میں نے نذر دلوا دی تھی ۔ بس ۔ (۴)

اسی سلسلہ میں رامپور سے حکیم غلام نجف خان کو تحریر کیا ہے :

» اب میرا حال سو ۔ تعظیم و توقیر بہت ۔ ملاقاتیں تین ہوئی ہیں ۔ (۱)

ابھی گفتگو نہیں ہوئی

اگرچہ نواب فردوس مکان نے جولائی سنہ ۱۰۵۹ء سے میرزا صاحب کو سو

روپیہ ماہوار بطور امداد عطا فرمانا شروع کر دیے تھے، جو انہیں بذریعہ ہندوی ماہ بماء ارسال ہوا کرتے، لیکن جب میرزا صاحب رامپور تشریف لائے، اور چند روز تک خدمت اور معاوضہ کے بارے میں سرکار سے بالمشافہہ گفتگو نہیں ہوئی، تو انہیں مختلف خطرات پیدا ہوئے۔ خدمت اور در ماہہ کے خطرہ کو حکیم غلام نجف کے نام کے مکتوب میں اسطرح ظاہر کیا ہے:

”ہنوز کچھ گفتگو درمیان نہیں آئی۔ میں خود اون سے ابتدا نکر ونگا۔ وہ بھی مجھے بالمشافہہ نہ کہیں گے۔ مگر بواسطہ کارپردازان سرکار دیکھوں کیا کہتے ہیں، اور کیا مقرر کرتے

ہیں۔۔۔ (۱)

یہ خط ۳ فروری کو لکھا گیا تھا۔ اسکے بعد ۱۴ فروری کو پھر لکھتے ہیں:

”یہاں کا رنگ نواب صاحب کی آتی پر جو ہوگا، اور جو قرار پائے گا، وہ مفصل تمکو لکھونگا۔۔۔ (۲)

میر مہدی مجروح کو بھی دبے الفاظ میں لکھا ہے:

”اسوقت تک مہانت ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔۔۔ (۳)

رامپور کی اقامت کے خطرہ کو مرزا تفتہ کے خط میں ظاہر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”دوسری بات جو تم نے لکھی ہے وہ بھی مطابق واقع و مناسب حال نہیں۔ اگر اقامت قرار پائی

تو تمکو بلاونگا۔۔۔ (۴)

۱۴ فروری کو مرزا تفتہ کے خط کے جواب میں پھر لکھا ہے:

”میری جان! آخر لڑکی ہو۔ بات کو نہ سمجھی۔ میں اور تفتہ کا اپنی پاس ہونا غنیمت نہجانون۔

میں نے یہ لکھا تھا کہ بشرط اقامت بلاونگا۔ اور پھر لکھتا ہوں کہ اگر میری اقامت یہاں

کی ٹھہری تو بی تمہاری نہ ہونگا۔ نہ رہونگا۔ زہار نہ ہونگا۔۔۔ (۵)

سہ بارہ یکم مارچ کو تحریر کرتے ہیں:

”بالفعل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر مراد آباد اور وہاں سے رامپور آئیں گے۔ بعد اونکی جانیکی

کوئی طور اقامت یا عدم اقامت کا ٹھہریگا۔ منظور ہوگی یہ ہی کہ اگر یہاں رہنا ہوا تو فوراً

تمکو بلاونگا۔۔۔ (۶)

تعیین خدمت و اقامت

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار یہی طے پایا کہ میرزا صاحب رامپور کی اقامت اختیار کرنے پر مجبور نہیں ہیں۔ جہاں مزاج چاہے رہیں۔ سرکار

(۱) اردوی مہلی، ص ۲۲۸ (۲) ایضاً، ص ۲۳۰ (۳) ایضاً، ص ۱۶۹

(۴) ایضاً، لاہور ایڈیشن، ص ۳۷۲ (۵) ایضاً، ص ۷۳ (۶) ایضاً، ص ۸۶

کے کلام پر اصلاح دیدیا کریں۔ البتہ رامپور آکر رہینگے تو دعوت کے سو روپے ماہوار مزید عطا ہونگے، اور دلی رہینگے تو صرف سو روپہ تنخواہ ملیگی۔ اس تصفیہ کے متعلق میرزا صاحب نے میر مہدی مجروح کو لکھا ہے:

«قرار داد یہ ہو کہ نواب صاحب جولائی سنہ ۱۸۵۹ء سے، کہ جسکو یہ دسواں مہینا ہو، سو روپہ بھی ماہ بجا بھیجتے ہیں۔ اب جو مین وہاں گیا، تو سو روپہ مہینا نام دعوت اور دیا۔ یعنی رامپور رہوں تو دو سو روپہ مہینا پاؤں، اور دلی رہوں تو سو روپہ۔ بھائی سو دو سو مین کلام نہیں۔ کلام اس مین ہو کہ نواب صاحب دوستانہ و شاگردانہ دیتے ہیں۔ ... بہر حال غنیمت ہو۔ رزق کو اچھی طرح ملو کا شکر چاہتی۔ کمی کا شکوہ کیا۔» (۱)

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے:

«وہ سو روپہ مہینا بیان رہوں وہاں رہوں خدا کی ہاں سے میرا مقرر ہو۔» (۲)

قاضی عبدالجلیل صاحب بریلوی کو بھی یہی لکھا ہے کہ

«حق تعالیٰ والی رامپور کو صد و سی سال سلامت رکھی۔ اونکا عطیہ ماہ بجا مجکو پہنچتا ہو۔ کرم گستری اور استاد پروری کر رہی ہیں۔ میری رنج سفر اونٹانی کی اور رامپور جانیکی حاجت نہیں۔» (۳)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں:

«واہ کیا کہنا ہو۔ رامپور کی علاقہ کو گاؤں شنگ اور مجکو بیل، یا اوس پیوند کی طعنہ کو تازیانہ اور مجکو گھوڑا بنایا۔ وہ علاقہ اور وہ پیوند لوہارو کی سفر کا مانع و مزاحم کیوں ہو۔ رئیس کیطرف سے بطریق وکیل محکمہ کشنری مین معین نہیں ہوں۔ جس طرح امرا واسطی فقرا کو وجہ معاش مقرر کر دیتے ہیں اسی طرح اس سرکار سے میری واسطی مقرر ہو۔ ہاں فقیر سے دعای خیر اور مجھ سے اصلاح نظم مطلوب ہو۔ چاہوں دلی رہوں چاہوں اکبر آباد۔ چاہوں لاہور چاہوں لوہارو۔» (۴)

لڑکون کی شرارت

رامپور کی آب و ہوا کی موافقت مزاج اور سرکار کی تعظیم و توقیر کے باعث میرزا صاحب زیادہ عرصہ قیام کرنا چاہتے تھے۔ لیکن باقر علیخان اور حسین علیخان ساتھ تھے۔ میرزا صاحب نے انکا دل بہانے کے خیال سے طفلانہ کھیل کود کے تمام لوازمات مہیا کر دیئے تھے۔ اسپر بھی یہ برابر انکے

سکون و آرام میں خلل ڈالتے رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۴ فروری کو میرزا صاحب حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں:

”لڑکے دونوں اچھی طرح ہیں۔ کبھی میرا دل بہلاؤ ہیں۔ کبھی مجھ کو ستاؤ ہیں۔ بکریان، کبوتر، بٹیرین، تکل، کنکوا سب سامان درست ہو۔“ (۱)

اپنے ارادہ قیام اور انکی شرارت کے متعلق یوسف مرزا صاحب کو تحریر کرتے ہیں:

”مجھ کو لڑکوں نے بہت تنگ کیا۔ ورنہ چند روز اور رامپور میں رہتا۔“ (۲)

میر مہدی مجروح کو لکھا ہے:

”لڑکوں کو ساتھ لے گیا تھا۔ وہاں اونہوں نے میرا ناک میں دم کر دیا۔ تنہا بھیج دینی میں وہم آیا، کہ خدا جاز اگر کوئی امر حادث ہو تو بدنامی عمر بھر رہی۔ اس سبب میں جلد چلا آیا۔ ورنہ گرمی برسات وہاں کاٹنا۔ اب بشرط حیات جریدہ بعد برسات جاؤنگا، اور بہت دنوں تک یہاں نہ آؤنگا۔“ (۳)

دلی کو واپسی

لڑکوں کی شرارت سے تنگ آکر میرزا صاحب نے برسات تک کے ارادہ قیام رامپور کو فسخ کر دیا۔ سرکار نے ہرچند روکا اور آمون کا لالچ دیا، لیکن میرزا صاحب نہ روکے اور آخر مارچ مطابق آخر شعبان میں دلی کو روانہ ہو گئے۔ رامپور سے روانگی کی تاریخ بھی میرزا صاحب نے متعدد خطوط میں تحریر کی ہے۔ قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو لکھتے ہیں:

”سال گزشتہ اندون میں میں رامپور تھا۔ مارچ سنہ ۱۲۶۰ ع میں یہاں آ گیا ہوں۔“ (۴)

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں:

”میان میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں یہاں آ گیا ہوں، تو کیا کہوں کہ یہاں کے لوگ میری حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔“ (۵)

میر مہدی مجروح کو تحریر کرتے ہیں:

”میر مہدی! تم میری عادات کو بھول گئی۔ ماہ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامع کی تراویح ناغہ ہوتی ہیں۔ میں اس مہینے میں رامپور کیونکر رہتا۔ نواب صاحب مانع رہی، اور بہت منع

(۳) ایضاً، ص ۱۶۱

(۲) ایضاً، ص ۳۴۹

(۱) اردوی معلیٰ، ص ۲۲۹

(۴) ایضاً، ص ۲۱۱، وعود، ص ۱۶۶ (۵) اردوی معلیٰ، ص ۵۴

کرتو رہو۔ برسات کی آموں کا لالچ دیتی رہو۔ مگر بھائی میں ایسی انداز سی چلا کہ
چاند رات کی دن یہاں آہنچا۔ یکشنبہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا۔ (۱)

میر غلام حسنین قدر بلگرامی کو سہ شنبہ ۱۳ مارچ سنہ ۶۰ ع کو لکھا ہے :
اب جو خط بھیجی دلی کو بھیجی گا ، کہ میں اس مہینے میں اودھر کو جاؤنگا۔ رویت ماہ
صیام اغلب ہو کہ دلی ہی میں ہو۔ (۲)

ان خطوط سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب آخر شعبان
سنہ ۱۲۷۶ ھ مطابق آخر مارچ سنہ ۱۸۶۰ ع میں رامپور سے روانا ہو کر ۳۰
شعبان کو دلی پہنچے ، اور وہاں پہنچکر رمضان المقدس کا چاند دیکھا۔ لیکن
انگریزی و ہجری تاریخیں ابھی متعین نہیں ہوئی تھیں۔ انگریزی تاریخ کے بارے
میں منشی شیونرائن کو رامپور سے لکھتے ہیں :
اب میں شنبہ کی دن ۱۷ مارچ کو دلی روانا ہونگا۔ (۳)

یوسف مرزا صاحب کو ۹ رمضان مطابق ۲ ماہ اپریل کو ہجری تاریخ کے متعلق
تحریر کیا ہے :

میں ۲۳ شعبان کو رامپور سے چلا اور ۳۰ شعبان کو دلی پہنچا۔ اسی دن چاند ہوا۔ (۴)
میرزا صاحب نے اس خط میں رمضان کی نوین تاریخ کو اپریل کی دوسری تاریخ
کے مطابق لکھا ہے ، اور یہ بھی بتایا ہے کہ اوس سال رمضان کا چاند ۳۰ کا ہوا
تھا۔ اس حساب سے ۲۳ شعبان سنہ ۱۲۷۶ ھ ۱۷ مارچ سنہ ۱۸۶۰ ع کے مطابق ،
اور ۳۰ شعبان سنہ مذکورہ ۲۴ مارچ سنہ ۶۰ ع کے مطابق ہوگی۔ لہذا میرزا
صاحب کی رامپور سے روانگی کی تاریخ ۲۳ شعبان سنہ ۷۶ ھ مطابق ۱۷ مارچ
سنہ ۶۰ ع اور دلی میں ورود کی تاریخ ۳۰ شعبان سنہ ۷۶ ھ مطابق ۲۴ مارچ
سنہ ۶۰ ع قرار پاتی ہے ۔

کل مدت قیام

میرزا صاحب کے بعض خطوط میں رامپور کے قیام کی کل مدت کا بھی

(۲) ایضاً ، ص ۴۰۶ ، لاہور ایڈیشن

(۱) اردوی معلی ، ص ۱۶۱

(۴) ایضاً ، ص ۳۴۸

(۳) اردوی معلی ، ص ۳۸۰

ذکر آیا ہے۔ لیکن وہ تخمینی ہے۔ خواجہ غلام غوث خان بہادر یخبیر کو لکھتے ہیں:

«میں آخر جنوری میں رامپور گیا۔ چھ سات ہفتہ وہاں رہ کر دلی آیا۔» (۱)

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں:

«نواب یوسف علیخان بہادر... بلاؤ رہو تھو۔ اب میں گیا۔ تو مہینہ رہ کر چلا آیا۔» (۲)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر علاقائی کو تحریر فرماتے ہیں:

«سال گزشتہ بیڑی کو زاویہ زندان میں چھوڑ مع دونوں ہتکڑیوں کو بھاگا۔ میرٹھ، مراد آباد ہوتا ہوا رامپور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینہ وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔» (۳)

ان خطوط میں «چھ سات ہفتے، کچھ دن کم دو مہینے» اور «دو ماہ» تین مختلف بیان ملتے ہیں۔ ان میں سے «کچھ دن کم دو مہینے» صحیح ہے، اسلئے کہ میرزا صاحب ایک ماہ بیس یوم رامپور میں رہے تھے۔

رامپور میں عذیم الفرستی

قیام رامپور کے زمانہ میں میرزا صاحب اسقدر عذیم الفرست رہے، کہ اکثر احباب کے محبت ناموں کا ہر وقت جواب تک ندیسکے۔ ایک خط میں اسکی وجہ تحریر فرماتے ہیں:

«از بسکہ یہاں کو حضرات مہربانی فرماتی ہیں اور ہر وقت آؤ ہیں، فرصت مشاہدہ اوراق

نہیں ملی۔» (۴)

واپسی پر دلی میں چہ میگوئیان

میرزا صاحب نے دلی سے روانہ ہوتے وقت اپنا صحیح ارادہ سفر ظاہر نہیں کیا تھا۔ جب یہ رامپور سے واپس دلی پہنچے تو حساد نے اس اخفا کا انتقام لیا، اور شہر میں واپسی پر خوب خوب رای زنی کی گئی۔ میرزا صاحب کو اس رای زنی سے سخت ذہنی اذیت پہنچی، اور اونہوں نے شکایت آمیز لہجے میں مرزا تفتہ کو لکھا:

«میان میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں یہاں آگیا ہوں تو کیا کہوں کہ

(۲) ایضاً، ص ۵۴

(۱) اردوی معنی، ص ۲۸۳

(۴) اردوی معنی، ص ۷۳

(۳) ایضاً، ص ۴۰۰، وعود، ص ۷۰

یہاں کی لوگ میری حق میں کیا کیا کچھ کہتی ہیں۔ ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ یہ شخص والی رامپور کا استاد تھا، اور وہاں گیا تھا۔ اگر نواب نے کچھ سلوک نہ کیا ہوگا تو بھی پانچ چار ہزار روپیہ سے کم ندیا ہوگا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ نوکری کو گنتی تھی مگر نوکر ترکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ نواب نے نوکر رکھ لیا تھا۔ دو سو روپیہ مہینا کر دیا تھا۔ لفٹنٹ گورنر الہ آباد جو رامپور آئے، اور اونکو غالب کا وہاں ہونا معلوم ہوا، تو اونہوں نے نواب صاحب سے کہا کہ اگر ہماری خوشنودی چاہتی ہو تو اسکو جواب دو۔ نواب نے برطرف کر دیا۔ (۱)

یہ تو اربابِ دہلی کی آرا تھیں۔ لیکن انکی نقل کے بعد میرزا صاحب نے تفتہ کو اصل حقیقت بتائی ہے۔ فرماتے ہیں:

”یہ تو سب سن لیا۔ اب تم اصل حقیقت سنو۔ نواب یوسف علی خان بہادر تیس تیس برس کے میری دوست اور پانچ چھ برس سے میری شاگرد ہیں۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھیج دیا کرتے تھے۔ اب جولائی سنہ ۱۸۵۹ سے سو روپیہ مہینہ ماہ بماء بھیجتے ہیں۔ بلائی رہتی تھی۔ اب میں گیا۔ دو مہینے رہ کر چلا آیا۔ بشرط حیات بعد برسات کی پھر جاؤنگا۔ وہ سو روپیہ مہینہ، یہاں رہوں وہاں رہوں، خدا کی ہاں سے میرا مقرر ہے۔“ (۱)

نواب فردوس مکان کی علالت اور میرزا صاحب کا تردد

ماہ اکتوبر سنہ ۶۴ ع کے آخر یا نومبر کے آغاز میں نواب فردوس مکان عارضۂ سرطان میں مبتلا ہوئے۔ میرزا صاحب کو کسی ذریعہ سے اسکی اطلاع ملی، تو انہیں اپنے سخی داتا شاگرد کی علالت سے سخت تردد لاحق ہوا۔ چونکہ نواب صاحب مرزا صاحب کے پورے خاندان کے مربی تھے اسلئے میرزا صاحب کی بی بی اور حسین علیخان بھی پریشانی کا شکار ہونے سے نہ بچے۔ مگر اسوقت تک میرزا صاحب کو یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ سرکار کو مرض کیا لاحق ہوا ہے۔ اس امر کی تحقیق کیلئے انہوں نے ۸ نومبر سنہ ۶۴ ع کو اتھائی احتیاط کیساتھ تحریر کیا:

”جب سے حضرت کی ناسازی مزاج مبارک کا حال خارج سے مسموع ہوا ہے، عالم الغیب گواہ ہے، کہ مجھ پر اور میری بی بی پر اور میری فرزند حسین علیخان پر کیا گزر رہی ہے۔ ایکدن رات میری گھر میں روٹی نہیں پکی۔ سب نے فاقہ کیا۔ باری وہ خبر وحشت اثر غلط نکلی۔ حواس ٹھکاؤ ہوئی۔ بالکل اطمینان جب ہوگا، کہ آپ کو غسل صحت کی نوید سنونگا،

اور قطعہ تاریخ غسل صحت لکھکر بھیجوںگا۔ فی الحال اتنا چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب پاؤں اور حقیقت مرض سے آگہی حاصل ہو۔ (۱)

۱۲ نومبر کو سرکار کا نامہ مبارک میرزا صاحب کو موصول ہوا۔ غالباً اوسمین نوعیت و کیفیت مرض کا ذکر نہ تھا، جس سے کسیقدر اطمینان ہوا۔ لیکن ابھی تشویش رفع نہوئی تھی، اسلئے اسکے جواب میں ۱۳ نومبر کو میرزا صاحب نے پھر لکھا:

وابتدای یکم نومبر سے ۱۱ تک عرض نہیں کر سکتا کہ لیل و نہار مجھپر کیسی گزری ہیں۔ راہ دور۔ میں رنجور۔ معبدا یمقدور۔ اگر دلی سے رادپور تک شکریم کی ڈاک جاتی ہوتی، تو میں بیان ایک دم نہ ٹھرتا، اور خدمت میں حاضر ہوتا۔ تازہ برقی بھی نہیں جو صحت و عافیت کی خبر جلد حاصل ہو۔ ناچار از راہ اضطرار ۸ ماہ حال یعنی نومبر کو عریضہ روانہ کیا۔ خدا کی عنایت اور مرشدکامل یعنی حضرت کی ہدایت فی اوس خط کی جواب آنیکی مدت سے پہلی مجھو گرداب اضطراب سے نکالا۔ کل ۱۲ نومبر کو نوازشامہ آگیا۔ گویا میری جان بچ گئی۔ بلکہ ایک اور نئی جان میری بدن میں آگئی۔ اب استدعا یہ ہو کہ حال ناسازی مزاج اقدس مفصل معلوم ہو۔ (۲)

اس عریضہ کے جواب میں ۱۹ نومبر کو سرکار نے تحریر فرمایا کہ »پھوڑا نکل آیا تھا، لیکن اب بحمد اللہ افاقہ ہے«۔ میرزا صاحب اس خبر سے بیحد مسرور ہوئے، اور ۲۷ نومبر کو اسکے جواب میں لکھا:

دکس زبان سے کہوں، اور کس قلم سے لکھوں کہ یہ ہفتہ عشرہ کس تردد و تشویش سے بسر ہوا ہے۔ ہر روز شام تک جانب در نگران رہتا، کہ ڈاک کا ہرکارہ آئے، اور حضرت کا نوازشامہ لائی۔ باری خدا کی مہربانی ہوئی، از سر نو میری زندگانی ہوئی، کہ کل چار گھنٹی رات گئی ڈاک کے ہرکارہ نے وہ عطوفت نامہ عالی دیا، جسکو پڑھکر روح تازہ رگ و پی میں دوڑ گئی۔ نیند کیسی؟ سونا کسکا؟ روشنی کی سامنی بیٹھا، اور اشعار تہنیت لکھنے لگا۔ سات شعر مع مادہ حصول صحت جب لکھ لئی تب سویا۔ (۳)

غسل صحت کی تہنیت

سرکار کے خط سے صحت و افاقہ مرض کی اطلاع ملگئی، لیکن یہ معلوم نہوسکا کہ غسل صحت ہوچکا ہے یا نہیں۔ اور بصورت دیگر کونسی تاریخ اس تقریب سعید کیلئے مقرر ہوئی ہے۔ اس تحقیق کیلئے میرزا صاحب

(۱) مکاتیب، ص ۴۰ (۲) ایضاً، ص ۴۱ (۳) ایضاً، ص ۴۲۔ قطعہ تاریخ

غسل حاشیہ صفحہ مذکور پر درج ہو۔

نے منشی سیلچند میر منشی کو ۲۵ دسمبر کو لکھا:

، اگرچہ از روی خطوط حضور صحت و عافیت حضور معلوم ہوئی ہو . لیکن یہ کہیں میں
نہیں سنا کہ غسل صحت کیا ، یا کس دن کرینگے . آپ میں یہ فقیر کا سوال ہے ، کہ مجھ کو لکھیں
کہ حضرت غسل کس دن فرمائینگے . اور اگر موافق میری آرزو کے نہاچکے ہوں تو غسل کی تاریخ
میں اطلاع دیجو . (۱)

میر منشی صاحب نے جواباً لکھا کہ ابھی غسل صحت نہیں فرمایا ہے . غالباً
رمضان مبارک میں یہ تقریب عمل میں آئیگی . میرزا صاحب کو ۱۴ جنوری
سے قبل سرکار کا نامہ صحت ملچکا تھا . نیز وہ اس عرصہ میں قصیدہ تہنیت
بھی ارسال کرچکے تھے . اسلئے التواء تاریخ غسل پر ۱۹ جنوری سنہ ۱۸۶۵ ع
کو پھر میر منشی صاحب کو لکھا:

، یہ جو میں نے قصیدہ تہنیت لکھکر بھیجا ہے ، منشا اسکا یہ ہے کہ شاہ کبیر الدین صاحب
رامپور میں آئے ، اور اونھوں نے کہا کہ نوابصاحب جمعہ کے دن ساتویں تاریخ شعبان کو
نہائینگے . اب تمہاری تحریر میں معلوم ہوا ، کہ ماہ آئندہ یعنی (رمضان) میں نہائینگے . خیر
وہ کاغذ تو حضور کی نظر میں گزرےگا . اگر موقع پاؤ تو حضور میں یہ ماجرا عرض کردینا
کہ میں نے بموجب روایت شاہ کبیر الدین کے اسکو ارسال میں جلدی کی ہے . (۲)

غسل صحت کا جشن ماہ عید میں منایا جانا تجویز ہوا . لیکن ابھی مرض
قدرے باقی تھا ، اور رامپور سے جسقدر سرکاری تحریریں جاتی تھیں اون میں
مزاج کی کیفیت کا مذکور نہیں ہوتا تھا . اسلئے میرزا صاحب نے ۱۴ مارچ
سنہ ۶۵ ع کو میر منشی صاحب سے پھر استفسار کیا:

، منشی صاحب ! عجب اتفاق ہے کہ حضور اپنے خط میں اپنے مزاج مبارک کا حال کچھ نہیں لکھتے ،
اور میرا دھیان لگا ہوا ہے . خدا کی واسطی ! تم مفصل حال لکھو کہ کیا عارضہ باقی ہے ،
اور صورت کیا ہے . دربار بدستور ہوتا ہے . یا نہیں ؟ (۳)

میر منشی صاحب کا جواب مثل میں موجود نہیں . اسلئے نہیں کہا جاسکتا کہ
اونھوں نے مرض کے متعلق کیا لکھا . لیکن ۲۳ شوال سنہ ۱۲۸۱ ھ مطابق ۲۲
مارچ سنہ ۱۸۶۵ ع کو میرزا صاحب نے اپنا فارسی تہنیت نامہ ارسال کیا ہے ،

(۱) مکاتیب ، ص ۱۱۲ (۲) ایضاً ، ص ۱۱۳ . قصیدہ تہنیت ص ۴۶ کی حاشیہ میں مندرج ہے .

(۳) ایضاً ، ص ۱۱۴

جو صفحہ ۴۴ تا ۴۷ پر درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ مذکورہ تک میرزا صاحب کو صحت کی اطلاع تھی۔

عود مرض اور وفات

لیکن مادہ مرض کا بالکلہ استیصال نہیں ہوا تھا۔ کسی معمولی بے احتیاطی نے مادہ کو دوبارہ چھیڑ دیا، اور سرکار پر از سر نو مرض کا حملہ ہو گیا۔ یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ اطبا مجبور ہو گئے، اور حالت روز بروز خراب ہوتی چلی گئی، تا آنکہ یوم جمعہ ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ع کو نواب فردوس مکان رہگرای عالم بقا ہوئے، اور میرزا صاحب کے ہاں قیامتِ صغریٰ کا منظر نظر آنے لگا۔

خلد آشیان کی تخت نشینی اور میرزا صاحب کا وظیفہ

نواب فردوس مکان طاب ثراہ کے بعد نواب خلد آشیان نے مسندِ آبائی پر قدم رنجہ فرمایا۔ میرزا صاحب کا تعلق نواب فردوس مکان کی ذات سے تھا، اسلئے دورِ جدید میں اسکے ختم ہو جانیکا خطرہ تھا۔ اس خطرہ کا میرزا صاحب کو احساس ہوا اور اونہوں نے فوراً تہنیت نامہ لکھا۔ سوء اتفاق سے یہ مکتوب مثل میں موجود نہیں۔ لیکن نواب خلد آشیان نے یکم مئی سنہ ۱۲۶۵ع کو اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

« مشفقاً! آنچه مشاہدہ آن کر مفرما از عہد نواب صاحب و قبلہ فردوس مکان مقرر است انشاء اللہ

تعالیٰ بدستور جاری ماندہ، حسب ضابطہ بسای خدمت رسیدہ خواہد ماند۔ » (۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے تہنیت کیساتھ اپنے وظیفہ کے متعلق بھی کوئی درخواست کی تھی۔ یہ خواہش معرضِ قبول تک پہنچی، اور وظیفہ بدستور جاری رہا۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے ۳۰ جولائی کو میان داد خان سیاح کو لکھا ہے کہ

« اپریل کا روپیہ رئیس حال سے میں نے پایا۔ » (۲)

لیکن اس مکتوب سے ۲۴ روز قبل خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو
قدرے تفصیلاً تحریر فرمایا تھا :

• والی رامپور کو خدا سلامت رکھی . اپریل مئی ان دونوں مہینوں کا رویہ موافق دستور قدیم
آیا . جون ماہ گزشتہ کا رویہ خدا چاہی تو آجائی . آج جمعہ ۷ جولائی می . معمول یہ می
کہ دسویں بارہویں کو رئیس کا خط مع ہڈوی آیا کرتا می . (۱)

تہنیت نامہ کا امید افزا جواب پا کر میرزا صاحب نے قصیدہ تہنیت ارسال کیا .
یہ قصیدہ بھی مثل میں موجود نہیں . لیکن میں نے عودِ ہندی سے عریضہ نمبر ۴۴
کے حاشیہ میں نقل کر دیا ہے . اس قصیدہ کی پزیرائی موافقِ امید ہوئی ، تو
میرزا صاحب کو بڑھاپے کی تمام مجبوریوں کے باوجود سفرِ رامپور کیلئے
آمادہ ہونا پڑا .

نواب خلد آشیان کا دعوتنامہ

میرزا صاحب نے اپنے ارادہ سفر کی اطلاع میرزا داغ کو دی .
اونہوں نے کسی مناسب موقع پر سرکار کے حضور میں ذکر کیا . سرکار نے ۱۱
جون سنہ ۶۵ ع کو قصیدہ کی وصولیابی کے تذکار کے بعد تحریر فرمایا :

• دریولا زبانی نواب مرزا عزم سامی باین طرف مسموع گشتہ موجب کمال مسرتہاست . چراکہ
راقم نیز متنی ملاقات شریف است . او تعالیٰ شب یلدای فراق را بزودی ہرجہ تمامتر بایام
وصال مبدل گرداند . (۲)

اس دعوت کے بعد میرزا صاحب نے تقریباً چار ماہ توقف کیا . غالباً اسکی
وجہ یہ ہوگی کہ سرکار نے جشنِ تخت نشینی کیلئے دسمبر کا پہلا ہفتہ مقرر
فرمایا تھا . میرزا صاحب نے اسی زمانے کو سفر کیلئے زیادہ مناسب خیال کیا .
لیکن سرکار کے جواب میں یہ لکھا ، کہ

• حضرت کی خدمت میں نہ آؤنگا تو اور کہاں جاؤنگا . وہ آگک برسر ہی می کہ طسپور ک پر
جل رہی ہیں . بعد آگک کی پانی برسیگا . سفر خصوصاً بوڈھی رنجور آدمی کو دونوں صورت
میں متعذر . آفتاب میزان میں آیا ، اور ہنگامہ آتش و آب رفع ہوا ، اور میں فی احرام بیت
المعمور رامپور باندھا . انشاء اللہ العلی العظیم . (۳)

» ہنگامہ آتش و آب « کے ختم ہو جانیکے انتظار میں میرزا صاحب کو تقریباً چار ماہ توقف کرنا پڑا، اور ماہ اکتوبر سنہ ۶۵ ع میں » احرام بیت المعمور رامپور « باندھنے کی نوبت آئی۔

سفر کی غرض

میرزا صاحب کے اس سفر کی غرض و غایت نواب فردوس مکان (طاب ثراہ) کے انتقال کی تعزیت اور نواب خلدہ آشیان کی مسند نشینی کی تہنیت تھی۔ مولوی عبد الرزاق شا کر کو سفر کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے:

» قبلہ و کعبہ! فقیر پا در رکاب ہو۔ سہ شنبہ چار شنبہ ان دونوں دنوں میں سی ایک دن عازم رامپور ہوئیگا۔ تقریب وہاں جاکر رئیس مرحوم کی تعزیت اور رئیس حال کی تہنیت۔ دو چار مہینے وہاں رہنا ہوگا۔ « (۱)

قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو رامپور سے تحریر فرمایا تھا:

» پیر و مرشد! نواب صاحب کا وظیفہ خوار، گویا اس در کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کیواسطہ رامپور آیا۔ « (۲)

لیکن اس تعزیت و تہنیت کی تہ میں جو غرض پنہان تھی اوسکا اظہار مرزا تفتہ کے خط میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

» میں نثر کی داد اور نظم کا صلہ مانگتا نہیں آیا۔ بھیک مانگتی آیا ہوں۔ « (۳)

تاریخ روانگی

ابتداءً میرزا صاحب کا ارادہ تھا کہ سہ شنبہ یا چار شنبہ ان دونوں دنوں میں سے ایک دن رامپور روانا ہوں گے۔ چنانچہ شا کر کو یہی لکھا بھی تھا۔ لیکن نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو یکم اکتوبر سنہ ۶۵ ع کو لکھا:

» میان! تم جانتی ہو کہ میں عازم رامپور تھا۔ اسباب مساعد ہو گئے۔ بشرط حیات جمعہ کو روانا ہوئیگا۔ « (۴)

مگر مرزا شہاب الدین خان بہادر کے نام کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ کے دن دو تین گھڑی دن چڑھے دلی سے روانہ ہوئے۔ فرماتے ہیں:

(۱) اردوی معلی، ص ۲۱۶، وعود، ص ۱۶۰۔ موخر الذکر میں » عازم رامپور ہوئیگا « ہے۔
(۲) ایضاً، ص ۲۰۸، و ایضاً، ص ۱۶۹ (۳) اردوی معلی، ص ۹۸ (۴) ایضاً، ص ۳۹۵

» مفتی کی دن دو تین گھنٹی دن چڑھی احباب کو رخصت کر کے راہی ہوا۔ قصد یہ تھا کہ پلکنوڑ

رہوں۔ وہاں قافلہ کی گنجائش نپاتی ۰۰ (۱)

حکیم غلام نجف خان کو مراد آباد پہنچکر جو خط لکھا ہے، اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتے کو ماہ اکتوبر کی ۷ تاریخ تھی۔ فرماتے ہیں:

» بدھ کا دن پھر بھر دن چڑھا ہوگا کہ میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔ ۱۰ جمادی الاول

کی اور ۱۱ اکتوبر کی ہی ۰۰ (۲)

حکیم احمد حسن مودودی کو صراحت سے لکھا ہے، کہ

» ہفتم اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانہ ہوا ۰۰ (۳)

رفقائ سفر اور سواری

اس سفر میں میرزا صاحب کے ساتھ باقر علیخان، حسین علیخان، کلو، نیاز علی اور دو آدمی اور کل ۶ نفوس تھے۔ میرزا صاحب نے پالکی میں اور دونوں لڑکوں نے کبھی رتھ اور کبھی گھوڑوں پر راستہ طے کیا۔ بقیہ چار آدمیوں اور سامانِ سرمائی کے لئے دو گاڑیان ہمراہ تھیں۔ حکیم غلام نجف خان کو محولہ بالا خط میں لکھا ہے:

» میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا ... دونوں لڑکے دونوں گاڑیان اور رتھ اور آدمی سب پیچھے

ہیں ۰۰

مرزا شہاب الدین خان بہادر کے خط میں لکھا ہے:

» دونوں گھوڑی کو تل آگے، دونوں لڑکے رتھ میں سوار آتی ہیں ۰۰

آدمیوں کے بارے میں رامپور سے روانگی کے وقت مرزا علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے:

» آج صبح کے سات بجے باقر علیخان اور حسین علی ... دلی کو روانہ ہوئے۔ دو آدمی میری

اونکو ساتھ گئے۔ کلو اور لڑکا نیاز علی یعنی ڈیڑھ آدمی میری پاس ہیں ۰۰ (۴)

کیفیت و مناظر سفر

میرزا صاحب نے دلی سے رامپور تک ۶ منزلیں طے کی تھیں۔ حکیم احمد

حسن مودودی کو تحریر فرمایا ہے:

» رامپور کی سرکار کا فقیر تکیہ دار روزینہ خواہوں۔ رئیس حال نے مسند نشینی کا جشن کیا۔

دعا گوئی دولت کو در دولت پر جانا واجب ہوا۔ ہفتم اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل ستہ وہاں پہنچا۔ (۱)

مرزا شہاب الدین خان بہادر کو ان منازل کی تفصیل بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

» غازی آباد کا حال شمشاد علی سے سنا ہوگا۔ ہفتی کی دن دو تین گھنٹی دن چڑھ احباب کو رخصت کر کے راہی ہوا۔ قصد یہ تھا کہ پلکنوی رہوں۔ وہاں قافلہ کی گنجائش نہ پائی۔ ہاپوڑ کو روانہ ہوا۔ دونوں بر خوردار گھوڑوں پر سوار پہلی چل دی۔ چار گھنٹی دن رہی مین ہاپوڑ کی سرای مین پہنچا۔ دونوں بھائیوں کو دیکھو ہوئے اور گھوڑوں کو ٹہلتے ہوئے پایا۔ گھنٹی بھر دن رہی قافلہ آیا۔ ... آج مین نے تمہاری والد کی نصیحت پر عمل کیا۔ چار بجے پانچ کی عمل مین ہاپوڑ سے چل دیا۔ سورج نکلے بابو گڈہ کی سرای مین آ پہنچا۔ چار پائی بیچائی۔ اوسپر بیچھونا بیچھا کر حقہ پی رہا ہوں، اور یہ خط لکھ رہا ہوں۔ دونوں گھوڑی کو تل آگے دونوں لڑکی رتھ مین سوار آتے ہیں۔ اب وہ آتی اور کھانا کھالیا اور چلی۔ (۲)

حکیم غلام نجف خان کو ہاپوڑ سے مراد آباد پہنچ کر لکھا ہے :

» بدھ کا دن پھر بھر دن چڑھا ہوگا کہ مین فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔ ۱۰ جمادی الاول کی اور ۱۱ اکتوبر کی ہو۔ دونوں لڑکی دونوں گاڑیاں اور رتھ اور آدمی سب پیچھے ہیں۔ اب آتے جاتی ہیں۔ رات بخیر گزری۔ بشرط حیات کل رامپور پہنچ جائینگے۔ گھرایا ہوا ہوں۔ تیسرا دن ہی پاخانہ پھری کو۔ (۳)

مناظر سفر کے متعلق حکیم غلام رضا خان کو تحریر کرتے ہیں :

» تم سے رخصت ہو کر اور تمہیں خدا کو سوئے کر روانہ رامپور ہوا۔ موسم اچھا تھا۔ گرمی گزر گئی تھی۔ جاڑا ابھی چمکا نہ تھا۔ عالم اعتدال آب و ہوا۔ سایہ و سرچشمہ جا بجا۔ آرام سے رامپور پہنچا۔ (۴)

توشہ راہ

ہاپوڑ کی سرای مین میرزا صاحب نے اپنے واسطے چھٹانک بھر گھی مین دو شامی کباب تلوائے۔ لڑکوں نے ارھر کی کھچڑی تیار کرائی، اور خوب گھی ڈال کر خود بھی کھائی، اور آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دوسرے دن کیلئے سادہ سالن بغیر ترکاری کا پکوا یا۔

منزل پر پہنچ کر حسین علیخان پاٹو اور مٹھائی کے کھلونے خرید لاتے

(۱) اردو معنی، ص ۲۴۳ (۲) ایضاً، ص ۲۹۲ (۳) ایضاً، ص ۲۳۳ (۴) ایضاً، ص ۵۵۲

اور باقر علیخان کے ساتھ بیٹھکر کھا لیتے۔ مرزا شہاب الدین خان بہادر کے خط میں مرزا صاحب نے لکھا ہے:

• میں نے چھٹانک بھر گھی داغ کیا۔ دو شامی کباب اوس میں ڈال دیے۔ رات ہو گئی تھی۔ شراب پی لی۔ کباب کھاؤں۔ لڑکوں نے ارہر کی کھچڑی پکوائی۔ خوب گھی ڈالکر آپ بھی کھائی، اور سب آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دن کیواسطی سادہ سالن پکویا۔ ترکاری نہ ڈالوائی۔ باری آجکے دونوں بھائیوں میں موافقت ہوئی۔ آپس کی صلاح و مشورت سے کام کرتے ہیں۔ اتنی بات زائد ہو کہ حسین علی منزل پر اوتر کر پاؤں اور مٹھائی کے کھلوں خرید لاتا ہوں۔ دونوں بھائی ملکر کھا لیتے ہیں۔ (۱)

ناسازی طبیعت

راستہ کی تکان اور اوقاتِ غذا میں اختلال ہو جانے کے باعث میرزا صاحب کو قبض کی شکایت ہو گئی تھی۔ حکیم غلام نجف خان صاحب کو مراد آباد سے تحریر کیا ہے:

• بدھ کا دن پھر پھر دن چڑھا ہوگا کہ میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا ... رات بخیر گزری۔ بشرط حیات کل رامپور پہنچ جائینگے۔ گھبراہوا ہوں، تیسرا دن ہی پاخانہ پھری کو۔ (۲)

تاریخ ورود رامپور

آخر کار چھ منزلیں طے کر کے میرزا صاحب جمعرات کے دن ۱۲ اکتوبر سنہ ۶۵ ع کو رامپور تشریف لائے۔ قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو رامپور سے تحریر فرمایا ہے:

۱۲ اکتوبر کو یہاں پہنچا۔ بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤنگا۔ (۳)

حکیم غلام نجف خان کے محولہ بالا خط میں بھی، جو ۱۱ اکتوبر کو مراد آباد سے لکھا تھا، یہی تحریر کیا ہے کہ کل یعنی بارہ اکتوبر کو رامپور پہنچ جاؤنگا۔ حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی کے نام کے خط سے بھی یہی تاریخ مستنبط ہے۔ فرماتے ہیں:

• ہفتم اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل ستہ وہاں پہنچا۔ (۴)

(۲) ایضاً، ص ۲۳۳

(۱) اردو معلیٰ، ص ۲۹۲

(۴) اردو معلیٰ، ص ۲۴۳

(۳) ایضاً، ص ۲۰۸، وعود، ص ۱۶۹

نواب خلد آشیان کی تواضع

نواب خلد آشیان نے میرزا صاحب کی بیحد تواضع اور مدارات کی قیام کیلئے جرنیلی کی کوٹھی عطا ہوئی^(۱)، اور باور چرخانہ سرکاری سے دونوں وقت کھانا مقرر ہوا۔ حکیم غلام نجف خان نے اپنے خط میں کھانے کے متعلق تشویش کا اظہار کیا تھا۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے اونہیں لکھا ہے :

• صبح شنبہ ۲۱ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ ع۔ اقبالنشان عند الدولہ حکیم غلام نجف خان کو غالب علیشاہ کی دعا پہنچی۔ تمہاری خط سے معلوم ہوا کہ تمکو میری کھاؤ پیو کی طرف سے تشویش ہو۔ خدا کی قسم! میں یہاں خوش اور تندرست ہوں۔ دن کا کھانا ایسی وقت آتا ہے کہ پھر دن چڑھ کر میری آدی بھی روٹی کھا چکے ہیں۔ شام کا کھانا بھی سویری آتا ہے۔ کئی طرح کے سالن، پلاؤ، منتجن، پستدی، دونوں وقت روٹیاں خمیری، چپاتیاں، مربی، آچار۔ میں بھی خوش لڑکی بھی خوش۔ کلو اچھا ہو گیا ہے۔ سقا، مشعلچی، خاکروب سرکار سے متعین ہو۔ حجام اور دہوی نوکر رکھے لیا ہے۔ (۲)

۲۴ اکتوبر کو میرزا صاحب نے پھر حکیم صاحب کو خط لکھا۔ اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصہ میں سرکار نے کھانے اور جانوروں کے گھاس دانے کی نقدی مقرر فرما دی تھی۔ فرماتے ہیں :

• آج منگل کا دن ۴ جمادی الثانی کی اور ۲۴ اکتوبر کی ہے۔ کھاؤ کی اور گھوڑوں اور بیلوں کو گھاس دانوں کی نقدی ہو گئی۔ لیکن اس میں میرا فائدہ ہے، نقصان نہیں۔ (۳)

تعظیم و توقیر اور اخلاص

نواب خلد آشیان قدردانیِ علم و ہنر میں اپنے والدِ مرحوم کے سچے جانشین تھے۔ اونہوں نے میرزا صاحب کی تعظیم و توقیر اور خاطر و مدارات کا بیحد لحاظ کیا۔ میرزا صاحب ۲۱ اکتوبر کو حکیم صاحب کو لکھتے ہیں :

• آجک دو ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ تعظیم، تواضع، اخلاق، کسی بات میں کمی نہیں۔ (۲)

سرکار کا التفات روز بروز زیادہ ہونے لگا تو میرزا صاحب نے ۲۴ ماہ مذکور کو پھر حکیم صاحب کو تحریر کیا :

(۱) یہ عمارت قلعہ معلیٰ کو مشرق دروازہ کی باہر واقع تھی۔ نواب سید محمد حامد علیخان بہادر جنت مکان نے قلعہ معلیٰ کی قدیم عمارتیں متہدم کرا کر نئی عمارات تعمیر کرائی۔ وقت بعد ترمیم مناسب قلعہ کی اندر داخل کر لیا ہے۔ آجکل یہ عمارت مہمان خانہ کا کام دیتی ہے۔

(۲) ایضاً، ص ۲۲۲

(۳) اردو معلیٰ، ص ۲۱۹ و ۲۲۰

اب روداد سنو . نوابصاحب کا اخلاص و التفات روز افزون ہی . (۱) ۰۰

اوس بات کی کچھ اصل نہیں

رامپور کے سفر سے قبل میرزا صاحب نے کوئی ایسی بات سنی تھی ، جو انکے تعلق ریاست کیلئے خطرناک تھی . یہاں آکر نوابصاحب کے التفات و اخلاص نے اوسکی تغلیط کردی . میرزا صاحب اپنی بیوی سے اس خطرہ کا ذکر کرچکے تھے . اسلئے اونکی پریشانی رفع کرنے کے خیال سے حکیم صاحب کے خط کے آخر میں اونکے صاحبزادہ کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کیا ہے :

ظہیرالدین خان بہادر کو دعا پہنچو . یہ خط لیکر تم اپنی دادی صاحب پاس جاؤ . اور یہ

خط پڑھکر سناؤ . اور اونسے یہ کہدو کہ وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی وہ غلط ہی .

اوسکی کچھ اصل نہیں ہی . (۲) ۰۰

نواب خلد آشیانہ کے متعلق میرزا صاحب کی رائے

میرزا صاحب سرکار کے حسن صورت و سیرت کے اسقدر گرویدہ ہوئے کہ اونہیں بعض شیوہ و روش میں نواب فردوس مکان پر ترجیح دینے لگے . اس زمانہ میں سرکار نے بعض عمالان ریاست کو سرکاری مطالبات اور عام رعایا کو غلہ کا محصول معاف کر دیا تھا . ان تمام واقعات نے مرزا صاحب کے دل پر اچھا نقش کیا . چنانچہ حکیم غلام رضا خان کے خط میں انکا اسطرح ذکر کیا ہے :

نوابصاحب حال بمقتضای الولد سر لایہ ، حسن اخلاق میں نواب فردوس آرامگاہ کی برابر

بلکہ بعض شیوہ و روش میں اون سے بہتر ہیں . بمجرد مسند نشینی کے غلہ کا محصول یکملم معاف کیا .

علی بخش خان خانسامان کو ۳۰ ہزار روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخش دیا . مفصل حالات بذل

و نوال عند الملاقات زبانی کہونگا . (۳) ۰۰

مرزا تقیہ کو لکھتے ہیں :

نوابصاحب از روی صورت روح مجسم ، اور باعتبار اخلاق آیت رحمت ہیں . خزائن فیض

کی تحویلدار ہیں . جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا لایا ہو ، اوسکی پٹنی میں دیر نہیں

لگتی . ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلہ کا محصول معاف کر دیا . ایک اہل کار پر ساٹھ

ہزار کا محاسبہ معاف کیا ، اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا . منشی نولکشور صاحب کی عرضی

(۱) اردوی معلی ، ص ۲۲۳ (۲) ایضاً ، ص ۲۱۹ و ۲۲۰ (۳) ایضاً ، ص ۴۵۲

پیش ہوئی۔ خلاصہ عرضی کا سنلیا۔ واسطی منشی صاحب کی کچھ عطیہ بقرب شادی صبیہ تجویز ہو رہا ہو۔ مقدار بچہ نہیں کھلی۔ (۱)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کے خط میں نواب صاحب کی تصویر کھینچتے ہیں :

» رئیس کی تصویر کھینچتا ہوں۔ قد، رنگ، شکل، شمائل بعینہ بھائی ضیاء الدین خان۔ عمر کا فرق اور کچھ کچھ چہرہ اور لحیہ متفاوت۔ حلیم، خلیق، باذل، کریم، متواضع، متشرع، متورع، شعر فہم۔ سینکڑوں شعر یاد۔ نظم کی طرف توجہ نہیں۔ نثر لکھتی ہیں اور خوب لکھتی ہیں۔ جلالائی طباطبائی کی طرز برتو ہیں۔ شگفتہ جبین ایسی کہ اونکو دیکھتے ہو غم کوسوں بھاگ جاؤ۔ نصیح بیان ایسی کہ اونکی تقریر سکر ایک اور ترقی روح قالب میں آؤ۔ اللہم دام اقبالہ و زاد اجلالہ ! « (۲)

نواب صاحب کی دورہ کو روانگی اور میرزا صاحب کا لطیفہ

نواب خلد آشیان نے ۳ نومبر سنہ ۶۵ ع کو اضلاع ریاست کے معاینہ کیلئے تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا۔ مشایعت کیلئے میرزا صاحب بھی ساتھ تھے۔ سرکار پا برکاب ہوئے تو حاضرین نے آداب و کورنش ادا کی۔ سرکار نے میرزا صاحب کے آداب پر تبسم کیساتھ ارشاد فرمایا۔ » خدا کے سپرد «۔ میرزا صاحب کی شوخی طبع نے گدگدایا، اور آپ قدرے حزن صورت بنا کر بولے : » حضرت خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا ہے۔ آپ پھر اولٹا مجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں «۔ (۳)

جشن جمشیدی

دسمبر کا پہلا ہفتہ جشنِ تخت نشینی کیلئے مقرر ہوا تھا، اور اس تقریب کیلئے اسدرجہ شاندار تیاریاں ہوئی تھیں کہ میرزا صاحب نے اسکو » جشنِ جمشیدی « سے تعبیر کیا ہے۔ حکیم غلام نجف خان کو لکھتے ہیں :

» نواب صاحب دوری سے یا آج شام کو یا کل آجائیں گے۔ جشن جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں «۔ (۴)

۲۵ اکتوبر کو تاریخِ جشن کے متعلق لکھتے ہیں :

» دسمبر کی پہلی سے جشن شروع ہوگا۔ ہفتہ دو ہفتہ کی مدت اوسکی ہو۔ بعد جشن ک

رخصت ہونگا۔ خدا چاہی تو آخر دسمبر تک تمکو آدیکھتا ہوں «۔ (۵)

(۱) اردوی معنی، ص ۹۸ و ۹۹ (۲) ایضاً، ص ۴۴۱ (۳) یادگار غالب، ص ۴۲

(۴) اردوی معنی، ص ۲۳۱ (۵) ایضاً، ص ۲۲۴

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے :

« جشن یکم دسمبر سی شروع . ۵ دسمبر کو خلعت کا آنا مسموع ۰۰ (۱) »

۶ دسمبر سنہ ۶۵ ع کو نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی کو جشن

جمشیدی کی روداد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

« یہاں جشن کے وہ سامان ہو رہی ہیں کہ اگر جمشید دیکھتا تو حیران رہ جاتا . شہر سی دو کوس پر آغا پور نامی ایک بستی ہے . آٹھ دس دن سی وہاں خیام برپا تھی . پرسون صاحب کشتی بہادر برلی مع چند صاحبوں اور میمون کے آؤ ، اور خیموں میں اوتری . کچھ کم سو صاحب اور میم جمع ہوئے . سب سرکار رامپور کے مہمان . کل سہ شنبہ ۵ دسمبر حضور پر نور بڑی تجمل سی آغا پور تشریف لگئے . بارہ پر دو بج گئے ، اور شام کو بانج بجی خلعت پہنکر آؤ . وزیر علیخان خانساں خاصہ میں سی رویہ پھینکا ہوا آتا تھا . دو کوس کے عرصہ میں دو ہزار رویہ سی کم نہ ایثار ہوا ہوگا . آج صاحبان عالیشان کی دعوت ہے . « نین » شام کا کھانا یہیں کھائینگے . روشنی ، آتشبازی کی وہ افراط کہ رات دن کا سامنا کر بیگی . طوائف کا وہ هجوم ، حکام کا وہ مجمع ، کہ اس مجلس کو طوائف الملوك کہا چاہیے . کوئی کہتا ہے کہ صاحب کشتی بہادر مع صاحبان عالیشان کے کل جائینگے . کوئی کہتا ہے پرسون . ۰۰ (۲) »

عزم مراجعت

ابتداءً میرزا صاحب کا یہ ارادہ تھا کہ دو چار مہینے رامپور میں قیام کریں گے . چنانچہ شاہ کر کو تاریخ روانگی رامپور کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر کیا تھا :

« دو چار مہینے وہاں رہنا ہوگا . اب جو کوئی خط آپ بھیجیں تو رامپور بھیجیں . ۰۰ (۳) »

لیکن رامپور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ اختتام جشن کے بعد رخصت طلب کریں ، اور آخر دسمبر تک دلی جا پہنچیں . حکیم غلام نجف خان کو ۲۴ اکتوبر کو لکھا ہے :

« دسمبر کی پہلی سی جشن شروع ہوگا . ہفتہ دو ہفتہ کی مدت اوسکی ہے . بعد جشن کو رخصت

ہوگا . خدا چاہی تو آخر دسمبر تک تمکو آدیکھتا ہوں . ۰۰ (۴) »

میرزا علائی کو ۶ دسمبر کو تحریر کیا ہے :

(۲) ایضاً ، ص ۴۱

(۱) اردو معلی ، ص ۹۹

(۴) اردو معلی ، ص ۲۲۴

(۳) ایضاً ، ص ۲۱۶ ، و عود ، ص ۱۶۰

• بعد اختتام محافل طالب رخصت ہونگا . بعد حصول رخصت دلی جاؤنگا . (۱)
اسی طرح قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو بریلی کی دعوتِ قدوم کے جواب
میں لکھا ہے :

• پیر و مرشد ! نواب صاحب کا وظیفہ خوار گویا اس در کا فقیر تکیہ دار ہوں . مسند نشینی
کی تہنیت کیواسطی رامپور آیا . میں کہان اور بریلی کہان . ۱۲ اکتوبر کو یہاں پہنچا . بشرط
حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤنگا . (۲)

لڑکوں کی روانگی

باقر علیخان اور حسین علیخان اب نوجوان تھے ، اور اب انہیں تنہا
بھیجدینے میں اوس قسم کے خطرات پیدا نہیں ہوتے تھے ، جنکے خوف سے
سنہ ۶۰ ع کے سفر میں میرزا صاحب نے فردوس مکان کے اصرار کے باوجود
رامپور قیام نہیں کیا تھا ، اور بچوں کی ضد پر راہی دہلی ہو گئے تھے . لہذا
میرزا صاحب نے دونوں کو سرکار سے مراجعت کی اجازت دلا کر جمعہ کے
دن ۲۲ دسمبر کو دو آدمیوں کیساتھ دلی روانہ کر دیا . سرکار نے وقتِ
رخصت ایک ایک دو سالہ مرحمت کیا . نواب علاء الدین احمد خان بہادر
علائی کو اسکے متعلق میرزا صاحب نے لکھا ہے :

• آج صبح کو سات بجے باقر علیخان اور حسین علی ، ۱۴ مرغ ، ۶ بڑی اور آٹھ چھوٹی ، (۱) کو
دلی کو روانہ ہوئی . دو آدمی میری اونکو ساتھ گئے . کلو اور لڑکا نیاز علی یعنی ڈیڑھ آدمی
میری پاس ہیں . نواب صاحب تو وقت رخصت ایک ایک دو سالہ مرحمت کیا . (۳)

میرزا صاحب کی تاریخِ روانگی

اسی خط کے آخر میں میرزا صاحب نے لکھا ہے :

• میری چلو کا حال یہ ہو کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی ہفتہ میں چلوں گا .

۲۶ دسمبر کو پھر تحریر فرماتے ہیں :

• جانا ! جانا ! ایک خط میرا تمہاری دو خطوں کے جواب میں تھکوپہنچا ہوگا
آج منگل ۷ شعبان کی اور ۲۶ دسمبر کی . دونوں بھیجی تمہاری جمعہ کے دن ۲۲
دسمبر کو روانہ دہلی ہوئی . میں پرسوں یوم الخیس کو مرحلہ پیا ہونگا . (۴)

(۲) ایضاً ، ص ۲۰۸ و عود ، ص ۱۶۹

(۴) ایضاً ، ص ۳۹۶

(۱) اردوی معلیٰ . ص ۴۴۲

(۳) اردوی معلیٰ ، ص ۳۹۴

ن — مکاتیب غالب

اس حساب سے میرزا صاحب جمعرات کے دن ۲۸ دسمبر سنہ ۶۵ ع کو رامپور سے رخصت ہوئے۔

احباب رامپور سے آخری ملاقات

سرکار سے رخصت حاصل کر کے میرزا صاحب قیامگاہ پر تشریف لائے۔ یہاں رامپور کے بعض احباب الوداع کہنے کیلئے پہلے سے جمع تھے۔ صاحبزادہ سید نجابت علیخان بہادر نے، جو اپنے والد صاحبزادہ سید ہدایت علیخان بہادر کے ساتھ میرزا صاحب سے آخری ملاقات کیلئے گئے تھے، ایکروز میرزا غالب کے تذکرہ میں حقیر عرشی سے بیان کیا، کہ جب میرزا صاحب سرکار میں سے واپس آئے، تو میں اپنے والد کے ہمراہ اونکے قیامگاہ پر موجود تھا۔ میرزا صاحب نے احباب کیطرف مخاطب ہو کر فرمایا:

» بھئی! ہم نے ابھی یہ شعر کہا ہے :

اب ہے دلی کیطرف کوچ ہمارا غالب * آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے« (۱)

رخصتہ کی رقم

میرزا صاحب نے ۲۸ نومبر کو رامپور سے تفتہ کو لکھا تھا :

» میں ترکی ذات اور نظم کا صلہ مانگو نہیں آیا، بھیک مانگو آیا ہوں۔ روٹی اپنی گرہ سے نہیں کھاتا، سرکار سے ملتی ہو۔ وقت رخصت میری قسمت اور منعم کی ہمت « (۲)

نواب خلد آشیان تاریخ تحریر خط سے ۲۱ روز قبل ۷ نومبر سنہ ۶۵ ع کو ایک ہزار روپیہ عطا فرما چکے تھے۔ تاہم ۲۶ دسمبر سنہ ۶۵ ع کو

(۱) مولانا نظامی بدایونی نے شرح دیوان غالب اردو (مطبوعہ نظامی پریس بدایون سنہ ۱۹۲۲ ع) کے صفحہ ۲۵۴ پر یہ مقطع اور ایک شعر نقل کر کے حاشیہ میں لکھا ہے: » حضرت نواب سے نواب یوسف علیخان ناظم والی رامپور کی طرف اشارہ ہو۔ یہ اوس غزل کے شعر ہیں جو رامپور سے رخصت ہوئے وقت لکھی تھیں۔ چونکہ دیوان اوسوقت مرتب ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ اسلئے دیوان میں شامل نہیں ہوئے «۔ اس بیان میں مولانا سے تسامح ہوا ہو۔ کیونکہ ایک عینی شاہد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہاں نواب خلد آشیان محمد کلب علیخان بہادر مراد ہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ پہلے سفر میں میرزا صاحب رامپور سے دیوان اردو کی نقل لی گئی تھی، جس سے دیوان طبع ہوا، اسلئے نواب فردوس مکان کے بجائے نواب خلد آشیان کے عہد کی غزل کا اوس میں شامل نہ ہونا قرین قیاس اور مطابق واقعہ ہو سکتا ہو۔

(۲) اردو می، ص ۹۸

۲۰۰ روپیہ بوجہ زادِ راہ مرحمت فرما کر میرزا صاحب کی اس آرزو کی بھی تکمیل کر دی۔

نواب ضیاء الدین خان بہادر کی فرمائش

نواب ضیاء الدین خان بہادر نیر نے میرزا صاحب سے فرمائش کی تھی کہ رامپور سے بانس کی غلیل لائیں۔ میرزا صاحب نے فرمائش پوری کی۔ لیکن غلیل پر جو کچھ بیٹی وہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ علائی کے نام رامپور سے ۲۶ دسمبر کو لکھا ہے :

» توکان گروہہ کہا کر۔ فارسی بھگارا کر۔ بھسی ہندی کی چندی سن۔ ایک غلیل حضور
 فی دینی کی ہو۔ ایک علی اصغر خان سی میٹھی۔ دونوں کل آئینگی « (۱)

لیکن سوء اتفاق سے فرمائش کی تکمیل میں سعی کے بعض مدارج رہ گئے، اور غلیل پر نئی افتاد پڑی۔ ۱۳ جنوری سنہ ۶۶ ع کو میرزا صاحب علائی کو لکھتے ہیں :

» میان چلتی وقت تمہاری چچا فی غلیل کی فرمائش کی تھی۔ رامپور پہنچ کر وہ بی سعی و تلاش
 ہات آگئی۔ بنوا رکھی۔ لڑکوں فی ملازموں فی سب فی بھسی سنلیا کہ یہ نواب ضیاء الدین
 خان کیواسطی ہو۔ اب چلتی سی ایک ہفتہ پہلے تم غلیل مانگی۔ بھائی! کیا بتاؤں کہ کتنی
 جستجو کی۔ کہیں بہم نہ پہنچی۔ دس روپیہ تک مول کو نہیں ملی۔ نواب صاحب سی مانگی۔
 خوشہ خانہ میں بھی نہ تھی۔ ایک امیر کے ہاں پتا لگا۔ دوڑا ہوا گیا۔ کھچی موجود پائی۔
 لیکن کیا کھچی؟ جیسی نجف خان کے عہد میں تورانیوں میں ہماری تمہاری ہڈی۔ بنواؤ کی
 فرصت کہاں؟ آج لی کل چل دیا۔ اس بانس کی قدر کرنا، اور اسکو اچھی طرح بنوا لینا « (۲)

سفر کے مصائب

رامپور سے واپسی میں میرزا صاحب کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ دریایِ رام گنگا میں سرمائی بارش کے سبب سیلاب تھا۔ میرزا صاحب کی پالکی کے پار ہوتے ہی پانی کے زور سے کشتیوں کا عارضی پل ٹوٹ گیا۔ اسباب کی گاڑیاں اور خدام سب مجبوراً اوس پار رہ گئے، اور میرزا صاحب یکہ و تنہا صرف ایک کبل ساتھ لیئے مراد آباد کی سرا میں اقامت گزین ہوئے۔

(۱) اردو معلیٰ، ص ۳۹۶ (۲) ایضاً، ص ۴۱۵۔ نسخہ میں »کرتا« اور »بنوا لینا« ہو۔

بڑھاپے کی کمزوری سرمائی تکلیفوں کا مقابلہ نہ کر سکی، اور یہ بیمار ہو گئے۔ پانچ دن صدر الصدور مراد آباد کے ہاں قیام کیا، اور جب قدرے رو بصحت ہوئے تو دلی کا عزم کیا۔ دلی پہنچ کر نواب خلد آشیان کو لکھتے ہیں:

» بعد تسلیم معروض ہو۔ مراد آباد پہنچا، بعد ہالکی کو اوتر آنیک پل کا ٹوٹ جانا، گاڑی اسباب پھانک کہ رخت خواب کا مع آدمیوں کو اوسی زمہریر کو میدان میں رہنا، بغیر جاڑی کی کچھ نہ کھانا، خیر جو اونپر گزری وہ جانین میں مراد آباد کی سرا میں ایک چھوٹی سی حویلی میں ٹہرا۔ بھوکا پیاسا کل اوڑھ کر پڑھا۔ یہ شعر اپنا پڑھ پڑھ کر صبح کی۔

گرم فریاد رکھا شکل نہالی فی بھیجی * تب امان ہجر میں دی برد لیالی فی بھیجی
صبح کو خستہ ورنجور اونٹھا۔ صاحبزادہ ممتاز علیخان بہادر کی بھیجی ہوئی دو فرشتہ آئی۔ اونٹھا کر سعید الدین خان صاحب کو ہان لیگو۔ صاحبزادہ صاحب فی وہ تعظیم و تکریم، اور سعید الدین خان صاحب فی وہ تکریم و تعظیم کی، کہ میری ارزش سی زیادہ تھی۔ ناگاہ مولوی محمد حسن خان بہادر صدر الصدور آئے، اور بھیجی اپنی گھر لیگو۔ پانچ دن وہاں رہا۔ بھائی نواب مصطفی خان بہادر وہیں بھیجی آکر ملے۔ دوسری دن وہ رہگرای دار السرور رامپور اور میں جادہ نورد ستم آباد دہلی ہوا۔ (۱)

سرکار کی ممدردی

یہ عریضہ ۱۰ جنوری سنہ ۶۶ ع کو تحریر کیا تھا۔ لیکن سرکار کو اس کے پہنچنے سے پہلے نواب مصطفی خان بہادر شیفتہ کی زبانی تمام حالات کی اطلاع مل چکی تھی۔ اونہوں نے مراد آباد کے پتہ سے میرزا صاحب کو لکھا:

» زبانی نواب مصطفی خان بہادر کی دریافت ہوا کہ مراد آباد میں کچھ طبیعت آپکی علیل ہو گئی ہو۔ باستماع اس امر کی باعث کمال تردد کا ہوا۔ اسواسطی حوالہ خامۃ محبت نگار کو ہوتا ہو کہ خیریت مزاج سے مطلع کیجی۔ اور اگر هنوز طبیعت مائل باعتدال نہ ہو، اور آپکا ارادہ قیام مراد آباد کا تا درستی طبیعت ہو، تو آپ رامپور میں تشریف لائی۔ یہاں معالجہ بخوبی عمل میں آئیگا۔ (۲)

اس فرمان کے جواب میں میرزا صاحب نے ۲۱ جنوری کو لکھا:

» اس سفر کا حال کیا عرض کروں۔ دلی سے رامپور تک ذوق قدمبوس میں جوانانہ گیا۔ اختلافات آب و ہوا و تفرقہ اوقات غذا کو ہرگز نہ مانا، اور رنج راہ کو ہرگز خیال میں نہ لایا۔ وقت معاودت اندوہ فراق فی وہ فشار دیا، کہ جو ہر روح گداز پا کر ہر بن مو

سے ٹپک گیا۔ اگر آپکو اقبال کی نایید نہوتی، تو دلی تک میرا زندہ پہنچنا محال تھا۔ جاؤ، مینہ، قبض و انقباض، فقدان جوع، فاقہ ہای متواتر، منزلہای نامانوس، ہاپوڑ تک آفتاب کا نظر نہ آتا، شب و روز ہواۓ زمہریر کا جانگزا رہنا۔ باری ہاپوڑ سے چلکر نیر اعظم کی صورت دکھائی دی۔ دھوپ کھاتا ہوا دلی پہنچا۔ ایک ہفتہ کوفتہ و رنجور رہا۔ اب ویسا پیرو ناتوان ہون جیسا کہ اس سفر سے پہلے تھا۔ خدا وہ دن کری کہ پھر اوس در پر پہنچوں (۱)۔

میرزا صاحب لنگو

اس سفر میں میرزا صاحب کی تکالیف اس حد کو پہنچ گئی تھیں کہ وہ اسکو تازاجی حسن فکر سے تعبیر کرتے تھے۔ مرزا شمشاد علی بیگ رضوان کو لکھتے ہیں:

» رامپور کے سفر میں تاب و طاقت، حسن فکر، لطف طبیعت، یہ سب اسباب لنگیا۔ (۲)

سفر رامپور کا رہ آورد

ان جسمانی اذیتوں نے میرزا صاحب کی صحت پر بہت برا اثر کیا، اور انہیں رعشہ و ضعفِ بصر کی شکایت زیادہ ہو گئی۔ ۱۲ مئی سنہ ۱۸۶۶ ع کو مولوی حبیب اللہ خان ذکا کو تحریر فرماتے ہیں:

» تمکو میری خبر بھی ہو۔ آگے ناتوان تھا۔ اب نیمجان ہوں۔ آگے بھرا تھا۔ اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ رامپور کے سفر کا رہ آورد ہو رعشہ و ضعفِ بصر۔ جہان چار سطرین لکھیں، انگلیان نیڑھی ہو گئیں۔ حرف سوچھی سے رھگئی۔ (۳)

وقت و تاریخ ورود دہلی

عناصر کی ان بیرخائیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے میرزا صاحب ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۶ ع کو دوشنبہ کے دن گیارا بجے دلی پہنچے۔ مرزا تفتہ کو ورود کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

» لو صاحب! کھچڑی کھائی دن ہلائی۔ کپڑی پھاڑ گھر کو آئی۔ ۸ جنوری ماہ و سال حال دوشنبہ کے دن غضب الہی کی طرح اپو گھر پر نازل ہوا۔ تمہارا خط مضامین دردناک سے بھرا ہوا رامپور میں مین فی پایا۔ جواب لکھو کی فرصت نہ ملی۔ بعد روانگی کے مراد آباد میں پہنچکر بیمار ہو گیا۔ پانچ دن صدر الصدور صاحب کے ہاں پڑا رہا۔ اونہوت فی بیمار داری اور غمخواری بہت کی۔ (۴)

حکیم احمد حسن مودودی کو لکھا ہے:

(۱) مکاتیب، ص ۶۸ (۲) اردوی معلی، ص ۳۲۱ (۳) ایضاً، ص ۳۷ (۴) ایضاً، ص ۱۰۸

”ہشتم جنوری کو دلی پہنچا۔ عرض راہ مین بیمار ہوا۔ پانچ دن مراد آباد مین صاحب فراش رہا۔ اب جیسا فرسودہ روان ناتوان تھا ویسا ہون۔“ (۱)

خواجہ غلام غوث خان بہادر نیخبر کو لکھتے ہیں :
”بندہ گناہگار شرمسار عرض کرتا ہوں ، کہ پرسوں غازی آباد کا اولٹھا ہوا گیارہ بجو اپنی گھر پر مثل بلای ناگہانی نازل ہوا ہوں۔

باید کہ کم ہزار نفرین بر خویش * اما بزبان جادۂ راہ وطن۔“ (۲)

مولوی عبدالرزاق شاہ کو لکھا ہے :

”قبلہ ! یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ۸ جنوری کو فقیر دلی پہنچا ، تھکا ماندہ خستہ و رنجور۔

ہنوز افاقہ کلی نہیں پائی۔“ (۳)

یہی تاریخ نواب خلد آشیان کو بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں :

”دوشنبہ ۲۰ شعبان ۱۲۸۲ھ ۸ جنوری ۱۸۶۶ء در غمکدہ پر پہنچا۔ حضور کو اقبال کی تائید تھی۔ ورنہ

مین اور جیسا دلی پہنچتا۔“ (۴)

دلی سے باہر رہنے کی کل مدت

میرزا صاحب ۷ اکتوبر سنہ ۶۵ ع کو دلی سے روانا ہوئے اور ۸ جنوری سنہ ۶۶ ع کو دلی واپس پہنچے۔ اس حساب سے انکی دلی سے باہر رہنے کی کل مدت تین ماہ ہے۔

ارسال ہدایا

میرزا صاحب اور دربار رامپور کے درمیان حسب ضابطہ مودت و خلوص تحفے اور ہدیات کی آمد و شد کا سلسلہ بھی پایا جاتا ہے۔ سرکاری تحفوں مین رامپور کے آم ہوتے تھے، جو طبعاً مرغوب ہونے کی وجہ سے میرزا صاحب کو انگریزی خلعت اور سرکاری عطیات سے کم نہ معلوم ہوتے ہونگے۔ ۱۷ جون سنہ ۶۲ ع کو میرزا صاحب نے میان داد خان سیاح کو لکھا ہے :

”رامپور سے نواب صاحب اپنی باغ کی آمون مین سے اکثر بسبیل ارمغان بھیجتے رہتے ہیں۔“ (۵)

جولائی سنہ ۶۴ ع مین سرکار نے دو سو آم بھیجے تھے۔ میرزا صاحب

۵ جولائی کو اس عنایت کی رسید میں لکھتے ہیں:

« نواز شاہ اور اوسکو ساتھ دو ہنگیان دو سو آمون کی پہنچیں .

« شکر نعمتہای تو چندان کہ نعمتہای تو . » (۱)

وقتاً فوقتاً میرزا صاحب بھی پھل بھیجا کرتے تھے . ایکبار انھوں نے رنگترے ارسال کیئے ، تو اسکی رسید میں ۲ جون سنہ ۶۱ ع مطابق ۲۲ ذیقعدہ سنہ ۷۷ ھ کو نواب فردوس مکان نے تحریر فرمایا ، کہ دمریزی رنگترے موصول ہوئے . شکریہ قبول فرمائیے .

فرمایشین

اس کے علاوہ کبھی کبھی دونوں طرف سے بعض چیزوں کی فرمایش بھی ہو جاتی تھی . سنہ ۶۴ ع میں نواب فردوس مکان نے چوب چینی کی فرمایش کی . میرزا صاحب نے بڑی کوشش سے پانچ سیر « رنگین و سنگین و بے گرہ یا کم گرہ قطعات چوب چینی » مہیا کر کے سرکاری کھار کے ہاتھ روانہ کیئے ، اور از راہ معذرت لکھا:

« دلی اب شہر نہیں . چھاؤنی ہو . کپ ہو . نہ قلعہ نہ شہر کو امرا ، نہ اطراف شہر کو

روسا ۴۰ (۲)

رامپور کے دوسرے سفر میں نواب ضیاء الدین خان بہادر نیر کیلئے میرزا صاحب نے نواب خلد آشیان سے ایک بانس کی غلیل مانگی تھی . سرکار نے حکم دیا کہ توشہ خانہ خاص سے عطا کر دیجائے . میرزا صاحب رامپور سے ۷ شعبان سنہ ۸۲ ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۶۵ ع کو علائی کے خط میں لکھتے ہیں:

« مجھ سے ہندی کی چندی سن . ایک غلیل حضور تو دینی کی ہو . » (۳)

بعد ازاں اسی غلیل کے متعلق ۲۵ شعبان مطابق ۱۳ جنوری سنہ ۶۶ ع کو لکھا ہے:

« اب چلتی سے ایک ہفتہ پہلے تم تو غلیل مانگی . بھائی کیا بتاؤں ، کہ کتنی جستجو کو . کین ہم نہ پہنچی . دس روپیہ تک مول کو نہ ملی . نواب صاحب سے مانگی . توشہ خانہ میں بھی نہ تھی . » (۴)

۱۱ جولائی سنہ ۶۱ ع مطابق غرہ محرم سنہ ۷۸ ھ کو میرزا صاحب نے آمون کی فرمایش کی تھی . اس کے جواب میں نواب فردوس مکان نے تحریر فرمایا:

(۱) مکاتیب ، ص ۳۹ (۲) ایضاً ، ص ۴۳ (۳) اردوی معلی ، ص ۳۹۶ (۴) ایضاً ، ص ۴۱۵

در بارہ ترسیل انبہ های کر، کہ زیب ترقیم فرمایا ہو، حال یہ ہو کہ امسال بہار انبہ کی باغات اس سرکار مین بہت قلیل اور کم رہی۔ اور علاوہ اسکی عجب کیفیت اون مین پیدا ہوئی کہ قابل رکھن دو چار دن کو نہ تھی۔ یعنی در صورت رکھن کو خراب اور بوسیدہ ہو جاتی تھی۔ اس سبب سی بھیجنا انبہ های کا متصور نہوا۔ ظہور اس امر کا بعالم مجبوری تصور فرمائی ہو۔

دیگر خدمات

میرزا صاحب سرکار کی دیگر خدمات بجالانے کیلئے بھی ہر وقت تیار رہتے۔ ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۸۱ھ مطابق ۱۴ اگست سنہ ۱۶۴۷ ع کو نواب فردوس مکان نے تحریر فرمایا:

درینولا شب سہای ساہو رنہیوال رامپور کو بغرض علاج چشم دہلی گئے ہیں۔ آپ اطباء دہلی کو دکھا کر علاج کرا دیں۔ یہ متوسل اس سرکار کو ہیں۔

میرزا صاحب نے ساہو صاحب کا دلی مین بخوبی علاج کرا دیا۔

جولائی سنہ ۱۶۷۷ ع مین نواب خلد آشیان نے مرزا رحیم الدین بہادر حیا سے لکھوایا کہ دلی کے فاضل شطرنج باز کو رامپور روانا کر دیجئے۔ میرزا صاحب نے اوسکو خرچ دیگر روانہ کیا اور اطلاعاً نواب صاحب کی خدمت مین لکھا:

بموجب تحریر میرزا رحیم الدین بہادر حیا کی فاضل شطرنج باز کو خرچ دیگر روانہ کیا ہو۔ (۱)

سرکار کا طریق خطاب

سرکاری فرامین مین میرزا صاحب کو مساویانہ مخاطب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ القاب، آداب اور خاتمہ، ہر جگہ مساوات و محبت کا لحاظ پایا جاتا، اور علی العموم فرمان کا انداز یہ ہوتا ہے:

نواب صاحب مشفق مہربان کر مفرمای مخلصان سلہ اللہ تعالیٰ۔ بعد اشتیاق مواہلت موفور المسرت کہ متجاوز التحریر ہو مشہود ضمیر مودت تخمیر کو ہو۔۔۔۔ زیادہ جمعیت و نشاط ہو۔

انتہائی مطالب مین جہان میرزا صاحب کے خط کا حوالہ آیا ہے وہاں اونکے مکتوب کو «سامی صحیفہ لطف آگین» یا «نمیقتہ انیقہ بلاغت مشحون» یا دیگر تعظیمی الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسیطرح ہر جگہ لفظ «مشفقا» سے

تخاطب نظر آتا ہے۔ ان رواسم و آداب سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ سرکارِ رامپور سے میرزا صاحب کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی۔

میرزا صاحب کا طریق خطاب

خود میرزا صاحب کے عرایض کے القاب، آداب اور خاتمہ بھی اس پر شاہد ہیں کہ اس رشتہ کی بنا احسان و عنایت سے زیادہ محبت و خلوص پر تھی۔ چنانچہ میرزا صاحب نے تقریباً تمام عرایض میں «ولی نعمت» سے مخاطب کیا ہے، اور «بعد تسلیم معروض ہے» سے اظہار مطلب شروع کر کے «زیادہ حد ادب» پر عریضہ کو ختم کر دیا ہے۔ خاتمہ میں صرف دو دعائیہ شعر پائے جاتے ہیں، جن میں سے کبھی ایک کبھی دوسرا خط کی زینت بڑھاتا رہتا تھا۔ یہ بھی بناوٹ اور تصنع سے دوری و نفرت پر دلالت کرتا ہے۔

میرزا صاحب کو رامپوری شاگرد

میرزا صاحب کے خطوط میں رامپور کے صرف ایک ایسے بزرگ کا ذکر آیا ہے، جو اون سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ یہ صاحبزادہ سید عباس علیخان بہادر ابن نواب سید عبد العلیخان بہادر، نواب فردوس مکان کے حقیقی چچازاد اور نسبتی بھائی، اور نواب خلد آشیان کے حقیقی مامون تھے۔ بیتاب تخلص کرتے اور میرزا صاحب سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ میرزا صاحب نے میان داد خان سیاح کو ۲۳ اپریل سنہ ۱۸۶۷ ع کو لکھا ہے:

«میں اب محض نکا ہو گیا۔ خدا جھوٹ نہ بلواؤ۔ چچاں جگہ می اشعار واسطی اصلاح کی آؤ ہوی بکس میں دھری ہیں۔ از انجملہ تین صاحبون کو نام تمکو لکھتا ہوں۔ سربراہیم علیخان صاحب، میر عالم علیخان صاحب، نواب عباس علیخان رئیس حال رامپور کو حقیقی مامون۔» (۱)

انشائی غالب

میرزا صاحب کے عہد تک ہندوستان کا تعام یافتہ طبقہ فارسی زبان میں اظہار خیالات پسند کرتا، اور دیسی زبان کا پایہ اپنے مرتبہ سے فروتر جانتا تھا۔ عرصہ دراز تک میرزا صاحب بھی اسی روش عام کے دلدادہ رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ انکی فارسی خط و کتابت کی جگہ اردو نے حاصل کرنی شروع کردی، جو آخر عمر تک پہنچکر انکے اظہار خیالات کا واحد ذریعہ ہو گئی۔

اردو انشا کا آغاز اور خواجہ حالی کی رائے

اردو مراسلت کی ابتدا کے متعلق میرزا صاحب کا کوئی تصریحی بیان موجود نہیں۔ البتہ خواجہ حالی مرحوم تحریر فرماتے ہیں :

”معلوم ہوتا ہے کہ مرزا سنہ ۱۸۵۰ ع تک ہمیشہ فارسی میں خط کتابت کرتے تھے۔ مگر سنہ مذکور میں، جبکہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کئے گئے، اور ہمہ تن مہر نیمروز کو لکھنے میں مصروف ہو گئے، اسوقت بضرورت انکو اردو میں خط کتابت کرنی پڑی ہوگی۔ وہ فارسی نثرین اور اکثر فارسی خطوط، جن میں قوت متخیلہ کا عمل اور شاعری کا عنصر نظم سے بھی کسقدر غالب معلوم ہوتا ہے، نہایت کاوش سے لکھتے تھے۔ پس جب انکی ہمت مہر نیمروز کی ترتیب و انشا میں مصروف تھی ضرور ہی کہ اسوقت انکو فارسی زبان میں خط کتابت کرنی اور وہ بھی اپنی طرز خاص میں شاق معلوم ہوئی ہوگی۔ اسکو قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے غالباً سنہ ۵۰ ع کے بعد ہی اردو زبان میں خط لکھنے شروع کئے ہیں۔“ (۱)

میر صاحب کا اختلاف

مولانا غلام رسول مہر کو خواجہ صاحب کی رائے سے اختلاف ہے۔ اونکے نزدیک میرزا صاحب کی اردو مراسلت سنہ ۱۸۵۰ ع سے قبل شروع ہو چکی تھی۔ لیکن وہ اسلئے ضایع ہو گئی کہ اسوقت کے اہل علم اردو کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ مولانا کے وجوہ اختلاف حسب ذیل ہیں :

... اول مہر نیمروز کوئی بڑی کتاب نہیں جسکی ترتیب میں غالب کی اوقات کا بیشتر حصہ صرف ہوتا ہوگا۔ یہ کتاب انہوں نے کم و بیش پانچ برس میں مرتب کی، موجودہ مطبوعہ صورت میں اسکو ۱۱۸ صفحہ ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ باعتبار اوسط وہ سال بھر میں زیادہ سے زیادہ پچیس صفحات لکھتے رہے، اور یہ غالب جیسی قادر الکلام اور مشاق نثر نگار کیلئے کوئی بہت بڑا کام نہیں ہے، جسکی تکمیل کی خاطر انہیں فارسی خط و کتابت ترک کرنی پڑی ہو۔

دوسری خط و کتابت میں انکا عام انداز پیچیدہ اور الجھا ہوا نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ لکھتے تھے عموماً بلا تکلف لکھتے تھے۔ اردو خطوط کی طرح فارسی خطوط میں بھی تکلفات سے آزادی ہر مقام پر ظاہر ہے۔ انہوں نے پنج آہنگ، کی آغاز میں نثر نگاری کے جو خصائص بیان کئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ وہ ابتدا ہی سے صحیح راستہ پر گامزن تھے۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہر فارسی خط کے لفظ لفظ پر گھنٹوں مصروف فکر رہتے تھے۔

تیسری انکی فارسی مکاتیب میں ایک خط منشی جواہر سنگھ جوہر کی نام ہے، جس میں سر کیلئے لنگی کی فرمائش کی ہے۔ اس خط کے آخر میں مطبوعہ پنج آہنگ، میں یکم دسمبر سنہ ۱۸۴۸ ع مطابق چہارم محرم سنہ ۱۲۵۱ ھ ثبت ہے۔ ہجری اور عیسوی تاریخ میں مطابقت نہیں ہوتی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم ایک تاریخ ضرور غلط ہے۔ اگر تاریخ ہجری کو سنہ ۱۲۵۱ ھ کے بجائے سنہ ۱۲۶۱ ھ رکھا جائے تو عیسوی تاریخ سنہ ۱۸۴۵ ع ہونی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ یہی صحیح ہے۔ ان کے اردو میں بھی منشی جواہر سنگھ سے لنگی کا تقاضا موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "کیون صاحب وہ ہماری لنگی ابتک کیوں نہیں آئی۔ بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ امی ہفتے بھیجوںگا۔" یہ دونوں خط لازماً ایک دوسری سے قریب کے زمانہ میں لکھے گئے ہونگی۔ میرا خیال یہی ہے کہ غالب سنہ ۱۸۵۰ ع سے قبل اردو خط و کتابت شروع کرچکی تھی۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں اردو نثر کو اہل علم زیادہ بلند پایہ نہیں دیتے تھے۔ اسلئے وہ خط محفوظ نہ رہ سکی۔ لیکن جیسی جیسی اردو کا رواج بڑھتا گیا اور فارسی کا رواج کم ہوتا گیا غالب کی خط و کتابت فارسی کے بجائے اردو میں زیادہ ہوتی گئی۔ (۱)

وجوہ میں کلام

میری ناقص رائے میں مولانا مہر کے وجوہ اختلاف میں کلام کی گنجائش موجود ہے۔ اونکی پہلی دلیل کے متعلق یہ عرض ہے کہ میرزا صاحب کے زمانہ تک جس قسم کی فارسی زبان ایران و ہندوستان میں مروج تھی، اوسکی بہترین مثالیں ابوالفضل، ظہوری، جلالای طباطبائی، میرزا طاہر وحید وغیرہ اہل قلم کی تصنیفات ہیں۔ یہ سب بزرگ اپنے کلام کی زینت و شکوہ

کیلئے عربی الفاظ بکثرت استعمال کرتے تھے۔ ان الفاظ نے رفتہ رفتہ اصطلاحی حیثیت اختیار کر لی تھی، اور تقریباً ہر فارسی نویس، خواہ اوسکی ادبی حیثیت و استعداد معمولی ہی ہوتی، اپنی روزمرہ کی تحریروں میں ان وزنی الفاظ کو کہپانے کا عادی ہو گیا تھا۔ اسکے علاوہ مخصوص استعارے اور تشبیہیں بھی رواج عام حاصل کر چکی تھیں۔ چنانچہ ابوالفضل کے بعد سے میرزا صاحب کے وقت تک مختلف اصحاب کی ادبی اور تاریخی تالیفات دیکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ اظہارِ مطالب میں ہر پچھلے فارسی نویس نے اپنے پیشرو کے نشانہائے قدم پر قدم رکھنے کی پوری کوشش کی ہے، اور تقریباً سب نے ایک مضمون کو ایک ہی انداز میں لکھا ہے۔

میرزا صاحب کو قدرت نے اُچھ والی طبیعت عطا کی تھی۔ وہ فطرتاً روشِ عام کو ناپسند کرتے تھے، اور چاہتے تھے کہ اپنی انفرادیت کو میدانِ ادب میں بھی نمایان رکھیں۔ اونکی اس فطری اُچھ اور انفرادیت کی کوشش کا اثر نثرِ فارسی پر بھی پڑا، اور وہ طرزِ ادائیِ مطالب اور انتخابِ الفاظ دونوں میں ابوالفضل وغیرہ ادیبوں کی نثر سے ممتاز ہو گئی۔

چونکہ میرزا صاحب نے قدیم شاہراہ سے ہٹ کر ایک نئی روش اختیار کی تھی، اسلئے اونہیں قدم قدم پر وہ تمام مشکلات پیش آتی ہونگی، جو پرانی طرز کے تارک اور نئے انداز کے موجد کو پیش آیا کرتی ہیں۔ اور چونکہ میرزا صاحب رسمِ عام کے برخلاف عربی الفاظ کے استعمال سے بھی حتی المقدور احتراز کیا کرتے تھے، حتی کہ اونکی اکثر تحریروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب نے ایک پیش پا اوقصادہ عربی لفظ ترک کر کے بالقصد فارسی نثراد لفظ استعمال کیا ہے، پس کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ قطع نظر اور تمام تحریروں سے خود «مہرِ نیمروز» کی تالیف میں بھی میرزا صاحب نے کافی غور و خوض کی ضرورت محسوس نہ کی ہوگی۔ خصوصاً جبکہ «مہرِ نیمروز» اکبر نامہ

کے مقابلہ میں لکھی جا رہی تھی اور انہیں ایک مسلم الثبوت استاد سے بازی لیجانا منظور تھا۔

ان دشواریوں کی تصدیق خود میرزا صاحب کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے »مہرِ نیمروز« کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی عمر کا گزشتہ حصہ بادہ خواری و نظم نگاری میں بسر کیا تھا۔ اگر کبھی ضرورتاً نثر نگاری کا اتفاق ہوا تو نثر کو نظم ہی کے مستانہ انداز میں لکھا۔ بنا برین سلاطینِ تیموریہ کی تاریخ جس اندازِ نگارش کی مقتضی ہے اس ابتلا و پریشانی کے زمانہ میں، کہ دل افسردہ اور تن خستہ ہے اور یہ حال ہے کہ

»نگارش اگر ہم یک صفحہ بیش نبود، بیش از آنکہ انجام گیرند و ہم پیچیدن ورق را هنگام آید انامل ہم پیچند، و کلک از بنان فرود افتد۔« (۱)

مجھ سے اسکا انصرام ممکن نہیں۔ لہذا یہ کس طرح مناسب ہوگا کہ روزگار یہ فیصلہ کر لے کہ

»در فسانہ سرائی آوازہ ساز مرا اندازہ و اندازہ انداز مرا آزمودن برگردد۔« (۱)

بہر حال میں

»از کار فرمائی این نگارش سپاس پزیرم، کہ بپرداختن این نخط، کہ خود را چون سایہ با زمین ہموار ساختہ ام تا پرداختہ ام، و بہ انگیزختن این نقش کہ چشم و دل و نگاہ و نفس باہم آمیختہ ام، تا انگیزختہ ام، دست از کارہای دگر کوتاہ است و دل از اندیشہ ہای دگر برکنار۔« (۲)

میرزا صاحب کی اس تصریح کے بعد کہ »میں نے اس روش کے نباہنے میں اپنے آپکو سایہ کی طرح زمین پر بچھا دیا تھا، اور اس نقش کی درستگی میں چشم و دل و نگاہ و نفس سب کو لگا دیا تھا، تب اسکے سرانجام سے عہدہ برآ ہوا ہوں« اس خیال کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ »یہ غالب جیسے قادر الکلام اور مشاق نثر نگار کیلئے کوئی بہت بڑا کام نہیں ہے۔«

اب یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ کیا میرزا صاحب نے ۲۵ صفحے فی سال کے

حساب سے »مہرِ نیمروز« کی تالیف پر صرف کئے۔ واقعات اسکے خلاف ہیں۔
 »پنج آہنگ« میں منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام ایک خط درج ہے جو ۱۱ جون
 سنہ ۱۸۵۲ ع کو لکھا گیا تھا۔ اس میں میرزا صاحب نے »مہرِ نیمروز« کے
 مسودہ کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

»مسودہ روزنامہ روداد اورنگ نشینان چغتایہ بدست میرا سنگھ روان داشتہ ایم و هنوز
 از رسیدنش نشان نیافتہ ایم۔ اگر رسیدہ است بنویسند۔ ورنہ از میرا سنگھ باز پرس کنند۔« (۱)

اس خط سے واضح ہے کہ میرزا صاحب نے سنہ ۱۸۵۰ ع میں »مہرِ نیمروز«
 شروع کر کے ۱۱ جون سنہ ۵۲ ع سے قبل تمام کر لی تھی۔ اسکے بعد کا زمانہ،
 جو تقریباً دو برس یا اس سے کچھ زائد ہے، نظرِ ثانی میں گزرا، اور جب
 میرزا صاحب نے اپنے احباب کو کتاب دکھا کر دلیلی تب بادشاہ کے حضور میں
 اوسے پیش کیا۔ اس صورت میں ۲۵ صفحہ فی سال کے بجائے ۵۹ صفحات فی
 سال یا ۵ صفحے فی ماہ ہوتے ہیں، جو اور زیادہ ہو جائینگے، اگر صحیح
 علم ہو جائے کہ میرزا صاحب نے ۱۱ جون سنہ ۵۲ ع سے کتنا عرصہ پہلے کتاب
 ختم کر دی تھی۔

مولانا کی دوسری وجہ کے بارے یہ گزارش ہے کہ »پنج آہنگ« کے
 دیباچہ میں میرزا صاحب نے جس روش کے خلاف صدایِ احتجاج بلند کی
 ہے، وہ انشایِ خلیفہ، انشایِ مادھورام، اور انشایِ ہرکرن جیسی ہندیانہ
 کتابوں سے ملکِ مین رواجِ پزیر ہو کر اس درجہ مقبولِ خاص و عام خیال
 کیجائے لگی تھی، کہ اوسکے خلاف قدم اٹھانا معاشرتی و علمی گناہ تسلیم
 کیا جاتا تھا۔ میرزا صاحب اسکے طبعی مخالف تھے اسلئے انھوں نے
 »پنج آہنگ« کے دیباچہ میں، جو دراصل مستدیون کیلئے تالیف کی گئی تھی،
 یہ مشورہ دینا مناسب خیال کیا کہ

»این پارسی آمیختہ بتازی را در کشاکش تصرفات ہندی زبانان پارسی نویس ضایع نگذارد۔

(۱) کلیاتِ ثر فارسی، ص ۲۵۰۔ مسٹر محمد اکرام فی غالب نامہ، ص ۱۱۴ میں اس خط کو مولوی رجب
 علیخان کے نام لکھ دیا ہے۔ حالانکہ مولوی صاحب کا نام صرف خط ماقبل کے آخر میں آیا ہے۔

و لغات عربی جز بقدر بایست صرف نناید . و پیوستہ در آت کوشد کہ سادگی و لغزی
شعار او گردد . . (۱)

اس کا یہ مطلب کسی طرح نہیں قرار دیا جاسکتا کہ خود اونکی اپنی انشا بھی
تکلفات سے آزاد ہے . کیونکہ اگر القاب و آداب اور دیگر الفاظ عربی سے
قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اونکی انشا ادائی مطلب مین سراسر تکلف
سے پُر اور عام انداز سے اسقدر علیحدہ ہے، کہ تا وقتیکہ نگاہ و فکر اوس سے
اخذِ مطلب کے عادی نہوجائیں، انسان سہولت کیساتھ مطلب تک نہیں پہنچ
سکتا . اسی سبب سے میرزا صاحب کے پہلے عریضہ کے جواب مین نواب
فردوس مکان جیسے ادیب کو یہ لکھنا پڑا تھا کہ

« مخلص را لیل و نهار متمنی اخبار تصور فرمودہ اکثر بایصال تمایق انا بیک خیریت و ثایق بعبارت
سلیس کہ در خواندش تاملی بوقوع نیاید مسرور و مطمئن میفرمودہ باشند . . » (۲)

علاوہ ازیں خود میرزا صاحب اسکے معترف ہیں کہ ایامِ پیری مین اون سے
اپنی روشِ خاص نہیں نہہ سکی . چنانچہ مولوی عبدالرزاق شاکر کو فارسی
خط کی فرمایش کے جواب مین لکھتے ہیں :

« بندہ نواز ! زبان فارسی مین خطون کا لکھنا پہلی سی متروک ہی . پیرانہ سری و ضعف کی
صدمون سی سخت پڑوہی و جگر کاری کی قوت مجھ مین نہیں رہی . حرارت غریزی کو زوال
ہی اور یہ حال ہی ،

مضمحل ہوگئی قوی غالب * وہ عناصر مین اعتدال کہان
کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں . سب دوستون کو جن سی کتابت رھتی ہی اردو ہی مین نیازنامی
لکھا کرتا ہوں . جن جن صاحبون کی خدمت مین آگئی مین تو فارسی زبان مین خطوط و مکاتیب
لکھی اور بھیجی تھی ، اون مین سی جو صاحب الی الان ذیحیات و موجود ہیں اون سی بھی
عندالضرورت اسی زبان مروج مین مکاتیب و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہی پس امیدوار
ہوں کہ آپ انہیں نذور محقرہ یعنی تحریرات روزمرہ اردوی سادہ و سرسری کو غنیمت
جانکر قبول فرمائو رہیں . . » (۳)

اس خط مین میرزا صاحب نے فارسی مراسلت ترک کرنے کی وجہ یہ
قرار دی ہے کہ

(۱) کلیات نثر فارسی، ص ۵ (۲) مکاتیب غالب، ص ۴، حاشیہ نمبر ۱ (۳) اردوی معنی،

» پیرانہ سری و ضعف کے صدموں سے سخت پژمھی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی ۔
اسکے بعد شاکر صاحب کو یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ جن اصحاب سے پہلے
فارسی میں خط و کتابت رہا کرتی تھی انہیں بھی اب اردو ہی میں خط
لکھا کرتا ہوں ۔ اس صورت میں مولانا حالی کا یہ خیال کہ » مہرِ نیمروز
کی تالیف کے زمانہ میں اردو مراسلت شروع کی « بعید از وقوع نہیں معلوم
ہوتا ۔ اسلئے کہ جب میرزا صاحب معمولی فارسی مکاتبت میں اسدرجہ جگر
کاوی سے کام لیا کرتے تھے کہ ایامِ پیری میں ، جبکہ اونکی مشقِ پارسی
نگاری پختہ ہو چکی تھی ، اس بار کے اوٹھانے کیلئے آمادہ نہیں تھے ، تو
» مہرِ نیمروز « کی تالیف کے زمانہ میں دو بوجھ کس طرح اوٹھاتے ۔

مولانا مہر کی تیسری وجہ میں صرف اسقدر کلام ہے کہ میرزا صاحب
کے فارسی مکاتیب بنام جواہر سنگھ میں سے ایک خط یقینی سنہ ۵۰ ع سے
بعد کا ہے ۔ دوسرا بھی ، جس میں میرزا صاحب نے لکھا ہے کہ بادشاہ کی
علاقت کیوجہ سے قصیدۂ تہنیتِ عید پیش کرنیکا موقع نہ ملا ، سنہ ۵۰ ع کے
بعد کا معلوم ہوتا ہے ۔ اسلئے کہ اس میں میرزا صاحب نے بادشاہ کی بیماری
کے سلسلہ میں لکھا ہے :

» تا دیگر چہ رونماید ، و بر من ، کہ در سایۂ دیوارش غنودہ ام ، چہ رود « (۱)

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ اوسی وقت زیادہ بھلے نظر آتے ہیں جب میرزا صاحب
کے قلعہ سے تعلقات صرف دوستانہ نہوں ، ملازمت کا سلسلہ بھی قائم ہو چکا ہو ۔
اب تیسرا خط رہتا ہے ۔ مولانا مہر کے خیال میں اس خط کی تاریخہائی
عیسوی و ہجری دونوں غلط ہیں ۔ صحیح تاریخ یکم دسمبر سنہ ۱۸۴۵ ع مطابق
۴ محرم سنہ ۱۲۶۱ ھ ہونی چاہیے ۔ میری ناقص رای میں مولانا کا یہ
خیال درست ہے کہ ہجری اور عیسوی سنین میں تطابق نہیں ۔ مگر یہ نادرست
ہے کہ دونوں سنہ غلط ہیں ۔ اسلئے کہ میرزا صاحب نے دونوں سنوں کیساتھ

تاریخین بھی لکھی ہیں۔ کتاب تشریح السنین سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۴۵ ع کو یکم محرم سنہ ۱۲۶۲ ھ تھے۔ اس حساب سے یکم دسمبر سنہ ۴۵ ع کو یکم محرم سنہ ۶۱ ھ نہیں ہو سکتے۔ اسی کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۴ محرم سنہ ۱۲۶۵ ھ یکم دسمبر سنہ ۱۸۴۸ ع کے مطابق تھی۔ لہذا ہمیں میرزا صاحب کی عیسوی تاریخ و سنہ کو درست ماننا پڑیگا۔ اور ہجری تاریخ و ماہ بھی صحیح ہونگے۔ صرف ہجری سنہ کو غلط تسلیم کر لینگے۔ یعنی سنہ ۵۱ ھ کے بجای ۶۵ ھ صحیح سنہ ہوگا۔

اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ میرزا صاحب کا وہ فارسی خط، جس میں لنگی کا ذکر آیا ہے، دسمبر سنہ ۴۸ ع کا مکتوبہ تھا، اور یہ بھی خود میرزا صاحب نے اپنے اردو خط میں لکھا ہے کہ »بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتہ میں بھیجوں گا«^(۱) تو پھر کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا اگر آپ یہ تسلیم کر لیں کہ میرزا صاحب نے سنہ ۵۰ ع میں یہ اردو خط لکھا تھا۔ اسلئے کہ ان دونوں خطوں کے درمیان صرف ایک سال کا فصل ہے۔ اور فقرہ »بہت دن ہوئے« ایک یا ڈیڑھ سال کے وعدہ کے متعلق بسہولت استعمال کیا جاسکتا ہے۔

میرزا صاحب کا بیان

اگرچہ اردو مراسلت کے آغاز کے متعلق میرزا صاحب کا کوئی قطعی بیان ہمارے پاس موجود نہیں؛ لیکن »پنج آہنگ« کے خاتمہ میں فارسی مراسلت بالکل ترک کر کے صرف اردو میں خط و کتابت کرنیکی تاریخ خود اونہیں نے بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

ویردان داند، و مدعیان دانش را توفیق دانستن دهد تا دانند، کہ خامہ غالب سیہ نامہ مسلک دشوار گزار پارسی آمیختہ بازی را بکدام دلاویز رفتار پیموده است۔ درین شصت و ہشت سالہ زندگی کہ جزو در بازی وکل در سخن طرازی گزشت و بسا گزین روشہا در نثر نظر فروز آمد از دو سال در بند آن بودم کہ... دیگر در خامہ فرسائی انداز خود نمائی فرو ہم... پنجاہ سال فی بی برگ را

بہ ہنچار اورامہ سرایان پارس بہ نوا داشته ام . اکنون آن روش فروگذاشته ام . سپس مافی الضمیر را ، کہ بر یاران نزدیک و دور عرضه باید داد ، در زبان اردوی و آن ہم سرسری و از تکلف بری رقم خواہم کرد ، تا زندگی آسان گردد . (۱)

یہ خاتمہ سنہ ۱۲۸۰ ھ (۱۸۶۳ ع) میں لکھا گیا تھا ، جبکہ میرزا صاحب کی عمر ۶۸ سال کی تھی . اس ۶۸ سالہ زندگی میں سے ۱۶ سال کھیل کود میں گزار کر ۱۲۲۸ ھ (۱۸۱۳ ع) سے ادبی زندگی کا آغاز کیا تھا ، اور تقریباً ۵۰ سال فارسی نظم و نثر لکھتے رہے تھے . لیکن سنہ ۱۲۸۰ ھ (۱۸۶۳ ع) سے دو سال قبل سنہ ۷۸ ھ (۶۱ ع) میں یہ عزم کیا تھا کہ اب فارسی آمیختہ و نا آمیختہ بتازی کو ترک کر کے سادہ اردو میں اظہار مطالب کریں گے . کیونکہ فارسی کیلئے جس فراغ خاطر و قوت دماغ کی ضرورت تھی غلبہ پیری کے سبب میرزا صاحب اوس سے مجروم ہو چکے تھے . اردوی معلیٰ اور عود کے مختلف خطوط سے اسکی تصدیق بھی ہوتی ہے ، کہ میرزا صاحب نے سنہ ۷۸ ھ (۶۱ ع) سے قبل ہی فارسی نگاری سے احتراز کرنا شروع کر دیا تھا . قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کو لکھتے ہیں :

فارسی کیا لکھوں ؟ بیان ترکی تمام ہی . اخوان و احباب یا مقتول یا مفقود الخبر . ہزار آدمی کا ماتم دار ہوں . آپ غمزدہ اور آپ غمگسار ہوں . اس سی قطع نظر کہ تباہ اور خراب ہوں مرنا سر پر کھڑا ہو . پا برکاب ہوں . (۲)

اس خط میں میرزا صاحب نے اپنی وفات کی تاریخ » غالب مرد « کا بھی تذکرہ کیا ہے ، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکی تاریخ کتابت سنہ ۷۷ ھ (۶۰ ع) سے قبل ہے .

مولانا محمد عباس رفعت بھوپالی کو ۴ ربیع الاول سال » رستاخیز « (۱۲۷۸ ھ مطابق ۱۸۶۱ ع) کو تحریر کرتے ہیں :

» از دیر باز بہ نظم و نثر نمی گرایم . نظم خواہی پارسی و خواہی اردو خوابی ست فراموش . نامہ در پارسی نوشتن نیز آئین نماندہ . ہرچہ نوشتہ می شود یکدست در اردو ست . اینک ... مولانا عباس ... از بھوپال فرمان فرستاد کہ غالب نامہ در پارسی زبان نویسد . یا رب !

فرمان چون بجا آورم؟ و در نامہ چہ نویسم؟ باری نہ از توانائی بنان بلکه از اثر روائی آن فرمان جنبش خامہ لفظی چند کہ بخواندن نیرزد بر روی ورق ریخت . (۱)

ان دونوں خطوں میں میرزا صاحب نے ترکِ فارسی نگاری کا سبب غلبہٴ رنج و غم اور ضعفِ پیری کو قرار دیا ہے۔ یہی سبب مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام کے مکتوب میں بھی ذکر کر چکے ہیں۔ اب اگر ہم تمام دلائل کو سامنے رکھ کر نتیجہ نکالنے کی کوشش کریں تو وہ یہ ہوگا کہ میرزا صاحب ایک ایسے دشوار گزار مسلکِ فارسی نگاری کے موجد تھے، جو اطمینانِ خاطر و توانائیِ دماغ و قلب کا مقتضی تھا۔ سنہ ۱۸۵۰ ع (۱۲۶۶ھ) تک یہ دونوں اسباب میسر رہے اسلئے میرزا صاحب تقریباً اسی زبان میں خامہ فرسائی کرتے رہے۔ لیکن جب سنہ مذکورہ میں بادشاہِ ظفر نے تاریخِ نگاری کی خدمت سپرد کی اور فراغِ خاطر میں کمی ہو گئی، تو میرزا صاحب نے فارسی کیساتھ اردو وثر کو بھی نوازا شروع کیا۔ سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ ع) میں ذوق کا انتقال ہوا تو اصلاحِ کلام بھی میرزا صاحب کے سپرد کی گئی، اور یہ فرصت سے بالکل محروم ہو گئے، جسکے سبب مسلکِ فارسی کی گامزنی کیلئے اور کم وقت میسر آنے لگا اور اردو کو مزید غلبہ حاصل کرنیکا موقع ملا۔ (۲) سنہ ۵۷ ع کے بعد ہجومِ مصائب و آلام نے اطمینانِ خاطر کا قطعی خاتمہ کر دیا۔ نیز افکار کی زیادتی اور معاشی پریشانی کے سبب رفتہ رفتہ امراضِ مستولی ہوتے گئے۔ اب اردو نہایت سرعت کیساتھ انکی انشا پر چھا نے لگی، تا آنکہ سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ ع) میں میرزا صاحب کو عزم کرنا پڑا کہ آئندہ فارسی میں نظم وثر کچھ نہ لکھیں گے۔ لیکن اس عہد کی عملی تکمیل سنہ ۱۸۶۵ ع میں ہوئی۔

(۱) انشای نور چشم، ص ۵۱ (۲) میرزا صاحب نے سنہ ۵۷ ع سو پہلے سید غلام حسین قدر بلگرامی کو اپنی مصروفیت کا حال لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: درہا جواب کا لکھنا۔ کاش آپ یہاں ہوتے اور میرا حال دیکھتے۔ ہر روز صبح کو قلعہ جانا اور دوپہر کو آنا۔ بعد کھانا کھانا کھانا کی حضرت کے مسودوں کا درست کرنا۔ احباب کے خط لکھنے کی فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے۔ (اردو میں لاہور ایڈیشن ضخیمہ سرخوش)۔ یہ اردو خطوط کے جوابات کے متعلق معذرت ہے۔ ایسی حالت میں فارسی نگاری کی مہلت ملنے کی امید رکھنا کس طرح قرین صواب ہو سکتا ہے۔

چنانچہ آج ہمارے پاس سنہ مذکورہ کے بعد کی فارسی تحریریں کالمعدوم ہیں۔

مجھ پر اردو کی فرمائش

میرزا صاحب اپنے عہد کے ممتاز فارسی ادیب تھے، اور اکثر اربابِ علم و فضل کی طرح اسی کو سرمایۂ نازش و افتخار خیال کرتے تھے۔ جب بعض معاصرین نے اپنی اردو شاعری کے بل بوتے پر انکی ہمسری کا دعویٰ کیا، تو انہیں اپنے کلامِ اردو کی تمام خوبیوں سے قطع نظر کر کے میدانِ سخن کے ان یکہ تازوں سے کھدینا پڑا:

فارسی میں، تا بہ بینی نقشبای رنگ رنگ * بگزر از مجموعۂ اردو کہ بیرنگ منست
راست میگرم من، و از راست مرتوان کشید * هرچه در گفتار غرست آن رنگ منست، (۱)
میرزا صاحب کا یہ خیال نظمِ اردو ہی تک محدود نہ تھا۔ وہ نثرِ اردو کو بھی اپنے پایۂ کمال سے فروتر جانتے تھے۔ چنانچہ منشی شیونرین اکبر آبادی کے توسط سے ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب نے نثرِ اردو کی فرمائش کی، تو میرزا صاحب نے منشی صاحب کو لکھا:

مگر بھائی تم غور کرو، اردو میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کرونگا، اور اوس عبارت میں معافی نازک کیونکر بھرونگا۔ (۲)

انہیں کو دوبارہ لکھا ہے:

جناب ریڈ صاحب صاحبی کرتے ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں۔ اوس میں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہو۔ بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ میرا اردو بہ نسبت اوووں کی اردو کو فصیح ہوگا۔ (۳)

سہ بارہ پھر انہیں کو لکھا ہے:

میان! اردو کیا لکھوں۔ میرا یہ منصب ہی کہ مجھ پر اردو کی فرمائش ہو۔ (۴)

نظم و نثر سہل متع ہی

لیکن اسکے باوجود میرزا صاحب یہ ضرور جانتے تھے کہ اونکا کلام، نظم ہو یا نثر، حسن و خوبی کے اوس درجہ پر پہنچ چکا ہے، جسے علمی

بلاغت « سہل ممتنع » کہتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ غلام غوث خان بہادر یخبر کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں :

« پیر و مرشد! سہل ممتنع اوس نظم و نثر کو کہتی ہیں کہ دیکھنے میں آسان نظر آؤ اور اوسکا جواب نہوسکو۔ بالجلہ سہل ممتنع کمال حسن کلام ہو، اور بلاغت کی نہایت ہو۔ ممتنع در حقیقت ممتنع النظیر ہو.. شیخ سعدی کی بیشتر فقری اس صفت پر مشتمل ہیں۔ اور رشید وطواط وغیرہ شعرائ سلف نظم میں اس شیوہ کی رعایت منظور رکھتی ہیں۔ خود ستائی ہوتی ہو۔ سخن فہم اگر غور کریگا تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پائیگا۔ » (۱)

جہانتک میرزا صاحب کی نثر اردو کا تعلق ہے واقعہ یہ ہے کہ وہ شیخ سعدی کی گلستان کی طرح بظاہر اسقدر سہل معلوم ہوتی ہے کہ انسان سمجھتا ہے میں بھی ایسا لکھ سکتا ہوں؛ مگر جب لکھنے بیٹھتا ہے تو ایک جملہ بھی نہیں لکھ سکتا۔ اور یہی کلام کی خوبی و کمال کی آخری حد ہے، جس تک رسائی کیلئے زورِ دماغ سے زیادہ بخششِ معنوی کی ضرورت ہے۔

برتری کا پہلا سبب۔ استعداد فارسی

میرزا صاحب کی اردو نثر کی برتری و دلچسپی کے متعدد اسباب ہیں، جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ میرزا صاحب ادبِ فارسی کے بے بدل ماهر تھے۔ اونہوں نے زبانِ فارسی کے وہ تمام محاسن، جو کئی ہزار نادرہ کار دماغوں کی گیارہ سو برس کی سعی و جانفشانی سے بہم پہنچے تھے، اردو جیسی کم عمر و تہی مایہ زبان کے دامن میں بھر دیئے۔ اگر وہ فارسی کے بلند پایہ ادیب نہوتے، تو اپنے کلامِ اردو میں اسقدر جدت، شیرینی اور تناسب پیدا نہکر سکتے۔ اور نہ یہ ممکن تھا کہ اس زمانہ میں، جبکہ تسکینِ ذوقِ ادب کے لئے روزانہ نیا میدان تلاش کیا جا رہا ہے، اور تقریباً ہر سال اردو انشا کا طرزِ ادا بیرونی ادبیات سے نئے اثرات قبول کرتا جاتا ہے، میرزا صاحب کا کلام زبانِ اردو میں پائیدار حیثیت حاصل کر سکتا۔ یہ دراصل زبانِ فارسی کی دولتِ بے پایان تھی، جو میرزا صاحب کی انشا کو میسر آ گئی ہے۔ اسی

کے سہارے میرزا صاحب کی حیاتِ ادبی کی بقا ہے، جو اسوقت تک بمات سے مبدل نہیں ہو سکتی جب تک اردو زبان بھی فارسی کے برابر قدیم اور ترقی یافتہ نہو جائے۔

دوسرا سبب. خطوط سے تفریح

میرزا صاحب کی کامیابی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اردو مکاتبت اونکے تفریحی مشغولوں کا جزو بن گئی تھی۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے اپنا اور مکتوب الیہ کا دل بہلانے کی خاطر لکھا کرتے تھے۔ قدرت نے ظریف طبیعت عطا کی تھی، اسلئے خطوط سے خود لطف اوٹھانے اور دوسروں کیلئے سامانِ انبساط مہیا کرنے میں اونہیں خاطر خواہ کامیابی بھی ہوئی۔ لیکن غدر سنہ ۵۷ ع کے بعد تمام مشاغل میں سے صرف اسی ایک مشغلہ پر انحصار کرنا پڑا۔ یہ دور اہلِ ہند کیلئے عموماً اور دہلی کیلئے خصوصاً سخت ابتلا و مصائب کا دور تھا، جس نے اعزاء و احباب کی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اوتار کر بقیہ اصحاب کو شہر بدر کر دیا تھا، اور میرزا صاحب ہندوستان کے برِ اعظم میں اپنے آپکو یکہ و تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ اسلئے اس عہدِ افسردگی کو فرحت و انبساط کیساتھ گزارنے کی یہی ایک ترکیب باقی تھی کہ جو دو چار دوست آشنا رہ گئے تھے ان سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اس طرح اپنا غم اونہیں سنانے اور اونکا فسانہ خود سننے کا موقع ملیگا اور کچھ غم غلط ہو جایا کریگا۔ چنانچہ میرزا صاحب نے یہی کیا۔ اور یہی میر مہدی مجروح، میرزا تفتہ، خواجه غلام غوث خان بہادر بینخبر اور چند دیگر اصحاب سے کثرتِ مراسلت کا باعث بھی تھا۔ ان میں سے جسکا خط آتا اوسکو جواب، اور جسکا نہ آتا اوسکو شکوہ و عتاب لکھتے رہتے۔ اس زمانے میں ایکبار ہرگوپال تفتہ نے کوتاہ قلمی سے کام لیا، اور ایک ماہ تک کوئی نیازنامہ نہ بھیجا، تو میرزا صاحب نے ۱۹ جون سنہ ۵۸ ع کو پر حسرت انداز میں لکھا:

و کیوں صاحب؟ مجھ سے کیوں خفا ہو؟ آج مہینا بھر ہو گیا ہوگا، یا بعد دو چار دن کی ہو جائیگا، کہ آپکا خط نہیں آیا۔ انصاف کرو کتنا کثیرالاجاب آدمی تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میری پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔ اب یاروں میں ایک شیو جی رام برہمن اور بالکنند اوسکا بیٹا یہ دو شخص ہیں کہ گاہ گاہ آتے ہیں۔ اس سے گزر کر لکھنؤ اور کالپی اور فرخ آباد اور کس کس ضلع سے خطوط آتے رہتے تھے۔ اوں دوستوں کا حال ہی نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔ وہ آمد خطوط کی موقوف۔ صرف تم تین صاحبوں کی خط کی آتی کی توقع۔ اوس میں وہ دونوں صاحب گاہ گاہ۔ ہاں ایک تم کہ ہر مہینے میں ایک دو بار مہربانی کرتے ہو۔ سنو صاحب اپنی پر لازم کر لو ہر مہینے میں ایک خط بھجو لکھنا۔ اگر کچھ کام آ پڑا دو خط تین خط، ورنہ صرف خیر و عافیت لکھی اور ہر مہینے میں ایکبار بھیج دی ۰۰ (۱)

اسکے بعد پھر تفتہ سے تاخیر ہوئی، تو میرزا صاحب نے ۱۳ نومبر سنہ ۵۸ ع کو مزاحاً تحریر کیا:

و کیوں صاحب؟ کیا یہ آئین جاری ہوا ہے کہ سکندرآباد کی رہنے والی دلی کی خاک نشینوں کو خط نہ لکھیں؟ بھلا اگر یہ حکم ہوا ہوتا تو یہاں بھی تو اشتہار ہو جاتا کہ زہار کوئی خط سکندرآباد کو یہاں کی ڈاک میں نہ جاوی۔ ۰۰ (۲)

لیکن میرزا تفتہ نے اسکے بعد بھی تساہل سے کام لیا، تو میرزا صاحب نے ۷ دسمبر سنہ ۵۸ ع کو لجاجت سے لکھا:

و کیوں صاحب؟ روٹھی ہی رہو گی یا کبھی منو گی بھی۔ اور اگر کسی طرح نہیں منو تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوں کی بھروسہ جیتا ہوں۔ یعنی جسکا خط آیا۔ میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہتے ہوں۔ بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے۔ ایک دو صبح کو اور ایک دو شام کو۔

میری دلگی ہو جاتی ہے

دن اونکو پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب دس دس بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ یعنی تم نہیں آؤ۔ خط لکھو صاحب۔ نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ آدہ آؤ میں بخل نہ کرو۔ ایسا ہی ہو تو بیرنگ بھیجو۔ ۰۰ (۳)

لفافی بنا کر دل بہلاتی

اس زمانہ میں میرزا صاحب غم غلط کرنے کے اسقدر درپے تھے کہ جب خط و کتابت کے بعد بھی وقت بچ رہتا تو آئندہ مراسلت کیلئے لفافے

بنانے لگتے۔ چنانچہ اپنے ایک دوست منشی نبی بخش کے مکتوب مورخہ ۲۲ ستمبر سنہ ۵۸ ع میں لکھتے ہیں :

واللہ ! اللہ ! یہ دن بھی یاد رہیں گے۔ خط سو خط لکھ کر گئی ہیں۔ مجھ کو اکثر اوقات لفافے بناؤ میں گزر رہی ہیں۔ اگر خط نہ لکھوں گا تو لفافے بناؤں گا۔ (۱)

منشی شیو نراین اکبر آبادی کو یہ لفافے دیکھ کر خیال پیدا ہوا کہ میرزا صاحب تنگدستی کی وجہ سے سادہ لفافے بازار سے نہیں خرید سکتے۔ یہ سوچ کر اونہوں نے کچھ لفافے بھیجے، اور بذریعہ تحریر ارسال کی اطلاع دی۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا :

لفافوں کی خبر پہنچی۔ آپ نے کیوں تکلیف کی؟ لفافے بنانا دل کا بہلانا ہی۔ بیکار آدمی کیا کریں۔ بہر حال جب لفافے پہنچ جائیں گے ہم آپ کا شکر بجا لائیں گے۔ ہرچہ از دوست میرسد نیکوست۔ (۲)

تیسرا سبب۔ خط نہیں باتیں

تیسرا سبب یہ ہے کہ میرزا صاحب نے تحریر کو تقریر کا پیرایہ دیدیا تھا۔ وہ جب کسی دوست کو خط لکھتے، مخاطب میں وہی انداز اختیار کرتے جو مکتوب الیہ سے ملاقات کیوقت زیبا ہوتا۔ اور چونکہ ہر شخص گفتگو میں سادگی، برجستگی اور ظرافت پسند کرتا ہے، اور یہ سب خوبیاں انکی تقریر میں موجود تھیں، اسلئے انکی تحریر میں بھی وہی دلچسپی نظر آتی تھی، جو تقریر میں تھی۔ دراصل میرزا صاحب اس قسم کی مراسلت اختیار کرنے پر مجبور بھی تھے۔ انہیں دور افتادہ دوستوں کو اپنی پریشانیوں سنانی تھیں۔ اگر یہ پریشانیوں قدیم اندازِ تحریر کے لباس میں جلوہ گر ہوتیں، تو مکتوب الیہم بہت جلد اوکٹا جاتے، اور میرزا صاحب کو مراسلت کا زیادہ موقع نہ ملتا۔ لہذا انہوں نے اپنے تمام خطوط کو مکالمہ بنا کر اوس میں طبعی ظرافت کی تخم ریزی کی، جسکے سبب سے احباب ان کے خطوں کے انتظار میں رہا کرتے اور اجنبی اصحاب طرح طرح سے سلسلہ مراسلت شروع کرنے کی کوشش کرتے۔

چونکہ میرزا صاحب نے یہ طریقہ جان بوجھکر اختیار کیا تھا، اسلئے جب انہیں اسکی کامیابی کا یقین آگیا تو اسکی ایجاد کو خراً اپنی ذات کی طرف منسوب بھی کیا ہے۔ مرزا حاتم علی مہر کے نام کے ایک خط میں فرماتے ہیں:

» مرزا صاحب! میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے زبان قلم باتیں کیا کرو۔ ہجر میں وصال کی مزی لیا کرو۔ « (۱)

میرزا تفتہ کو لکھا ہے:

» بھائی! مجھ میں تم میں نامہ نگاری کاہو کوہی، مکالمہ ہو۔ « (۲)

منشی نبی بخش صاحب کو تحریر کیا ہے:

» بھائی! مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے، کہ یہ ہم تم اور مرزا تفتہ میں مراسلت گویا مکالمت ہوگئی ہے۔ روز باتیں کرتے ہیں۔ اللہ! اللہ! یہ دن بھی یاد رہینگے۔ خط سے خط لکھی گئی ہیں۔ ... غنیمت ہے کہ محصل آدمہ آئے ہیں۔ ورنہ باتیں کرنیکا مزہ معلوم ہوتا۔ « (۳)

حکیم غلام نجف خان کے خط کے آخر میں لکھا ہے:

» اسوقت جی تم سے باتیں کرنیکو چاہا۔ جو کچھ دل میں تھا وہ تم سے کہا۔ « (۴)

نواب انورالدولہ بہادر کی خدمت میں بھی اسی طرح عرض کیا ہے:

» پیر و مرشد! یہ خط لکھنا نہیں ہے۔ باتیں کرنی ہیں۔ « (۵)

انہیں کو ایک خط کے آخر میں لکھتے ہیں:

» اب میں حضرت سے باتیں کرچکا۔ خط کو مرنامہ کرکے کبار کو دیتا ہوں۔ « (۶)

خواجہ غلام غوث خان بہادر پیخبر کو لکھا ہے:

» اسی افسردگی میں جی چاہا کہ حضرت سے باتیں کروں۔ با آنکہ خط جواب طلب نہ تھا جواب

لکھنی لگا۔ « (۷)

میرزا صاحب احباب سے بھی اسی طرح کی مراسلت کے امیدوار تھے۔ اسلئے کوئی اونکے تتبع میں مراسلہ کو مکالمہ کا رنگ دیدیتا تو تعریف کیا کرتے۔ ایکبار مرزا تفتہ نے خط لکھا۔ میرزا صاحب کو اوسکا پیرایہ بیان بے حد پسند آیا۔ چنانچہ اظہارِ خوشنودی کیلئے انہیں لکھتے ہیں:

» جیسی رہو اور خوش رہو۔ ... زیادہ خوشی کا سبب یہ کہ تمہو تحریر کو تقریر کا پرداز

دیدیا تھا۔ « (۸)

(۱) اردو معلیٰ، ص ۲۵۸ (۲) ایضاً، ص ۵۸ (۳) ایضاً، ص ۲۷۲ (۴) ایضاً، ص ۲۲۶

(۵) ایضاً، ص ۲۱۲ (۶) ایضاً، ص ۲۹۷ (۷) ایضاً، ص ۲۷۶ (۸) ایضاً، ص ۱۰۴

میرزا صاحب کی یہ خصوصیت اونکی انشا پر اسقدر چھٹا گئی تھی کہ دربارِ رامپور کی مراسلت میں بھی، جو میرزا صاحب کی سنجیدہ ترین مکاتبت ہے، اسکا اثر نمایاں ہے؛ حتیٰ کہ ایک عریضہ میں میرزا صاحب نے نواب فردوس مکان کو صاف صاف لکھ دیا ہے، کہ

» یہ تحریر نہیں۔ مکالمہ ہی۔ گستاخی معاف کروا کی اور آپ سے اجازت لی کہ بطریق انبساط عرض کرتا ہوں، کہ یہ سوا سو روپیہ، جو تورہ و خلعت کے نام سے مرحمت ہوئی ہیں، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ کھا جاؤنگا اور اس میں لباس نہ بناؤنگا، تو میرا خلعت حضور پر باقی رہیگا یا نہیں؟ « (۱)

مراسلت کا محمد شاہی طرز

میرزا صاحب کے وقت تک اردو فارسی دونوں زبانوں کی خط و کتابت کا انداز یہ تھا کہ شروع میں بھاری بھر کم القاب و آداب لکھے جاتے، زان بعد متعلقین کی خیریت کی اطلاع واستفسار ہوتا اور اسکے بعد استعاروں تشبیہوں اور کنایوں کے پردے میں دو چار مطلب لکھ کر عربی یا فارسی دعائیہ جملے پر خط ختم کر دیا جاتا۔ میرزا صاحب ابتدا سے اس روش کو ناپسند کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مکتوب الیہ کے مناسب حال دو چار لفظ کا القاب لکھ کر سیدھے سادھے جملوں میں اظہارِ مطالب کر دیا جائے۔ » پنج آہنگ « کے دیباچہ میں اس روش سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

» بیگانگی این روش از شیوۂ غالب مستمند نہ چندانست کہ بگفتن نیاز داشته باشد۔ و ادا شناس داند کہ ہنجا من در نگارش این است کہ چون کاک و ورق بکف گیرم مکتوب الیہ را بلفظ کہ فراخور حالت اوست در سر آغاز صفحہ آواز دهم، و زمزمہ سنج مدعا گردم۔ القاب و آداب و خیریت گوئی و عافیت جوئی حشو زائد است۔ و پختگان حشو را دفع نہند۔ « (۲)

میرزا صاحب نے مراسلت کی اوس روش کا نام جس میں بڑے بڑے القاب و آداب اور حشو و زوائد سے پُر خیریت گوئی و عافیت جوئی کے جملے ہوتے » محمد شاہی روش « رکھا تھا۔ اور اس سے اسقدر بیزار تھے کہ میر مہدی مجروح کے نام کے ایک خط میں اسکا مضحکہ اوڑایا ہے۔ فرماتے ہیں :

وہاں صاحب ! تم کیا چاہتی ہو ؟ مجتہد العصر کی مسودہ کو اصلاح دیکر بھیج دیا ۔ اب اور کیا لکھوں ۔ تم میری ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں ۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں ۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے ۔ لغافہ کو کریدا کرو ۔ مسودہ کو بار بار دیکھا کرو ۔ پاؤگو کیا ؟ یعنی تمکو وہ محمد شاہی روشن پسند ہیں — یہاں خیریت ہے ۔ وہاں کی عافیت مطلوب ہے ۔ خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا ۔ جی خوش ہوا ۔ مسودہ بعد اصلاح کی بھیجا جاتا ہے ۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا ، اور دعا کہنا ۔ اور ہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا ۔ لازماً سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو — کیون سچ کہیو آگاہوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی ؟ ہاؤ کیا اچھا شیوہ ہے ! جتنک یوں نہ لکھو وہ خط ہی نہیں ہے ۔ چاہ بڑ آب ہے ۔ ابر بڑ باران ہے ۔ نخل بڑ میوہ ہے ۔ خانہ بڑ چراغ ہے ۔ چراغ بڑ نور ہے ۔ ہم جانتے ہیں تم زندہ ہو ۔ تم جانتے ہو کہ تم زندہ ہیں ۔ امر ضروری کو لکھ لیا ۔ زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا ۔ اور اگر تمہاری خوشنودی اوس طرح کی نگارش پر منحصر ہے ، تو بھائی ساڑھی تین سطرین ویسی بھی مین لکھ دین ۔ کیا نماز قضا نہیں پڑھتی ؟ اور وہ مقبول نہوگی ؟ (۱)

نواب انور الدولہ سعد الدین خان بہادر شفق کو خط لکھا ہے ۔ اوس میں القاب و آداب سے آغاز کرنے کے بجائے انتہائی پاکیزہ اندازہ سے اس متعارف طرز کی سبکی اور عدم احتیاج کا اظہار کرتے ہیں ۔ ارشاد ہے :

» کیونکر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں ؟ ہاں اتنے ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں ۔ واہ ! کیا ہوش مندی ہے ، کہ قبلہ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں ، نہ القاب ، نہ آداب ، نہ بندگی ، نہ تسلیم ؟ سن غالب ! تم تجھے کہتے ہیں ، بہت مصاحب نہ بن ۔ ای ایاز ! حد خود بشناس ۔ مانا کہ تو کئی برس کے بعد نو بیت کی غزل لکھی ہو اور آپ اپنے کلام پر وجد کر رہا ہو ۔ مگر یہ تحریر کی کیا روش ہے ؟ پہلے القاب لکھ ۔ پھر بندگی عرض کر ۔ پھر ہاتھ جوڑ کر مزاج کی خبر پوچھ ۔ پھر عنایت نامہ کے آئینا شکر ادا کر ۔ (۲)

میرزا صاحب کی روش ۔ القاب و آداب

میرزا صاحب کے عہد میں جو روش پسند کیجاتی تھی اوسکے سمجھ لینے کے بعد ضروری ہے کہ خود میرزا صاحب کا انداز مراسلت و مکاتبت دریافت کیا جائے ۔ سب سے پہلے القاب و آداب کو لیجئے ۔ میرزا صاحب کے ہاں یہ اجزا اس قدر مختصر اور متعارف روش سے جدا ہیں کہ اونہوں نے انکے ترک کر دینے کا دعویٰ کر دیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

» پیر و مرشد ! یہ خط لکھنا نہیں ہے ۔ باتیں کرتی ہیں ۔ اور یہی سبب ہے کہ میں القاب و آداب نہیں لکھتا ۔ (۳)

در اصل اونہوں نے القاب و آداب کا پرانا فرسودہ طریقہ ترک کیا تھا۔ یہ نہ تھا کہ مکتوب الیہ کے مرتبہ کا لحاظ کئے بغیر ہر خط کو بغیر القاب و آداب کے شروع کر دیتے ہوں۔ اونہوں نے بزرگ یا بلند مرتبہ اصحاب کو جسقدر خط لکھے ہیں اون سب میں الفاظ اور پرداز کے تنوع کیساتھ یہ دونوں جزو موجود ہیں۔ مثلاً نواب فردوس مکان اور خلد آشیان طاب ثراہما کی خدمت میں جسقدر عرضیاں ارسال کی ہیں اون سب میں بجز ایک کے «حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے» ہوتا ہے۔ صرف چار پانچ عرضیوں میں لفظ (حضرت) ساقط ہو گیا ہے۔

البتہ بے تکلف احباب یا شاگردوں کے نام کے مکاتیب میں تنوع زیادہ ہے۔ کبھی تو سرے سے القاب ہوتا ہی نہیں۔ اور اگر ہے تو «میان، برخوردار، بھائی صاحب، سید صاحب، مرزا، میریجان، کیون صاحب، منشی صاحب بندہ پرور» یا اور کسی مختصر اور بے تکلف انداز کے الفاظ میں۔ کبھی کبھی مزاحاً چھوٹوں کو بھی «قبلہ و کعبہ، مولانا، یا پیر و مرشد» لکھ دیا ہے۔ بعض خطوط ایسے بھی نظر آتے ہیں جن میں پورا القاب تحریر کیا گیا ہے، مگر اوسمیں بھی سادگی و بے تکلفی مفقود نہیں ہوئی ہے۔ مثلاً میر سرفراز حسین صاحب کو لکھتے ہیں:

«نور چشم راحت جان میر سرفراز حسین جیتو رہو اور خوش رہو۔»

یا انہیں کو لکھا ہے:

«میری جان کو چین میر سرفراز حسین»

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے:

«میری مہربان، میری جان، مرزا تفتہ بخندان»

یا

«نور نظر لخت جگر مرزا تفتہ»

نواب علاء الدینخان بہادر علائی کو لکھتے ہیں:

«سعادت و اقبال نشان مرزا علاء الدینخان بہادر کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔»

یہی حال آداب و تسلیات کا ہے۔ نواب میر غلام بابا خان بہادر کو لکھا ہے:

« سلام مسنون الاسلام و دعای دوام دولت و اقبال کی بعد عرض کیا جاتا ہو .. »

بعض اصحاب کو لکھ دیا ہے: « فقیر غالب کا سلام » یا « سلام علیکم » یا « بعد دعا کے معلوم ہو » یا صرف « آداب » یا زیادہ مزاحیہ انداز میں « اگر خفا نہوں تو دعا اور اگر آزرده ہوں تو بندگی »، وغیرہ۔

خیریت گوئی و عافیت جوئی

خیریت گوئی سے میرزا صاحب سخت متفرق تھے۔ وہ اس حصہ کو حشو و زوائد شمار کرتے تھے، اسلئے کسی ایک خط میں بھی « یہاں خیریت ہے اور آپکی خیریت نیک مطلوب » نہیں پایا جاتا۔ ہاں مطالب کے ساتھ ساتھ اپنی خیریت کا ذکر اور مکتوب الیہ کی عافیت کا استفسار کر لیتے، اور اس روش کو « کارِ پختگان » شمار کرتے ہیں۔

اظہار مطالب (۱)

میرزا صاحب کا ادائی مطالب کا طریقہ بالکل ایسا ہے جیسے دو آدمی بالمشافہہ بات چیت یا سوال و جواب کرتے ہیں۔ مثلاً اونکو یہ لکھنا تھا کہ — محمد علی بیگ میرے کوٹھے کے نیچے سے گزرا۔ میں نے پوچھا کہ لوہارو کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ اوسنے کہا ابھی نہیں ہوئیں۔ میں نے پوچھا کیا آج جائینگے؟ اسنے کہا آج ضرور جائینگے۔ تیاری ہو رہی ہے — اس مطلب کو اونہوں نے اسطرح ادا کیا ہے:

« محمد علی بیگ ادھر سے نکلا۔ بھئی محمد علی بیگ! لوہارو کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ حضرت ابھی نہیں۔ کیا آج نہ جائینگے؟ آج ضرور جائیں گی۔ تیاری ہو رہی ہو .. »

میر مہدی مجروح کو خط لکھا ہے۔ اوسمین لکھنا یہ ہے کہ میر نصاحب آئے اور اونسے یہ باتیں ہوئیں۔ مگر وہ اسطرح نہیں لکھتے بلکہ اوسکو اسطرح شروع کرتے ہیں:

(۱) اس عنوان کی ماتحت جو کچھ لکھا گیا ہو وہ مولانا حالی کی یادگار غالب، ص ۱۷۶-۱۹۱ کا تلفظہ خلاصہ ہو۔

وای میرنصاحب! السلام علیکم! حضرت آداب. کہو صاحب آج اجازت ہی میر مہدی کو خط کا جواب لکھو کی؟ حضور میں کیا منع کرتا ہوں؟ مگر میں اپنی ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں. پھر آپ کیوں تکلیف کریں؟ نہیں میرنصاحب! اوسکی خط کو آتی ہوی بہت دن ہوی ہیں. وہ خفا ہوا ہوگا. جواب لکھنا ضرور ہی. حضرت وہ آپ کی فرزند ہیں. آپ سے خفا کیا ہونگی. بھائی! آخر کوئی وجہ تو بتلاؤ کہ تم بھی خط لکھنے سے کیوں باز رکھتی ہو؟ سبحان اللہ! ای لو حضرت آپ تو خط نہیں لکھتی، اور بھی فرمائی ہیں کہ تو باز رکھتا ہو. اچھا تم باز نہیں رکھتی مگر یہ کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتی کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں؟ کیا عرض کروں؟ سچ تو یہ ہو کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں سنتا اور خط اونٹھاتا. اب جو میں وہاں نہیں ہوں تو نہیں چاہتا کہ آپ کا خط جاوے. میں اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہوں. میری روانگی کو تین دن بعد آپ خط شوق سے لکھی گا. میان بیٹھو. ہوش کی خبر لو. تمہاری جائز نہ جائز سے بھی کیا علاقہ؟ میں بوڑھا آدمی، بھولا آدمی، تمہاری باتوں میں آگیا، اور آج تک اوسے خط نہیں لکھا. لا حول ولا قوۃ..

اسکے بعد میر مہدی سے مخاطب ہو کر اصل مطلب لکھتے ہیں.

بعضی جگہ مکتوب الیہ کو خطاب کرتے کرتے غائب فرض کر لیتے

ہیں. یہاں تک کہ جو لوگ مرزا کے انداز بیان سے واقف نہیں وہ اوسکو

مکتوب الیہ کا غیر سمجھ لیتے ہیں. مثلاً میر مہدی کو لکھتے ہیں:

میر مہدی! جیتو رہو! آفرین! صد ہزار آفرین! اردو لکھو کا کیا اچھا ذمہ لگایا ہی، کہ مجھکو رشک آؤ لگا ہی. سنو دلی کی تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہو. یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی. سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کی علی کا رہنیوالا لوٹ لیگا. مگر میں تو اوسکو بھل گیا. اللہ برکت دی!

مغربی طریقے پر جو قصے لکھے جاتے ہیں اونمیں اکثر اس قسم کے سوال

و جواب ہوتے ہیں جیسے کہ مرزا کی تحریروں میں ہم اوپر دکھا چکے ہیں.

مگر وہاں ہر سوال و جواب کے سرے پر سائل اور مجیب کا نام یا اونکے نامون

کی کوئی علامت لکھ دیتی ہے. ورنہ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ سوال کہاں

ختم ہوا اور جواب کہاں سے شروع ہوا؟ مرزا ایسے موقع پر سائل و مجیب

کا نام نہیں لیتے، اور نہ اونکے نام کی علامت لکھتے ہیں. مگر سوال یا

جواب کے ضمن میں ایک ایسا لفظ لے آتے ہیں جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے

کہ سوال کیا ہے اور جواب کیا.

مرزا کی طرزِ تحریر کی جو خصوصیتیں اوپر مذکور ہوئیں یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اور لوگ اوسکی پیروی نہ کر سکیں۔ مگر وہ چیز جس نے اونکے مکاتبات کو ناول یا ڈراما سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے وہ شوخیِ تحریر ہے، جو اکتساب یا مشق و مہارت یا پیروی و تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ ... معلوم ہوتا ہے کہ مرزا خط لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کو نصب العین رکھتے تھے کہ خط میں کوئی ایسی بات لکھی جائے کہ مکتوب الیہ اوسکو پڑھ کر محظوظ اور خوش ہو۔ پھر جس رتبے کا مکتوب الیہ ہوتا تھا اوسکی سمجھ اور مذاق کے موافق خط میں شوخیان کرتے تھے۔ مثلاً اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے۔ اوسمیں اونکی لڑکی کو، جو بچپن میں مرزا کے سامنے آتی تھی، اور اب جوان ہو گئی ہے، بعد دعا کے لکھتے ہیں :

» کیوں بھئی ! اب اگر ہم کول آؤ بھی تو تمکو کیونکر دیکھیں گے ؟ کیا تمہاری مالک میں بھیجیان چھا سو پردہ کرتی ہیں ؟ «

یا مثلاً نواب امیر الدین احمد خان رئیسِ لوہارو کو اونکے بچپن کے زمانے میں اونکے رقعے کا جواب، جس میں مرزا کو دادا صاحب لکھا تھا، اسطرح لکھتے ہیں :

» ای مردم چشم جهان بین غالب ! پتی القاب کو معنی سمجھ لو۔ یعنی چشمِ جهان بین غالب کی پتی۔ چشمِ جهان بین تمہارا باپ مرزا علاء الدین احمد خان بہادر، اور پتی تم۔ میان تمہاری دادا تو نواب امین الدین خان بہادر ہیں۔ میں تو صرف تمہارا دلدادہ ہوں۔ «

ایک دوست کو دسمبر سنہ ۵۸ ع کی اخیر تاریخوں میں خط لکھا ہے۔ اونہوں نے اوسکا جواب جنوری سنہ ۵۹ ع کی پہلی یا دوسری کو لکھ بھیجا۔ اوسکے جواب میں اونکو اسطرح لکھتے ہیں :

» دیکھو صاحب ! یہ باتیں ہمکو پسند نہیں۔ سنہ ۱۸۵۸ ع کی خط کا جواب سنہ ۱۸۵۹ ع میں بھیجتے ہو۔ اور مزایہ کہ جب تم سو کہا جائیگا تو یہ کہو گی کہ میں نے دوسری ہی دن جواب لکھا ہو۔ «

الغرض مرزا کے خطوط و رقعات میں ایسے خطوط بہت کم نکلیں گے جن میں اس قسم کی ظرافت اور ہنسی کی باتیں مندرج نہ ہوں۔ یہاں تک کہ رنج و افسردگی

کا بیان بھی اس قسم کی چھیڑ سے خالی نہیں ہوتا۔ منشی نبی بخش مرحوم کو لکھتے ہیں :

» بھائی صاحب ! میں بھی تمہارا ہمدرد ہو گیا۔ یعنی منگل کو دن ۱۸ ربیع الاول کو شام کیوقت میری وہ پھپی، کہ میں نے بچپن سے آجک اوسکو مان سمجھا تھا، اور وہ بھی بچکو بیٹا سمجھتی تھی، مرگئی۔ آپکو معلوم رہی کہ پرسون میری گویا نو آدمی مری۔ تین پھپیان اور تین چچا اور ایک باپ اور ایک دادی اور ایک دادا۔ یعنی اس مرحومہ کو ہونی سی میں جانتا تھا کہ یہ نو آدمی زندہ ہیں، اور اوسکو مرئی سی میں نے جانا کہ یہ نو آدمی آج ایکبار مر گئے۔«

مرزا نے بعض اردو خطون میں..... مُسَجَّع عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ عربی اور سنسکرت زبان کے سوا اور زبانوں کی مسجع ثرون میں عموماً یہ عیب ہوتا ہے، کہ دوسرے فقرے میں جو پہلے فقرے کی رعایت سے خواہ نحواً قافیہ تلاش کرنا پڑتا ہے تو اوسمیں تصنع اور آورد کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے، اور اسلئے پہلے فقرے کے مقابلے میں دوسرا فقرہ بسبب لزوم ما لا یلزم کے کم وزن ہو جاتا ہے۔ مگر مرزا کی مسجع نثر میں یہ بات بہت کم دیکھی جاتی ہے۔ دوسرے فقرے میں تقریباً ویسی ہی بے تکلفی پائی جاتی ہے جیسی پہلے فقرے میں۔ اور یہ بات اوسی شخص سے بن پڑتی ہے جو باوجود خوش سلیقگی اور لطفِ طبیعت کے شاعری میں غایت درجے کا کمال رکھتا ہو، اور وزن و قافیہ کی جانچ اور تول میں ایک عمر بسر کر چکا ہو۔ مگر یہ معلوم رہے کہ مُسَجَّع عبارت مرزا خاصکر اون خطون میں لکھتے تھے جن سے ہنسی یا ظرافت اور مخاطب کا خوش کرنا مقصود ہوتا تھا۔

عرایض کا طرز ادا

اگرچہ میرزا صاحب کے عرایض کا طرز ادا اون خطون کے مقابلے میں، جو «اردویِ معلیٰ» اور «عودِ ہندی» میں شایع ہو چکے ہیں، با تکلف ہے، اور یہاں وہ رنگا رنگی نہیں پائی جاتی جو مذکورہ مجموعوں کے خطوط کی جان ہے، تاہم یہ عرایض بھی اوسی نادرہ کار قلم کے رہیں منت ہیں، جو

ادبِ اردو کے دامنِ کوتاہ کو سدا بہار پھولوں سے بھر چکا ہے۔ اسلئے ان سرکاری درخواستوں میں بھی وہ سادگی، شوخی اور ظرافت موجود ہے، جسکے سبب ادائیِ مطلب میں میرزا صاحب کی انشا دیگر انشا پردازوں کی تحریروں سے گویِ سبقت لیٹتی ہے۔

لیکن یہ محاسن اور خطوط میں زیادہ نمایان ہیں، جن میں حسنِ طلب ہے۔ چونکہ سرکارِ رامپور میرزا صاحب کی مالی دستگیری کی واحد کفیل تھی، اسلئے وہ ہر ضرورت کے موقع پر سوال کر بیٹھتے تھے، اور یہ سوچ کر کہ ابھی سابق امداد کو زیادہ زمانہ نہیں ہوا ہے، ہمیشہ ایسے انداز سے سوال کرتے تھے کہ انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ مثلاً نواب فردوس مکان نے اپنے چھوٹے صاحبزادے سید حیدر علیخان بہادر کی شادی کے موقع پر میرزا صاحب کو تورہ اور خلعت کے نام سے ۱۲۵ روپیے نقد ارسال کئے ہیں۔ میرزا صاحب اس روپیہ کو خرچ کرنے کے بعد آئندہ کیلئے سبیل نکالتے ہوئے لکھتے ہیں:

» یہ تحریر نہیں مکالمہ ہی۔ گستاخی معاف کرواؤ اور آپ ہی اجازت لیکو بطریق انبساط عرض کرنا ہوں، کہ یہ سوا سو روپیہ، جو تورہ و خلعت کے نام سے مرحمت ہوئی ہیں، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ کھا جاؤنگا، اور اس میں لباس نہ بناؤنگا تو میرا خلعت حضور پر باقی رہیگا یا نہیں؟ « (۱)

نواب فردوس مکان کی وفات کے بعد نواب خلد آشیان کی خدمت میں قصیدہٴ تہنیت ارسال کیا ہے۔ یہاں سے صلہ میں تاخیر ہوتی ہے۔ میرزا صاحب کو روپیہ کی ضرورت ہے، اسلئے نامہٴ تقاضائی لکھتے ہیں، اور اوس میں بطور تقاضا ارشاد فرماتے ہیں:

» پیر و مرشد! حضرت فردوس مکان کا دستور تھا کہ جب میں قصیدہ بھیجتا، اوسکی رسید میں خط تحسین و آفرین کا، شرم آتی ہی کہتی ہوں مگر کہو بغیر بقی نہیں، دو سو پچاس کی ہندوی اوس خط میں ملفوف عطا ہوا کرتی تھی۔ یہ رسم بری نہیں ہو۔ اگر جاری رہی تو بہتر ہی ۴۰ « (۲)

ایکسال دلی میں بارش کم اور رامپور میں کافی ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

و اگرچہ بیان منہم اسقدر برسا ہی کہ جسکی پانی سی زمیندار حاصل فصل ربیع سی ہاتھ دھولین ، مگر چونکہ بفرمان ازلی میری رزق کی برات آپ پر ہی ، اور آپکی ملک میں بارش خوب ہوئی ہو ، ابر رحمت کی شکریہ میں ایک قطعہ ملفوف اس عرضی کی بھیجتا ہوں ۔ بنظر اصلاح انظم و اصلاح حال ملاحظہ ہو ۔ (۱)

نواب خلد آشیان نے جشنِ تخت نشینی میں شرکت کی دعوت دی ہے۔ اسکا شکریہ ادا کر کے لکھتے ہیں:

و حضرت کی خدمت میں نہ آؤنگا تو اور کہاں جاؤنگا ۔ وہ آگ برس رہی ہے کہ طیور کی پر چل رہی ہیں ۔ بعد آگ کی پانی برسینگا ۔ سفر خصوصاً بوڈھی رنجور آدمی کو دونوں صورت میں متعذر ۔ آفتاب میزان میں آیا ، اور ہنگامۂ آتش و آب رفع ہوا ، اور میں فی احرام بیت المعمور رامپور باندھا ۔ (۲)

ایک مرتبہ نواب خلد آشیان نے اپنی ایک فارسی نثر اصلاح کو بھیجی ہے ۔ میرزا صاحب بعض محاوروں کی تغلیط کرتے ہیں ۔ اہلِ دربار بہارِ عجم اور فرہنگِ جہانگیری وغیرہ لغات کے حوالہ سے اس اصلاح کو غلط بتاتے ہیں ۔ نوابصاحب یہ حوالے نقل کر کے میرزا صاحب سے اصلاح پر نظرِ ثانی کی درخواست کرتے ہیں ۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب نے تحریر کیا ہے :

و مجھو اس امر خاص میں نفس مطمئنہ حاصل ہو ۔ مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہو ۔ بحث کا طریقہ یاد نہیں ۔ میان انجو جامع فرہنگِ جہانگیری ، شیخ رشید راقم فرہنگِ رشیدی ، عظیمای عجم میں سی نہیں ۔ ہند انکا مولد ۔ ماخذ انکا اشعار قدما ۔ ہادی انکا انکا قیاس ۔ ٹیک چند اور سیالکوٹی مل انکی پیرو ۔ سبحان اللہ ! ہندی بھی اور ہندو بھی ! نور علی نور !! (۳)

باغِ بے نظیر کی نمایش کا حال اخبار میں پڑھا ہے ، اور چاہتے ہیں کہ نوابصاحب کو اس جشنِ بینظیر کی مبارکباد دیں ۔ اس مضمون کو اسطرح ادا فرماتے ہیں :

و نمایشگاہ سراسر سور رامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں ، اور خونِ جگر کھاتا ہوں ، کہ ہا ! میں وہاں نہیں ۔ بالاخانہ پر رہتا ہوں ۔ اوتر نہیں سکتا ۔ مانا کہ آدمیوں کی گود میں لیکر

اوتارا، اور پالکی میں بٹھا دیا۔ کہاں چلی۔ راہ میں نہ مرا اور راپور پہنچ گیا۔ کہاں نہ جاکر بینظیر میں میری پالکی رکھ دی۔ پالکی قفس، اور میں طائر اسیر۔ وہ بھی بڑ پر وبال۔ نہ چل سکوں، نہ پھر سکوں۔ جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں، یہ سب بطریق فرض محال ہی۔ ورنہ ان امور کے وقوع کی کہاں مجال ہو؟ (۱)

نواب سکندر زمانی بیگم صاحبہ کی تعزیت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں۔ مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔ لازم تھا کہ تعزیت نامہ بزبان فارسی و عبارت بلیغ لکھوں۔ آپ کے قدموں کی قسم! دل نے قبول نہ کیا۔ آرایش گفتار، نظماً او نثرآ، واسطی تہنیت کی ہی، کہ دل کثرت نشاط سے گل کی طرح کھل رہا ہو۔ طبیعت راہ دیتی ہو۔ الفاظ ڈھونڈتی جاؤ ہیں۔ معنی پیدا کی جاؤ ہیں۔ اب میں نیم مردہ، دل پڑمردہ، خاطر افسردہ جس باب میں لفظ و معنی فراہم کیا چاہوں وہ سراسر طبع کے خلاف۔ جس بات کا تصور ناگوار ہو اوسکو تذکر سے جی کیون نہ بقرار ہو؟“ (۲)

نواب زین العابدین خان بہادر سے خواہش کرتے ہیں کہ اپنے نام کا خط سرکار کو دکھا دینا۔ مگر ساتھ ہی فرماتے ہیں:

”لیکن تم سے یہ توقع کیونکر پڑی؟ کس واسطے کہ تم نے اردو دیوان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا حال جناب عالی سے دریافت کر کر کب لکھا ہی، جو اس بات کا جواب لکھو گی۔“ (۳)

خاتمہ

میرزا صاحب خط کے آخر میں بالعموم ایک دو دعائیہ لفظ لکھا کرتے تھے۔ اردوی معنی و عود ہندی میں بعض مقامات پر یہ جزو متروک ہو گیا ہے، یا اپنی خیریت یا دنیا کی بے ثباتی سے متعلق کسی جملہ سے بدل گیا ہے۔ لیکن عرایض میں کبھی نظر انداز نہیں ہوا۔ ان میں ہمیشہ ”زیادہ حد ادب۔ تم سلامت رہو ہزار برس * ہر برسی ہوں دن پچاس ہزار“

یا

”تم سلامت رہو قیامت تک * دولت و عز و جاہ روز افزون“

تحریر کیا کرتے تھے۔ چونکہ اس جزو میں کوئی ادبی خوبی میرزا صاحب کے ہاں بھی نہیں پائی جاتی، اسلئے تمثیل و استشہاد بیکار ہو گا۔

کاتب کا نام

میرزا صاحب کاتب کی شخصیت کا تعین بھی نئے اسلوب سے کرتے تھے۔

عام انشا پردازوں کی طرح آخر میں نام لکھنے کا طریقہ اونکے ہاں صرف پُر تکلف مراسلت کیساتھ مخصوص تھا۔ وہ مساویانہ یا بزرگانہ خط و کتابت میں کبھی خط کے شروع یا درمیان میں اس طرح نام لکھتے ہیں، کہ مکتوب الیہ کو خیال تک نہیں ہوسکتا کہ یہاں نام لکھنے سے مقصود کاتب کا تعارف ہے۔ مثلاً خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو لکھا ہے:

» قبلہ! کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہی، کہ کوئی ہمارا دوست، جو غالب کہلاتا ہی، وہ کیا کھاتا پیتا ہی اور کیونکر جیتا ہو؟ « (۱)

یا مثلاً نواب انور الدولہ بہادر شفق کو تحریر کیا ہے:

» کیونکر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں؟ ہاں اتنی ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔ واہ! کیا ہوشندی ہو کہ قبلہ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں، نہ القاب، نہ آداب، نہ بندگی، نہ تسلیم؟ سن غالب! ہم تجھے سو کہتے ہیں بہت مصاحب نہ بن۔ « (۲)

اور کبھی آخر میں نام لکھتے ہیں، جو پیشتر تو اونکا تخلص « غالب » ہوتا ہے، اور تنہا یا کسی ہمقافیہ فقرہ کیساتھ آتا ہے۔ مثلاً

» بندہ علی ابن ایطال آرزومند مرگ غالب، نجات کا طالب غالب، عفو جرم کا طالب غالب، داد کا طالب غالب، اس خط کی رسید کا طالب غالب، ترحم کا مستحق اور تفقد کا طالب غالب، وغیرہ۔ «

لیکن بعض خطوط میں اصلی نام « اسد اللہ خان » یا « اسد اللہ » یا صرف « اسد » یا « اسد اللہ خان غالب » یا « اسد اللہ غالب » بھی لکھا ہے، نواب فردوس مکان کے نام کے ایک عریضہ میں « اسد اللہ » کیساتھ بھی ایک ہمقافیہ فقرہ استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

» عرضداشت ہوا خواہ اسد اللہ۔ « (۳)

متعدد خطوط میں میرزا صاحب نے یہ جزو ترک کر دیا ہے۔ ان میں چند ایسے ہیں جن میں کنایۂ نام آگیا ہے۔ مثلاً نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھتے ہیں:

» تاریخ اوپر لکھ آیا۔ نام اپنا بدلکر مغلوب رکھ لیا ہو۔ « (۴)

انہی کو دوسرے خط میں لکھا ہے :

» دن تاریخ صدر میں لکھ آیا ہوں . کاتب کا نام غالب ہو کہ دستخط سے پہچان جاؤ . « (۱)

ایک اور خط میں تحریر کیا ہے :

» ۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ ع کی بدھ کا دن صبح کی آٹھ بجے چاہتے ہیں . کاتب کا نام غالب ہی کہ تم

جانتے ہو گے . « (۲)

چودھری عبد الغفور سرور کو بالکل نئے انداز سے لکھا ہے :

» کاتب وہی ہو جو لفافہ ملفوفہ کا مکتوب الیہ ہو . « (۳)

باقی جن خطوں میں نام سر دست موجود نہیں ہے اونکے متعلق یہ سمجھنا چاہیے کہ یا تو ناقلوں نے نقل کرتے وقت نام چھوڑ دیا اور یا آخر میں نام کے بجائے » غالب « نقش کی مہر ثبت تھی ، جو نقل کرنے سے رہ گئی . ورنہ میں نے جسقدر میرزا صاحب کے سرکاری اور نجی خطوط دیکھے ہیں اون میں سے ایک بھی نام یا مہر سے خالی نہیں ہے .

تاریخ کاتب خطوط

میرزا صاحب خط کی تاریخ بھی ہمیشہ ایک انداز سے نہیں لکھا کرتے تھے . اونکی تنوع پسند طبیعت اس خشک جزو مکتوب میں بھی نئے نئے شگوفے کھلاتی ، اور وہ کبھی آغاز میں کبھی درمیان میں اور کبھی آخر میں تاریخ ثبت کرتے . تاریخ کے ساتھ ساتھ بعض وقت دن گھڑی اور سال بھی تحریر کرتے تھے . انگریزی و ہجری تاریخوں میں سے اونکے ہاں بسا اوقات صرف انگریزی یا صرف ہجری اور کبھی کبھی دونوں پائی جاتی ہیں . مگر سنیں لکھنے کا التزام کم اور علامت ہجری و عیسوی کا التزام کمتر ہے .

آغاز کی تاریخ

میرزا صاحب موجودہ یوروپین طرز کے مطابق القاب و آداب سے قبل تاریخ بہت کم لکھتے تھے . اونکے ہاں القاب کے بعد آغاز مطلب میں تاریخ زیادہ ہوتی ہے . چنانچہ میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں :

» میان ! آج یکشنبہ کا دن ساتون فروری کی اور شاید بائیسویں جمادی الثانی کی ہو ۔ دوپہر کے وقت شیخ مشرف علی رہنمائی والی استاد حامد کے کوچہ کے میری پاس آؤ ، اور اونہوں نے تمہارا خط لکھا ہوا ۱۵ جمادی الثانی کا دیا ۔ (۱)

یوسف مرزا صاحب کو لکھا ہے :

» آؤ صاحب ! میری پاس بیٹھ جاؤ ۔ آج یکشنبہ کا دن ہو ساتون تاریخ رمضان کی اور اونیسویں اپریل کی ۔ (۲)

مرزا تقی کو تحریر کرتے ہیں :

» آج منگل کے دن پانچویں اپریل کو تین گھنٹے دن رہی ڈاک کا ہرکارہ آیا ۔ (۳)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے :

» چار شنبہ ۱۸ مئی ... بقول عوام باسی عید کا دن صبح کا وقت ۔ (۴)

نواب انور الدولہ بہادر کو لکھتے ہیں :

» خداوند نعمت ! آج دو شنبہ ۶ رمضان کی اور ۱۵ فروری کی ہو ۔ اسوقت کہ بارہ پر تین بجے ہیں ، عطوفت نامہ پہنچا ۔ (۵)

خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کو تحریر کیا ہے :

» جناب عالی ! آج دو شنبہ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۹ کی ہو ۔ پھر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر رہا ہو ۔ ترشح ہو رہا ہو ۔ ہوا سرد چل رہی ہو ۔ پٹنی کو کچھ میسر نہیں ۔ ناچار روٹی کھائی ہو ۔ (۶)

وسط کی تاریخ

مطالب کے ضمن میں میرزا صاحب تاریخ اسطرح لکھتے ہیں کہ بظاہر پڑھنے والے کو تاریخ نویسی کا خیال نہیں گزرتا ۔ بلکہ تاریخ بھی منجملہ مطالب معلوم ہوتی ہے ۔ مثلاً نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے :

» تمہاری پاس جو قاطع برہان پہنچی ہو اگر چہاڑ کی ہو تو صحیح ہو ۔ جہاں تردد ہو غلطنامہ ملحقہ میں دیکھ لو ۔ زیادہ انکشاف منظور ہو مجھ سے پرچہ لو ۔ اور اگر قلمی ہو تو درجہ اعتبار سے ساقط ہو ۔ اوسکو میری تالیف نہ سمجھو ۔ بلکہ مجھکو مول لیلو اور اوسکو پہاڑ ڈالو ۔ آج یوم الخیس ۱۹ جون المبارک بارہ پر تین بجے تمہارا خط آیا ۔ اودھر پڑھا ، ادھر جواب لکھو بیٹھا ۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی آؤ ۔ تمہارا خط اونکو دیا ۔ وہ پڑھ رہی ہیں ۔ ہم لکھ رہے ہیں ۔ ابر آیا ہوا ہو ۔ ہوا سرد چل رہی ہو ۔ (۷)

شاہ عالم صاحب مارہروی کو تحریر کیا ہے :

- | | | | |
|----------------------|-------------------|------------------|-------------------|
| (۱) اردو مٹی ، ص ۱۵۶ | (۲) ایضاً ، ص ۳۳۰ | (۳) ایضاً ، ص ۴۵ | (۴) ایضاً ، ص ۴۴۶ |
| (۵) ایضاً ، ص ۲۹۵ | (۶) ایضاً ، ص ۲۷۵ | (۷) ایضاً ، ص ۱۲ | |

» یای تختانی لکھ چکا تھا کہ ایک چپراسی آیا ، اور اوسو خط تمہاری نام کا ٹکٹ لگا ہوا دیا اور کہا کہ ڈپٹی صاحب ذی سلام کہا ہی اور یہ خط دیا ہی ۔ اب میں یہ خط اپنا مع اونکو خط کی ڈاک گھر میں بھیجتا ہوں ۔ صبح کا وقت یکشنبہ کا دن ۸ صفر اور ۲۵ اگست کی ہی ۔ ڈپٹی صاحب چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں رہتے ہیں ۔ « (۱)

میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں :

تمہاری شکایتیں بیجا کا جواب یہ ہے کہ تم ذی جو خط مجھ کو پانی پت سے بھیجا تھا ، اور کرناں کی روانگی کی اطلاع دی تھی ، میں ذی تجویز کر لیا تھا کہ جب کرناں سے خط آئیگا تو میں جواب لکھوں گا ۔ آج شنبہ ۱۵ اکتوبر صبح کا وقت ، ابھی کھانا پکا بھی نہیں ، تبرید پی کر بیٹھا تھا کہ تمہارا خط آیا اور پڑھا اور یہ جواب لکھا ۔ « (۲)

خاتمہ کی تاریخ

خاتمہ کی تاریخ میں بھی میرزا صاحب موجودہ رسم تحریر کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں ۔ اونکے ہاں آخری تاریخ کا مذکور بھی ضمن مطالب میں ہوتا ہے ۔ البتہ عرایض میں دو چار مقامات کے علاوہ ہر جگہ خط ختم کرنیکے بعد نام سے قبل یا بعد تاریخ ثبت کی ہے ۔ مثلاً مرزا حاتم علی مہر کو لکھا ہے :

» دو شنبہ کا دن ۲۰ دسمبر کی صبح کا وقت ہے ۔ انگلیشی رکھی ہوئی ہے ۔ آگ تاپ رہا ہوں ، اور خط لکھ رہا ہوں ۔ یہ اشعار یاد آگئی ۔ تمکو لکھ بھیجو ۔ والسلام ۔ « (۳)

منشی حبیب اللہ خان ذکا کو تحریر کیا ہے :

» جواب خط کا طالب غالب ۔ سہ شنبہ از روی جنتری ۲۶ اور از روی رویت ۲۵ رجب سنہ ۱۲۸۳ھ اور ۴ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع ۔ « (۴)

نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھتے ہیں :

» ۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ ع کی بدہ کا دن صبح کو آٹھ بجے چاہتی ہیں ۔ کاتب کا نام غالب ہے کہ تم جانتے ہو گے ۔ « (۵)

انہی کو لکھتے ہیں :

» ... مرقومہ شنبہ یکم جون وقت صبح چھ بجے سات کو عمل میں ۔ « (۶)

خاتمہ میں اعادۂ تاریخ

کبھی کبھی میرزا صاحب آغاز میں تاریخ لکھ دینے کے بعد خاتمہ میں

(۱) اردوی معنی ، ص ۲۰۲	(۲) ایضاً ، ص ۱۸۰	(۳) ایضاً ، ص ۲۶۷
(۴) ایضاً ، ص ۴۳	(۵) ایضاً ، ص ۴۴۲	(۶) ایضاً ، ص ۴۰۸

اوسکا دوبارہ اجمالی ذکر کرتے ہیں . مثلاً نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھا ہے :

» دن تاریخ اپنا نام آغاز کتابت میں لکھ آیا ہوں . اب ارسال جواب کی تاکید کی سوا اور کیا

لکھوں . (۱)

انہی کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں :

» دن تاریخ صدر میں لکھ آیا ہوں . کاتب کا نام غالب ہی کہ دستخط سی پہچان جاؤ . (۲)

انہی کو سہ بارہ تحریر کیا ہے :

» تاریخ اوپر لکھ آیا . نام اپنا بدل کر مغلوب رکھ لیا ہی . (۳)

وقت کتابت کا ماحول

بعض اوقات میرزا صاحب تاریخ کے علاوہ خط لکھتے وقت کی حالت کا نقشہ بھی مکتوب الیہ کی نگاہوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے ، تا کہ مکتوب الیہ یہ محسوس کر کے کہ خود میرزا صاحب کے پاس بیٹھا ہوا اونکی زبان سے مکتوبہ واقعات سن رہا ہے ، مطالب خط سے زیادہ لطف اندوز ہو . مثلاً گرمی کا موسم ہے . رامپور کے پہلے سفر سے واپس دلی پہنچے ہیں . میر مہدی مجروح کی فرمائش پر روداد سفر لکھی ہے . اسکے آخر میں فرماتے ہیں :

» کوٹھری میں بیٹھا ہوں . ٹٹی لگی ہوئی ہے . ہوا آ رہی ہے . پانی کا جھجر دھرا ہوا ہے . حقہ

پی رہا ہوں . یہ خط لکھ رہا ہوں . تم سی باتیں کرڈ کو جی چاہا . یہ باتیں کر لین . (۴)

برسات کے موسم میں خواجہ غلام غوث خان بہادر بینخبر کو تحریر کرتے ہیں :

» پھر دن چڑھا ہوگا کہ ابر گھر رہا ہو . ترشح ہو رہا ہو . ہوا سرد چل رہی ہے . پیڑی کو کچھ

میسر نہیں . ناچار روٹی کھائی ہے .

افقہا پر از ابر بہمن مہی * سفالینہ جام من از می تہی

غمزدہ و درد مند بیٹھا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا . (۵)

نواب انور الدولہ بہادر کو لکھتے ہیں :

(۳) ایضاً . ص ۳۹۵

(۲) ایضاً ، ص ۴۳۴

(۱) اردوی معلی ، ص ۴۴۸

(۵) ایضاً ، ص ۲۷۵

(۴) ایضاً ، ص ۱۶۲

» پیر و مرشد ! شب رفتہ کو مینہ خوب برسا . ہوا مین فرط برودت سی گزند پیدا ہو گیا . اب صبح کا وقت ہو . ہوا ٹھنڈی و گزند چل رہی ہو . ابر تک محیط ہو . آفتاب نکلا ہو ؛ پر نظر نہیں آتا ہو . (۱)

انہی کو ایک اور خط مین لکھا ہے :

پیر و مرشد ! ۱۲ بجی تھو . مین تنگا اپنی ہلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا . مین نے کھولا . پڑھا . بھلی کو انگرکھا یا کرتا گئی مین نہ تھا . اگر ہوتا تو مین گریبان پہاڑ ڈالتا . حضرت کا کیا جاتا ؟ میرا نقصان ہوتا . (۲)

میرزا صاحب کا املا

میرزا صاحب اردو الفاظ کے املا مین یای معروف و مجہول اور ہای سادہ و مخلوط کا فرق نہیں کرتے . اور ابتدائی الف مکسورہ و مضمومہ کے فرق کیلئے ہمیشہ موخر الذکر کو باضافہ (و) تحریر کرتے ہیں . چنانچہ اونکے ہان «اُس» بواو اور «اِس» بغیر واو پایا جاتا ہے . بعض الفاظ مختلف خطوط مین مختلف املا سے لکھے ہیں . مثلاً ہاتھ کو کبھی «ہاتھ» اور کبھی «ہات» لکھا ہے .

انگریزی الفاظ کا تلفظ بھی بیشتر غلط کیا ہے . اسی لئے اونکا املا بھی درست نہیں ہے . مثلاً «پنشن» کو «پنسن» اور «لارڈ» کو «لاژڈ» اور «بورڈ» کو «بورڈ» لکھتے ہیں . (۳) اسی طرح ایک دو جگہ عربی الفاظ کو بھی غلط لکھا ہے . مثلاً «بالکل» کو «بالکل» دو الفون کیساتھ لکھ دیا ہے ، جو درست نہیں . (۴)

ایک پیرا گراف کے خاتمہ اور دوسرے کے آغاز کے اظہار کیلئے کبھی تو نئے پیرا کے پہلے حرف پر اس شکل (س) کی علامت بناتے ہیں ، اور کبھی بارہ کا ہندسہ لکھتے ہیں ، جو لفظ «حد» کا عدد ہے . مرزا حاتم علی مہر کو اس عدد کے التزام کی وجہ بھی لکھی ہے . فرماتے ہیں :

» صاحب ! بندہ اثنا عشری ہوں . ہر مطلب کی خاتمہ پر بارہ کا ہندسہ کرتا ہوں . (۵)

(۱) اردوی معلی ، ص ۳۰۰ (۲) ایضاً ، ص ۳۰۳ (۳) مکاتیب ، ص ۱۲ و ۱۵ و ۲۲ و ۱۱۰

(۴) ایضاً ، ص ۳۳ (۵) اردوی معلی ، ص ۲۵۷

ہجری اور عیسوی سنہ کے اظہار کیلئے میرزا صاحب »ھ« اور »ع« بھی استعمال کرتے تھے۔ لیکن اسکا التزام نہیں پایا جاتا۔

میرزا صاحب کا رسم الخط

میرزا صاحب کا خط نہایت پختہ شفیعا آمیز نستعلیق تھا۔ چونکہ وہ ایرانی اداؤں کے دلدادہ تھے، اسلئے خط سے ولایتی شان زیادہ نمایان ہے۔ مگر آخر عمر میں رعشہ پیدا ہو جانے سے دائروں اور کشش میں پہلی سی خوش نمائی باقی نہیں رہی تھی۔ چنانچہ ان خطوں کے دیکھنے سے پہلی نظر میں ہاتھ کی تھرتھراہٹ کا احساس ہوتا ہے۔

سامان کتابت۔ کاغذ

میرزا صاحب کے خطوط میں سامان خط و کتابت کا بھی ذکر آیا ہے۔ اسلئے اوسپر ایک اجمالی نظر نامناسب نہوگی۔

میرزا صاحب بالعموم باریک ولایتی کاغذ استعمال کرتے تھے، جو نیلگون یا سفید یا گلابی ہوتا۔ دربار رامپور میں اونکی جسقدر عرضیاں پیش ہوئی ہیں وہ بجز ایک دو کے تمام اسی قسم کے گران قیمت کاغذ پر لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن منشی سیلچند اور خلیفہ احمد علی صاحب کے نام کے خطوط گھٹیا کاغذ پر ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ میرزا صاحب کاغذ کے انتخاب کیوقت مکتوب الیہ کی حیثیت دنیوی کا لحاظ رکھتے تھے۔

بعض اوقات تنگدستی کے سبب میرزا صاحب کے پاس کاغذ کا ذخیرہ ختم ہو جاتا، تو جواب دینے کیلئے رویہ کا انتظار کرنے کے عوض کتاب میں سے سادہ ورق پھاڑ لیتے تھے۔ ۸ نومبر سنہ ۱۸۵۹ع کو میر مہدی مجروح کو لکھتے وقت یہی ترکیب استعمال کرنی پڑی تھی۔ چنانچہ اوسی خط میں فرماتے ہیں:

»بھائی! نہ کاغذ ہو، نہ ٹکٹ ہو۔ اگلی لفافوں میں سی ایک بیرنگ لفافہ پڑا ہو۔ کتاب

میں سی یہ کاغذ پھاڑ کر تمکو خط لکھتا ہوں، اور بیرنگ لفافہ میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں۔

غمگین نہ ہونا۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سی پہنچ گئی ہو۔ آج کاغذ و ٹکٹ منگا لونگا۔« (۱)

حضرت ولی نعمت آیت محمد بن علی

اداب بجا لاتا ہوں غزلوں کے مسودات کو صفحہ کر کے دیکھو یہی بہترین نمونہ ہے سو دیکھو ان پر کیا
 رہنے دیتی ہیں اس نظر سے اگر اچھا نہ دیکھی لگا تو تلف نہ ہو گا تو یہی ہوا کہ کچھ دیکھ کر
 کر کے بھروسہ و یقین ہو گیا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب لکھا ہی ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب
 نام نہان شخص کے نام کا اور شوکت زیب ان ہی سے ہو گیا ہے وہ سب لکھا ہی ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب
 دیکھ کر یہ نہیں کہ خواہی ہو یا آپ کی ہر چیز اگر وہ شخص نہ ہو تو نہ ہوتے ہوتے
 زیلہ ادب تمام شدہ رہ گیا ہے کہ غرضت کا سبب اور کچھ اور ہے

عکس خط میرزا ابوالقاسم خان غالب دہلوی محفوظہ دارالانشاء

(مکتوب نمبر ۱)

قلم

معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کے زمانہ تک لوہے کے قلم کا رواج نہوا تھا۔ وہ نیزے کا قلم استعمال کرتے، اور اوسے خود ہی بناتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ قلم بنانے میں چاقو سے انگوٹھا زخمی ہو گیا، اور منشی شیونرائن کے خط کے جواب میں تاخیر ہوئی، تو میرزا صاحب نے تحریر کیا تھا: «صاحب! تم خط کو جواب نہ بھیجی ہو گھبرا رہو ہوگی۔ حال یہ ہو کہ قلم بناؤ میں میرا ہاتھ انگوٹھی کو پاس سے زخمی ہو گیا اور ورم کر آیا۔ چار دن روٹی بھی مشکل سے کھائی گئی ہو۔ ہر حال اب اچھا ہوں۔» (۱)

یہ سنہ ۱۸۵۸ ع کا واقعہ تھا۔ لیکن آخر عمر میں رعشہ کے سبب خود قلم نہ بنا سکتے۔ لڑکوں سے بنوا لیتے تھے۔ ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۷ ع کو نواب خلد آشیان کو لکھتے ہیں:

«اس درویش کا حال اب قابل گزارش نہیں۔ امراض قدیم بڑھ گئی۔ دوران مر اور رعشہ اور ضعف بصر تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا۔ لڑکوں سے بنوا لیتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی۔ ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہو۔» (۲)

لفافہ

میرزا صاحب سادہ کاغذ کے مستطیل لفافے استعمال کرتے تھے۔ بعض اوقات اونکے حاشیوں پر باریک ییل بوٹے بھی بنے ہوتے۔ لیکن اوسوقت تک ڈاکخانہ کے ٹکٹ چھپے ہوئے لفافے مروج نہ تھے۔ اسلئے یہ سب دیسی ساخت کے ہوتے تھے۔

خود میرزا صاحب بھی وقت گزاری کیلئے لفافے بنالیا کرتے تھے۔ ایکبار منشی شیونرائن اکبرآبادی نے خود ساختہ لفافوں کے استعمال سے خیال کیا کہ تنگدستی کے سبب میرزا صاحب ایسا کرتے ہیں۔ اور یہ سوچکر میرزا صاحب کو لفافوں کا ایک بندل روانا کیا۔ میرزا صاحب نے اس سے مطلع ہوکر لکھا:

«لفافوں کی خبر پہنچی۔ آپ نے کیون تکلیف کی۔ لفافے بنانا دل کا پہلانا ہو۔ بیکار آدمی

کیا کرو۔ بہر حال جب لفافہ پہنچ جائیگی، ہم آپکا شکر بجا لائیں گی۔ ہرچہ از دوست میرسد

نیکوست ۰۰ (۱)

لیکن اس کرمفرما نے لفافوں کے اوپر » از مقام، در مقام، تاریخ و ماہ « طبع کرا کے بھیجے۔ میرزا صاحب ان چوچلون کو ناپسند کرتے تھے۔ اونہوں نے یہ ہدیہ دوستوں میں تقسیم کر دیا، اور جب منشی صاحب نے ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو دوبارہ اوسی قسم کے لفافے ارسال کئے، تو اونہیں لکھا:

» برخوردار! آج اسوقت تمہارا خط مع لفافوں کے لفافے آیا۔ دل خوش ہوا۔ بھائی! میں اپنی مزاج سی ناچار ہوں۔ یہ لفافے » از مقام و در مقام و تاریخ و ماہ « بھکو پسند نہیں۔ آگے جو تم نے بھیجی تھی وہ بھی میں نے دوستوں کو بانٹ دی۔ اب یہ لفافوں کا لفافہ اس مراد سے بھیجتا ہوں کہ انکی عوض یہ لفافے جو » در مقام و از مقام « سی خالی ہیں، جن میں تم اپنی خط بھیجا کرتے ہو، بھکو بھیج دو، اور یہ لفافے اوسکی عوض مجھ سے لیلو۔ اور اگر اوسطرح کے لفافے نہ ہوں تو انکی کچھ ضرورت نہیں ۰۰ (۲)

اسکے بعد منشی صاحب نے جو کیا اوسکے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ لیکن منشی نبی بخش صاحب کے نام کے مکتوب مورخہ ۲۲ ستمبر سنہ ۵۸ ع سے یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ سنہ ۵۸ ع میں لفافہ سازی کا خاصہ مشغلہ رہا تھا۔ فرماتے ہیں۔

» اللہ! اللہ! یہ دن بھی یاد رہیں گی۔ خط سے خط لکھی گئی ہیں۔ بھکو اکثر اوقات لفافے بنانی میں گزرتے ہیں۔ اگر خط نہ لکھو تو لفافے بناؤنگا ۰۰ (۳)

نکٹ

میرزا صاحب پوسٹ پیڈ خط بھیجنے کے پابند تھے، اور بالعموم پتہ کے داہنی یا بائیں جانب کبھی اوپر اور کبھی نیچے ٹکٹ چسپان کرتے تھے۔ ایسے خطوط پر اونہوں نے ہمیشہ » پوسٹ پیڈ « بھی لکھا ہے۔ بعض اوقات ٹکٹ کے اوپر » اسد « بھی لکھ دیا کرتے تھے۔

روشنائی

میرزا صاحب ہمیشہ سیاہ روشنائی استعمال کرتے تھے، جو عموماً بہت روشن اور پختہ ہوتی۔ آخری ایام کے خطوط میں پھیکی روشنائی بھی نظر آتی ہے۔ جسکی وجہ خود میرزا صاحب کی » قلمدانِ انشا « سے بے توجہی

ہوگی۔ ضرورت کے وقت لڑکون کے قلم اور اونہی کی روشنائی سے لکھا کرتے ہونگے، اور خود «لوح و قلم» کی درستی اور اہتمام سے اسلئے احتراز کرنے لگے ہونگے، کہ اب اونہین ان دونوں کی شہادت کی ضرورت نہ تھی۔ عالم ادب اونکا لوہا مان چکا تھا۔

قواعد ڈاک کی پابندی

میرزا صاحب ڈاک کے قاعدوں کے سخت پابند تھے۔ وہ خود بھی خلاف ورزی قانون سے احتراز کرتے، اور احباب کو بھی اسی امر کی ہدایت کرتے رہتے تھے۔ ایکبار منشی حبیب اللہ خان ذکا کو لکھا ہے:

«خط میں خط ملفوف کرنا جانب حکام سے ممنوع ہے۔ اگر یوں ہوتا تو میں اونکی نام کا خط تمہاری خط میں ملفوف کر کے بھیجتا۔» (۱)

منشی غلام بسم اللہ صاحب نے اپنی غزل کیساتھ ایک منصف صاحب کی غزل بھی ارسال کر دی تھی۔ اونکی اس سہل انگاری پر سرزنش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«سنی حضرت! خط میں خط (کا) تداخل برا ہے۔ اگر یہاں کی ڈاک میں کبھی خط کھل گیا، تو مجھسی پچاس روپیہ لٹی جائیگی، یا قید کا حکم ہوگا۔ آئندہ آپ خط جداگانہ بھیجا کیجیے۔ اس باب میں تاکید جانی۔ کوئی حیلہ جواز کا آپ کی طرف سے مسموع نہ ہوگا۔» (۲)

چودھری عبد الغفور صاحب نے پارسل میں کچھ خط رکھ دیے تھے۔ اونکو تحریر کرتے ہیں:

«پارسل میں خطوط بھیجنی محل اندیشہ ہے۔ خدا فی بچایا۔ چونکہ اب وہ خط آپکو کچھ کام کی نہ سمجھا، از راہ احتیاط پارسل میں سے نکال لی۔» (۳)

ایکبار تفتہ کے نام ایک پارسل حسب قاعدہ ایک آنے کا ٹکٹ چسپان کر کے ڈاک خانہ بھیجا۔ جو شخص پارسل لیکر گیا تھا، اوسنے غلطی سے خطوں کے بکس میں پارسل ڈال دیا۔ میرزا صاحب نے واقعہ سے مطلع ہو کر تفتہ کو لکھا:

«صاحب! کل پارسل اشعار کا ایک آنہ کا ٹکٹ لگا کر اور اوسپر یہ لکھ کر کہ یہ پارسل ہے، خط نہیں ہے، ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک منشی نے کہا کہ خطوں کی صندوق میں ڈال دو۔ خدمتگار

ناخواندہ آدمی۔ اوسکا حکم بجا لایا، اور اوسکو خطوں کے صندوق میں ڈال آیا۔ وہ لفظ کہ "یہ خط نہیں ہے، پارسل ہے، دست آویز معقول ہو۔ اگر وہاں کے ڈاکچی تم سے خط کا محصول مانگین، تو تم اوس جملہ کے ذریعہ سے گفتگو کر لینا۔" (۱)

در اصل میرزا صاحب کی احتیاط کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایکبار تفتہ کی غلطی کا خمیازہ بھگت چکے تھے، اور غالباً پارسل کو خطوں کے بکس میں ڈال دینے کی وجہ سے اونکو پوسٹ پیسٹ پارسل کا مزید محصول ادا کرنا پڑا تھا۔ ۲۸ جولائی سنہ ۱۸۵۸ ع کو یہ واقعہ خود تفتہ کو لکھا ہے:

"میرزا تفتہ! کل قریب دو پہر کے ڈاک کا ہرکارہ، وہ جو خط بانٹا کرتا ہے، آیا، اور اوسنی پارسل موم جاتی میں لپٹا ہوا دیا۔ پہلے تو حیران رہا کہ پاکٹ خطوں کی ڈاک میں کیوں آیا؟ باری جب اوسکی تحریر دیکھی تو تمہاری بات کا پیم فلت لکھا ہوا اور دو ٹکٹ لگی ہوئی، مگر اوسکو آگے کالی مہر اور کچھ انگریزی لکھا ہوا۔ ہرکارہ نے کہا کہ ایک روپیہ دس آؤ دلوانی۔ دلوانی، اور پارسل لے لیا۔ مگر حیران کہ یہ کیا بیچ پڑا؟ قیاس ایسا چاہتا ہے کہ تمہارا آدمی جو ڈاک گھر گیا اس کو خطوں کے بکس میں ڈال آیا۔ ڈاک کے کارپردازوں نے غور نہ کی، اور اوسکو بیرنگ خطوں کی ڈاک میں بھیج دیا۔" (۲)

پوسٹ میں کا لطیفہ

ایکبار پوسٹ میں کی غفلت سے ایک دلچسپ لطیفہ پیدا ہو گیا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ میرزا صاحب کے نام ایک خط آیا۔ اوس کے پتہ میں مکتوب الیہ کے نام کے ساتھ جو تعظیمی الفاظ استعمال ہوئے تھے، اومیں ایک لفظ "کیشان" بھی تھا۔ ڈاکچی نے اوسے "کپتان" پڑھا، اور میرزا صاحب کی خدمت میں مبارکباد پیش کر کے طالب انعام ہوا۔ میرزا صاحب نے نواب انور الدولہ بہادر شفق کو یہ واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ایک لطیفہ نشاط انگیز سنیں۔ ڈاک کا ہرکارہ، جو بلیاروں کے خطوط پہنچاتا ہے، اندون میں ایک بنیا پڑھا لکھا حرف شناس کوئی فلاں ناتھ ڈھمک داس ہے۔ میں بالاخانہ پر رہتا ہوں۔ حویلی میں آکر اوسنی داروغہ کو خط دیا۔ اور اوسنی خط دیکر مجھسی کہا کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ مبارک ہو! آپ کو، جیسا کہ دلی کے بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا، اب کالپی سے خطاب کپتانی کا ملا۔ حیران کہ یہ کیا کہتا ہے؟ سرنامہ کو غور سے دیکھا۔ کہیں قبل از اسم "مخدوم نیازکیشان" لکھا تھا۔ اوس قرم ساق نے اور الفاظ سے قطع نظر کر کے "کیشان" کو کپتان پڑھا۔" (۳)

ییرنگ خطوط

اگرچہ قانونِ ڈاک کی رو سے ییرنگ خطوط ارسال کرنا ممنوع نہیں ، لیکن میرزا صاحب اسے قانونِ محبت و اخلاق کے خلاف جانتے ، اور اسلئے بغیر کسی معقول وجہ کے کبھی ییرنگ خط نہیں لکھتے تھے ۔ سید احمد حسن مودودی کو ایک ییرنگ خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

» میرا شیوہ نہیں ہی خط ییرنگ بھیجنا « (۱)

میرزا صاحب اپنے ہر ییرنگ خط میں ییرنگی کی وجہ بھی لکھ دیا کرتے تھے ۔ چنانچہ وہ یا تو اسوقت ییرنگ خط لکھا کرتے جبکہ

(۱) اونکے پاس ٹکٹ موجود نہوتا ۔ خواہ اسلئے کہ جیب اسکی اجازت ندیتی ، یا بروقت ڈاکخانہ سے حصول دشوار ہوتا ۔ مگر اس عذر کیلئے بے تکلف احباب اور شاگرد مخصوص تھے ۔ میر مہدی مجروح کو ایک ییرنگ خط میں لکھا ہے :

» بھائی ! نہ کاغذ ہی ، نہ ٹکٹ ہی ۔ اگلی لفافون میں سی ایک ییرنگ لفافہ پڑا ہی ۔ کتاب میں سی یہ کاغذ پھاڑ کر تمکو خط لکھتا ہوں ، اور ییرنگ لفافہ میں لیٹ کر بھیجتا ہوں ۔ غمگین نہونا ۔ کل شام کو کچھ فتوح کہیں سی پہنچ گئی ہی ۔ آج کاغذ و ٹکٹ منگا لونگا « (۲)

اسی طرح نواب علاء الدین احمد خان بہادر کو لکھتے ہیں :

» بھائی ! سچ تو یوں ہی کہ اندون میں میری پاس ٹکٹ نہیں ۔ اگر ییرنگ بھیجوں تو کمار ماندہ ۔

اونٹہ نہیں سکتا ۔ ڈاک گھر تک جاؤ کون ؟ « (۳)

نواب شہاب الدین احمد خان بہادر کو زیادہ مضحکہانہ انداز میں تحریر کیا ہے :

» آج میری پاس ٹکٹ ہی نہ دام ۔ معاف رکھنا ۔ والسلام « (۴)

(۲) اور یا اسوقت ییرنگ خط ارسال کرتے کہ اوسکے تلف ہو جانے کا خطرہ ہوتا ۔ اور چونکہ تلف ہو جانیکا خطرہ اہم مکاتیب کے سلسلہ میں زیادہ ناپسندیدہ معلوم ہوتا ہے ، اور اہم مکاتیب بے تکلف اور با تکلف دونوں قسم کے مکتوب الیہ کو لکھے جاتے ہیں ، بنا برین اس عذر کے ماتحت

(۱) اردوی مہلی ، ص ۲۴۴ (۲) ایضاً ، ص ۱۵۵ (۳) ایضاً ، ص ۴۲۵ (۴) ایضاً ، ص ۲۹۱

میرزا صاحب نے والیان ریاست تک کو بیرنگ خطوط لکھے ہیں۔ چنانچہ ایکبار نواب انور الدولہ بہادر نے خط نہ لکھنے کی شکایت کی، تو اوسکے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا:

» سونچتا ہوں کہ دونوں خط بیرنگ گئے تھے۔ تلف ہونا کسی طرح متصور نہیں ۰۰ (۱)

در اصل میرزا صاحب یہ سمجھتے تھے کہ ڈاکیا بیرنگ خط ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ کوشش کر کے مکتوب الیہ تک خط پہنچاتا ہے، تاکہ اوس سے محصول ڈاک وصول کر سکے۔ یہ خیال سید احمد حسن مودودی کے خط میں ظاہر بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

» یہ خط عمداً بیرنگ بھیجتا ہوں۔ کہتی ہیں کہ پیٹ کو تلف ہونیکا احتمال ہو، اور بیرنگ کا

نہیں ۰۰ (۲)

سیف الحق سیاح کو لکھتے ہیں:

» پیٹ خط گاہ گاہ تلف بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں۔

تاکہ ضائع ہونیکا احتمال قوی رہی ۰۰ (۳)

چودھری عبد الغفور سرور کو ضروری خطوط کے بیرنگ ارسال کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

» ایک قاعدہ آپ کو بتاتا ہوں۔ اگر اوسکو منظور کیجیے گا تو خطوط کو نہ پہنچنے کا احتمال اوٹھ جائیگا، اور رجسٹری کا درد سر جاتا رہیگا۔ آدھ آدھ نہ سہی، ایک آدھ سہی۔ آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجیے، اور میں بھی بیرنگ بھیجا کروں۔ اسٹامپ پیٹ خطوط تلف بھی ہوتے ہیں۔ اس قاعدہ کا جیسا کہ میں واضع ہوا ہوں بادی بھی ہوا، اور یہ خط بیرنگ بھیجا ۰۰ (۴)

مولوی عزیز الدین صاحب نے قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کے خط ارسال کرنیکی اطلاع اور اوسکے جواب نہ لکھنے کی شکایت کی، تو اوسکے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا:

» خط از روی احتیاط بیرنگ بھیجا ہے۔ پوست پٹ خط اکثر تلف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قاضی عبد الجلیل صاحب کا خط، جسکا آپ نے ذکر لکھا ہے، آنکھیں پھوٹ جائیں اگر میں نے دیکھا ہو! آپ اونی میرا سلام نیاز کہیے، اور خط کو نہ پہنچنے کی اونکو خبر پہنچائی ۰۰ (۵)

والی بھر تپور کا انتقال ہوا اور یہ خبر دلی پہنچی، تو میرزا صاحب کو فکر ہوئی کہ کہیں جانی جی، جو مرزا تفتہ کے مربی تھے، معزول تو نہیں کر دیے گئے۔ اس خبر کے استفسار کیلئے مرزا تفتہ کو خط لکھا اور اوس میں ہدایت کی کہ

» واسطی خدا کی! نہ مختصر نہ سرمری بلکہ مفصل اور منقح جو کچھ واقع ہوا ہو، اور جو صورت ہو، جھکو لکھو، اور جلد لکھو، کہ مجھ پر خواب و خور حرام ہی۔ کل شام کو میں نے سنا۔ آج صبح قلعہ نہیں گیا، اور یہ خط لکھ کر از راہ احتیاط بیرنگ روانہ کیا ہو۔ تم بھی اسکا جواب بیرنگ روانہ کرنا۔ آدھ آنا ایسی بڑی چیز نہیں۔ ڈاک کی لوگ بیرنگ خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاؤ ہین، اور پوست پٹ پڑا رہتا ہو۔ جب اوس محلہ میں جانا ہوتا ہو تو اوسکو بھی لیجاؤ ہین۔ (۱)

» دستنبو « کی طباعت کے متعلق ضروری ہدایتیں بیرنگ خط میں لکھ کر فرماتے ہین:

» واسطی ناکید کی بیرنگ بھیجا گیا۔ (۲)

اسی طرح منشی حبیب اللہ خان ذکا کو ایک ضروری خط بیرنگ لکھ کر از راہ معذرت فرماتے ہین:

» بھائی! یہ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ (۳)

نواب فردوس مکان کی خدمت میں ایک عریضہ، جو اونکی والدہ ماجدہ کی تعزیت وفات کے متعلق تھا، ارسال کیا ہے، اور اوسکا جواب نہ پا کر دوسرا عریضہ بیرنگ ارسال کرتے ہوئے آخر میں از راہ معذرت لکھتے ہین:

» پرسون ایک قطعہ جناب بیگم صاحبہ و قبلہ کی تاریخ وفات کا بھیجا ہو۔ یقین ہو کہ پہنچا۔ از راہ احتیاط وہ قطعہ اس ورق میں بھر لکھتا ہوں، اور نیز از راہ احتیاط یہ خط بیرنگ روانہ کرتا ہوں۔ (۴)

میرزا صاحب پوسٹ پیسڈ خط کے ضایع ہو جانے کے اسدرجہ قایل تھے کہ جب اونہیں کوئی خط نہ ملتا تو وہ اسے ڈاکخانہ کی سہل انگاری پر محمول کر کے یہ لکھ دیا کرتے تھے کہ ڈاک میں ضایع ہو گیا ہوگا۔ اور اگر کسی دوست

سے جواب خط میں تاخیر ہوتی، یا انکے مرسلہ خط کا حوالہ نہوتا تو باور کر لیتے کہ خط ڈاک میں تلف ہو گیا۔ ممکن ہے اس وقت ڈاک کا محکمہ زیادہ منظم نہوا ہو۔ ورنہ اس زمانہ میں پوسٹ پیڈ خطوط ضایع ہوا کرین تو کاروبار عالم مختل ہو جائے، اور بالخصوص تجارت پیشہ حضرات گورنمنٹ کے اس مفید ترین محکمہ کے خلاف قانونی چارہ جوئیان کرنے لگین۔

میرزا صاحب کا پتہ

اگرچہ باعتبار حسب و نسب میرزا صاحب دلی کے مشاہیر میں شمار کیے جاتے تھے، لیکن اونکی وسیع و مسلسل مراسلت نے اس شہرت میں چار چاند لگادیے تھے۔ اونکے پاس روزانہ ہندوستان اور بیرون ہند سے اردو، فارسی اور انگریزی خطوط آتے رہتے، جن میں سرکاری اور نجی ہر قسم کی تحریریں ہوتی تھیں۔ چونکہ اونکو شہر میں ہر شخص جانتا تھا، اسلئے اونکا خط دلی کے ڈاک خانہ میں پہنچکر کبھی ضایع نہوتا۔ اونکی ڈاکخانہ کی معروفیت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پورے شہر دہلی میں وہ اپنے نام کے اعتبار سے وحدہ لاشریک تھے، اور ڈاکیا اسد اللہ خان غالب کا مسمی ایک ہی ذات کو جانتا تھا۔

میرزا صاحب کو اپنی اس شہرت و ناموری کا اس درجہ پاس تھا، کہ کوئی دوست یا شاگرد اونکے مکان کا پتہ دریافت کرتا، یا اونکے نام کے خط پر لانا چوڑا پتہ لکھ دیتا، تو وہ اس کو اپنی توہین خیال کرتے۔ چنانچہ ایکبار نواب علاء الدین احمد خان بہادر علائی نے مکان کا پتا دریافت کیا۔ میرزا صاحب نے برہم ہو کر لکھا:

دسو صاحب! حسن پرستوں کا ایک قاعدہ ہو کہ وہ امر کو دوچار برس گھنٹا کر دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جواب ہو، لیکن بچہ سمجھتے ہیں۔ یہ حال تمہاری قوم کا ہو۔ قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہو کہ اوسکی عزت اور نام آوری جمہور کے نزدیک ثابت اور متحقق ہو، اور تم صاحب بھی جانتے ہو۔ مگر جب تک اوس سے قطع نظر نہ کرو، اور اوس مسخری کو گمنام و ذلیل نہ سمجھو او تمکو چین نہ آئیگا۔ پچاس برس سے دلی میں

رہتا ہوں۔ ہزارہا خط اطراف و جوانب سے آتی ہیں۔ بہت لوگ ایسی ہیں کہ محلہ نہیں لکھتے۔ بہت لوگ ایسی ہیں کہ محلہ سابق کا نام لکھ دیتی ہیں۔ حکام کے خطوط، فارسی اور انگریزی، یہاں تک کہ ولایت کی آتی ہو، صرف شہر کا نام اور میرا نام۔ یہ سب مراتب تم جانتی ہو، اور اون خطوط کو تم دیکھ چکے ہو۔ اور پھر بھئی پوچھتی ہو کہ اپنا مسکن بتا۔ اگر میں تمہاری نزدیک امیر نہیں نہ سہی۔ اہل حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں، کہ جب تک محلہ اور تھانہ نہ لکھا جائے ہرکارہ میرا پتا نہ پائے۔ آپ صرف دہلی لکھکر میرا نام لکھ دیا کیجئے۔ خط کی پہنچ کا میں ضامن ہوں۔ (۱)

قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی نے پتہ معلوم نہونیک کی وجہ سے خط لکھنے میں تردد کا اظہار کیا۔ اونکو لکھتے ہیں:

د قبلہ! آپ کو خط کی بھیجی میں تردد کیوں ہوتا ہے؟ ہر روز دو چار خط اطراف و جوانب سے آتی ہیں۔ گاہ گاہ انگریزی بھی۔ اور ڈاک کے ہرکاری بھی میرا گھر جاتی ہیں۔ پوسٹ ماسٹر میرا آشنا ہے۔ مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے۔ محلہ بھی ضرور نہیں۔ آپ ہی انصاف کریں، کہ آپ لال کنوان لکھتے رہے، اور مجھ کو بلیمارون میں خط پہنچتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ خط آپکا کوئی تلف نہیں ہوا۔ (۲)

مولوی حبیب اللہ خان ذکا نے یکے بعد دیگرے دو نیاز نامے بھیجے، مگر میرزا صاحب کی طرف سے جواب نہ ملا۔ اونہوں نے اس کو دلی کے ڈاکخانہ کی غفلت پر محمول کر کے آخری خط بذریعہ رجسٹری ارسال کیا، اور اوس میں جواب ندینے کی شکایت لکھی۔ اسکے جواب میں میرزا صاحب الفاظ و مطالب کے گل کھلاتے ہیں:

میری مشفق! میری شفیق! مجھے ہیچ و پوچ کے ماننے والے! مجھے بری کو اچھا جاننے والے! میری محب! میری محبوب! تمکو میری خبر بھی ہے؟ آگے ناتوان تھا۔ اب نیمجان ہوں۔ آگے بہرا تھا۔ اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ رامپور کے سفر کا رہ آورد ہے رعشہ وضعف بصر۔ جہاں چار سطرین لکھیں، انگلیاں ٹیڑھی ہو گئیں۔ حرف سوچھنی سے رہ گئی۔ اکثر برس جیسا۔ بہت جیسا۔ اب زندگی برسوں کی نہیں، مہینوں کی اور دنوں کی ہے۔ پہلا خط تمہارا پہنچا.... دوسرا خط مع غزل آیا... غزل بعد مشاہدہ تمکو بھیجی گئی، اور لکھا گیا کہ نوید حصول صحت جلد بھیجو۔ کل ایک خط رجسٹری دار آیا۔ گویا ستارہ دنبالہ دار آیا۔ حیران کہ ماجرا کیا ہے؟ باری کھولا اور دیکھا۔ خط نوید رفع مرض و حصول صحت سے خالی اور شکوہ های بیجا سے لبریز۔

صاحب! میری نام کا خط جہان سے روانہ ہو وہیں رہ جائی تو رہجائی۔ ورنہ دلی کی ڈاکخانہ میں پہنچکر کیا مجال ہو جو مجھ تک نہ پہنچی؟ اسبطح میرا خط یہاں کی ڈاکخانہ سے نہ روانہ ہو کیا معنی؟ جہان پہنچی وہاں کی ڈاک کی کارپردازوں کو اختیار ہی۔ مکتوب الیہ کو دین یا ندین۔ (۱)

مرزا تفتہ کو ایک خط میں صاف طور پر لکھ دیا ہے، کہ نامور آدمی کیواسطے محلہ کا پتہ ضرور نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

• بات یہ ہے کہ نامور آدمی کیواسطے محلہ کا پتا ضرور نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ مگر فارسی انگریزی جو خط میری نام کی آتی ہیں تلف نہیں ہوتی۔ بعض فارسی خط پر پتا محلہ کا نہیں ہوتا، اور انگریزی خط پر تو مطلق پتا ہوتا ہی نہیں۔ شہر کا نام ہوتا ہے۔ تین چار خط انگریزی ولایت سے جھکو آتی۔ جاز اونکی بلاکہ بلی ماروں کا محلہ کیا چیز ہے۔ (۲)

مولانا حاتم علی مہر کو تحریر کیا ہے:

• اور یہ بھی آپکو معلوم رہی، کہ میری خط کی سرنامی پر محلہ کا نام لکھنا ضرور نہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام۔ قصہ تمام۔ (۳)

ایکبار میرزا صاحب نے مکان تبدیل کیا۔ مرزا تفتہ کو تردد ہوا کہ یہ مکان کس محلہ میں واقع ہے۔ اونکے اس تردد کے رفع کرنے کیلئے ارشاد ہوا ہے:

• یہ مکان بہ نسبت اوس مکان کی بہشت ہے۔ اور یہ خوبی کہ محلہ وہی بلیاروں کا۔ اگرچہ ہی یوں کہ میں اگر اور محلہ میں بھی جا رہتا تو قاصدان ڈاک وہیں پہنچتی۔ یعنی اب اکثر خطوط لال کنوی کی پتہ سے آتے ہیں، اور بڑے تکلف یہیں پہنچتی ہیں۔ بہر حال تم وہی دلی، بلیاروں کا محلہ، لکھکر خط بھیجا کرو۔ (۴)

تفتہ ہی کو دوبارہ لکھا تھا:

• میری نام کا کوئی لفافہ ضائع نہیں جاتا۔ خدا جاز اوس پر کیا بھگو پڑا؟ (۵)

سید احمد حسن صاحب مودودی کی شکایت پر تحریر کیا ہے:

• میری نام کا لفافہ جس شہر سے چلی اوسی شہر کی ڈاک گھر میں رہجائی تو رہجائی۔ ورنہ دلی کی ڈاکخانہ میں پہنچکر کیا امکان ہے کہ تلف ہو؟ (۶)

ایکبار میرزا صاحب نے میر مہدی مجروح کے نام خط لکھا۔ ڈاک کیسے نے غلطی سے کسی دوسرے میر مہدی کو جا دیا۔ مجروح نے میرزا صاحب کو اسکی اطلاع دی۔ اس اطلاع پر ارشاد ہوتا ہے:

وہ جو تخی لکھا تھا کہ تیرا خط میری نام کا میری ہمنام کے ہاتھ جا پڑا۔ صاحب قصور تمہارا ہو۔ کیون ایسی شہر میں رہتی ہو جہاں دوسرا میر مہدی بھی ہو؟ مجھ کو دیکھو کہ میں کب سی دلی میں رہتا ہوں۔ نہ کوئی اپنا ہمنام ہونی دیا۔ نہ کوئی اپنا (ہم) عرف بنی دیا۔ نہ اپنا ہم تخلص بہم پہنچایا۔ (۱)

ابتداءً مراسلت میں نواب فردوس مکان کے فرامین جامع مسجد کے پتہ سے جاتے تھے۔ حالانکہ میرزا صاحب آٹھ سات برس سے بلیارون کے محلہ میں چلے آئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود یہ فرامین میرزا صاحب کو ملتے رہے۔ جب خود انہیں نے سرکار کو لکھا کہ آئندہ اہل دفتر کو صحیح پتہ لکھنے کی ہدایت کر دیجائے، تب دوسرا پتہ لکھا گیا۔ میرزا صاحب فرماتے ہیں:

«دیران خاص بر عنوان نامہ های پیشین نشان کلیۃ این درویش دلریش عقب مسجد جامع نبشتہ اند و من از ہفت ہشت سال در محلۃ بلیاری مانم۔ سپس نشان این محلہ نگاشته شود۔» (۲)



متعلقاتِ انشاء

اس بحث کے آخر میں بعض ایسے حالات کا تذکرہ بھی ضروری ہے ، جو بظاہر میرزا صاحب کے عادات و خصائل کی ایک کڑی معلوم ہوتے ہیں ، لیکن انکی انشا کی کیفیت و کمیت کے اندازہ کیلئے اونکا مطالعہ افادہ سے خالی نہیں ، اور اس لئے اونہیں متعلقاتِ انشا کے عنوان سے ذکر کیا جا سکتا ہے ۔

جواب میں جلدی

خطوط کا جواب دینے میں میرزا صاحب بہت با ضابطہ تھے ۔ وہ یوں تو ہر خط کا جواب فوراً لکھتے ، اور غیر اختیاری عذر کے علاوہ کسی اور عذر کے پیش کرنے کا کبھی موقع نہ آنے دیتے ۔ لیکن ضروری و جواب طلب خط کے جواب میں بیحد جلد بازی سے کام لیتے تھے ۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ یہ جانتے ہوئے کہ اب ڈاک کا وقت گزر چکا ہے جواب لکھ لیتے اور مکتوب الیہ کو بتا دیتے کہ اس مجبوری کے سبب آج خط سپرد ڈاک نہوسکا ۔ مثلاً بیخبر کو تحریر کیا ہے :

دخاںمالی ! آج دوشنبہ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۹ کی ہو ۔ پھر دلت چڑھا ہوگا غمزدہ و دردمند بیٹھا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا ... با آنکہ خط جو رابطہ نہ تھا جواب لکھنے لگا ۔ (۱)

نواب انور الدولہ بہادر شفق کو لکھا ہے :

دخاوند نعمت ! آج دوشنبہ ۶ رمضان کی اور ۱۵ فروری کی ہو ۔ اسوقت کہ بارہ پر تین بھی میں عطوفت نامہ پہنچا ۔ اودھر پڑھا ادھر جواب لکھا ۔ ڈاک کا وقت نہرا ۔ خط کو معنون کر رکھتا ہوں ۔ کل شنبہ ۱۶ فروری کو ڈاک میں بھجوا دوں گا ۔ (۲)

نواب علاء الدین خان بہادر علائی کو لکھتے ہیں :

• آج یوم الخیس ۱۹ جون المبارک بارہ پر تین بجو تمہارا خط آیا۔ اودھر پڑھا ادھر جواب لکھو بیٹھا۔ (۱)

ایکبار میر مہدی مجروح کا خط صبح کی ڈاک سے موصول ہوا۔ میرزا صاحب نے اوسکا فوراً جواب لکھا اور اوس میں تحریر کیا:

• میں نے تجویز کر لیا تھا کہ جب کرنال سے خط آئیگا، تو میں جواب لکھونگا۔ آج شنبہ ۱۵ اکتوبر صبح کا وقت، ابھی کھانا پکا بھی نہیں، تبرید پیکر بیٹھا تھا، کہ تمہارا خط آیا اور پڑھا اور یہ جواب لکھا۔ (۲)

انہیں کو لکھتے ہیں:

• اسوقت تمہارا ایک خط اور یوسف مرزا کا ایک خط آیا۔ مجھ کو باتین کرنی کا مزہ ملا، تو دونوں کا جواب ابھی لکھکر روانہ کیا۔ اب میں روٹی کھاؤ جاتا ہوں۔ (۳)

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے:

• آج سنیچر بار کو دوپہر کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا، اور تمہارا خط لایا۔ میں نے پڑھا، اور جواب لکھا، اور کلیان کو دیا۔ وہ ڈاک کو لیگیا۔ خدا چاہی تو کل پہنچ جائے۔ (۴)

معلوم ہوتا ہے کہ دسمبر سنہ ۱۸۵۷ ع تک ڈاک کا ہرکارہ خط تقسیم بھی کرتا تھا اور دلی سے باہر جانیوالے خطوط جمع بھی کیا کرتا تھا۔ اسلئے کہ ایکبار مرزا تفتہ کا خط آیا۔ میرزا صاحب نے اوسکا جواب لکھکر اوسوقت ہرکارہ کو دیا اور آخر میں لکھا:

• اسوقت تمہارا خط پہنچا، اور اسوقت میں نے یہ خط لکھکر ڈاک کی ہرکارہ کو دیا۔ (۵)

عذر تاخیر

چونکہ میرزا صاحب خطوط کا جواب باقاعدگی سے دیا کرتے تھے اس لئے اگر اونکا کوئی دوست اپنے نیازنامہ کا جواب نہ پانے کی شکایت لکھتا، اور فی الحقیقت کسی وجہ سے جواب میں تاخیر ہو جاتی، تو میرزا صاحب فوراً عذر تاخیر لکھ دیتے۔ لیکن اگر شکایت پا در ہوا ہوتی تو اپنے اوپر کبھی ذمہ داری نہ لیتے اور صاف انکار کر دیتے۔ ایکبار میر احمد حسن

(۳) ایضاً، ص ۱۹۳

(۲) ایضاً، ص ۱۸۰

(۱) اردو معلیٰ، ص ۴۱۲

(۵) ایضاً، ص ۸۰

(۴) ایضاً، ص ۸۰

صاحب مودودی نے شکایت کی کہ آپنے میرے کئی خطوں کا جواب نہیں بھیجا۔ اسکے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :

”آپ کو کسی خط کا جواب میری ذمہ باقی نہیں ہو۔ دو یا تین جس خط کا جواب نہیں پہنچا اوسکو یہ سمجھی کہ وہ خط راہ میں تلف ہو، اور میری پاس نہیں پہنچی۔“ (۱)

ایکبار اپنی عادت کے خلاف حاتم علی مہر کے خط کا جواب دوسرے دن لکھا، تو ساتھ ہی ساتھ تاخیر کی تلخی کو ظرافت کی چاشنی سے بدلنے کی بھی کوشش کی۔ فرماتے ہیں :

”بندہ پرور ! آپکا خط کل پہنچا۔ آج جواب لکھتا ہوں۔ داد دینا کتنا شتاب لکھتا ہوں ؟“ (۲)

اسی طرح میر مہدی مجروح کے خط کے جواب کو کئی دن کی دیر ہو گئی تو اونہیں لکھا :

”واہ واہ سید صاحب ! تم تو بڑی عبارت آرائیان کرنی لگو۔ نثر میں خود نمائیان کرنی لگی۔ کئی دن میں تمہاری خط کو جواب کی فکر میں ہوں۔ مگر جاڑی فی بیجس و حرکت کر دیا ہی۔ آج جو بسبب ابر کو وہ سردی نہیں، تو میں فی خط لکھنے کا قصد کیا ہی۔“ (۳)

ایکبار مرزا حاتم علی مہر کو خط لکھا، اور بکس میں رکھ لیا۔ کئی دن کے بعد کھولا تو خط برآمد ہوا۔ اسکے متعلق اونہیں تحریر فرماتے ہیں :

”مرا بسادہ دلہای من توان بخشید * خطا نموده ام و چشم آفرین دارم

کل دو شنبہ کا دن ۲۰ ستمبر کی تھی۔ صبح کو میں نے آپکو شکایت نامہ لکھا، اور بیرنگ ڈاک میں بھیج دیا۔ دوپہر کو ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ تمہارا خط اور ایک مرزا تفتہ کا خط لایا۔ معلوم ہوا کہ جس خط کا جواب میں آپ سے مانگتا ہوں، وہ نہیں پہنچا۔ کچھ شکوہ سے شرمندگی اور کچھ خط کو نہ پہنچی سے حیرت ہوئی۔ دوپہر ڈھلے مرزا تفتہ کے خط کا جواب لکھ کر ٹکٹ نکالنے لگا۔ بکس میں سے وہ تمہاری نام کا خط نکل آیا۔ اب میں سمجھا کہ خط لکھ کر بھول گیا ہوں، اور ڈاک میں نہیں بھیجا۔ اپنی نسیان کو لعنت کی اور چپ ہو رہا۔ متوقع ہوں کہ میرا قصور معاف ہو۔“ (۴)

ایک مرتبہ میرزا صاحب نے تفتہ کو خط لکھا۔ اونکی طرف سے جواب نہ ملا۔ بلکہ خط آیا تو اولٹی خط نہ بھیجنے کی شکایت درج تھی۔ میرزا صاحب اسکے جواب میں لکھتے ہیں :

» آج پنجشنبہ کو دن ۱۸ نومبر کو تمہارا خط آیا، اور میں آج ہی جواب لکھتا ہوں۔ کیا تماشا ہے کہ تمہارا خط پہنچتا ہے، اور میرا خط نہیں پہنچتا؟ « (۱)

لیٹو لیٹو لکھتے

میرزا صاحب کی وضع خطوط نویسی اسدرجہ پختہ ہو چکی تھی، کہ شدتِ مرض اور زیادتیِ ضعف کے باعث نشست و برخاست کی قوت نہونے کی حالت میں بھی جوابِ خط سے دوستوں کو محروم رکھنا گوارا نہ کرتے، اور لیٹے لیٹے جواب لکھتے تھے۔ چنانچہ ایکبار فروری سنہ ۱۸۵۴ ع میں تپ و لرزہ کا شدید دورہ ہوا۔ ابھی مرض کی شدت باقی تھی کہ مرزا تفتہ کا خط آگیا۔ میرزا صاحب نے اوسی حالتِ ضعف میں جواب دیا، اور اوس میں لکھا:

» میں چار دن سے لرزی میں مبتلا ہوں ... اتنی سطرین مجھ سے ہزار جر ثقیل لکھی گئی ہیں « (۲)

صاحبِ عالم صاحب مارہروی کو بحالتِ بیماری لکھا ہے:

» جو کچھ لکھنا ہوتا ہے وہ بھی اکثر لیٹو لیٹو لکھتا ہوں « (۳)

اسی طرح ایک مرتبہ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کا خط آیا، تو میرزا صاحب کو اوٹھنا بیشنہا دشوار تھا۔ لیکن اوسی حالت میں جواب لکھکر آخر میں فرمایا:

» بارہ پر دو بجو ہرکارہ نہ آپ کا خط دیا۔ پلنگ پر پڑی پڑی خط پڑھا، اور اوسی طرح جواب لکھا « (۴)

سنہ ۱۸۶۲ ع میں تقریباً سارا جسم زخون سے بھرا ہوا تھا، اور بالخصوص سیدھے ہاتھ کے پھوڑے کی تکلیف سے روح تحلیل ہوئی جاتی تھی؛ لیکن اس حالت میں بھی خطوں کے جوابات برابر بھیجتے رہے۔ چودھری عبد الغفور سرور کو لکھتے ہیں:

» اشعار کی اصلاح یک قلم موقوف۔ خطوط ضروری لیٹو لیٹو لکھتا ہوں۔ دو خط چودھری

(۱) اردوی معلی، ص ۷۰ (۲) ایضاً، ص ۷۸ (۳) ایضاً، ص ۲۰۳ (۴) عود ہندی، ص ۱۷۴
ش - مکاتیب غالب

صاحب کی آؤ، اور ایک خط شاہ عالم صاحب کا اور دو خط حضرت صاحب کی آؤ۔ جواب
 نہ لکھ سکا۔ آج اپنی کو طبعی دیکر مرد بنایا جب یہ عبارت لکھی ۱۰ (۱)
 انہیں کے ایک خط میں اشعار کے حسن و قبح کا معیار بتاتے ہوئے آتش
 و ناسخ کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن استشہاد میں انکا کوئی شعر یاد نہیں آتا تو
 کہتے ہیں:

» یاد کیا آؤی۔ لیٹا ہوا ہون۔ دمبدم ہاتھ کو ورم کی ٹیس ہوش اوڑاؤ دیتی ہو۔
 انا للہ وانا الیہ راجعون! ۱۰ (۲)

اسی زمانہ میں مرزا تفتہ کو لکھا ہے:

» میں ناتوان بہت ہو گیا ہوں۔ گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا تکلف کی ملاقات کا
 آجاؤ تو اونٹ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹی لیٹی خط لکھتا ہوں ۱۰ (۳)

ضعف کی سبب مراسلت میں کمی

لیکن جب بوجہ پیرانہ سالی میرزا صاحب کا ضعف روز افزوں ہونے
 لگا، تو مجبوراً مراسلت میں کمی کرنی پڑی۔ تاہم اس حالت میں یہ کبھی
 نہوا کہ کسی جواب طلب خط کا جواب ندیا ہو۔ ہاتھ میں رعشہ اور بینائی
 میں نقصان آجانے کے بعد اخبارات میں اپنی اس حالت کا اعلان کر کے ارباب
 ادب سے التجا کی تھی کہ آئندہ جواب خط اور اصلاح اشعار سے معاف
 رکھے جائیں۔ لیکن اسپر بھی برابر خطوط چلے آتے تھے۔ اس زمانہ میں
 میرزا صاحب کسی بے تکلف دوست کے منتظر رہتے۔ جب ایسا دوست
 آجاتا، اوس سے جواب لکھا دیتے۔ ایکبار مرزا شمشاد علی بیگ رضوان نے
 کوتاہ قلبی کی شکایت کی۔ اسکے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

» مرزا! رسم تحریر خطوط بسبب ضعف ترک ہوتی جاتی ہو۔ تحریر کا تارک نہیں ہوں، بلکہ
 متروک ہوں.... اگر تمہاری خط کا جواب نہ لکھوں تو محلِ ترحم ہو نہ مقام شکایت ۱۰ (۴)

اپریل سنہ ۱۸۶۶ ع میں سید احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں:

» پرو مرشد! آپ کو میری حال کی بھی خبر ہو۔ ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔ رعشہ پیدا ہو
 گیا۔ بینائی میں بڑا فتور پڑا۔ حواس مختل ہو گئے۔ جہالتک ہوسکا احباب کی خدمت بجا لایا۔

اوراق اشعار لیٹی لیٹی دیکھتا تھا، اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھی، نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جاؤ۔ کچھ ہین کہ شاہ شرف بو علی قلندر کو بسبب کبر سن کو خدا نے فرض اور پیمبر نے سنت معاف کر دی تھی۔ مین متوقع ہوں کہ میری دوست خدمت اصلاح اشعار مجھے معاف کر دیں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہوسکیگا لکھ دیا کرونگا۔ زیادہ حد ادب۔ (۱)

مولوی حبیب اللہ خان ذکا نے کیفیت مزاج دریافت کی تو اسپر در افشانی فرماتے ہین :

”تم میری بات پوچھتی ہو۔ مگر مین کیا لکھوں؟ ہاتھ مین رعشہ۔ انگلیاں کہتی مین نہیں۔ ایک آنکھ کی بینائی زایل۔ جب کوئی دوست آجاتا ہی، تو اوس سے خطوط کا جواب لکھوا دیتا ہوں۔“ (۲)

جون سنہ ۱۸۶۷ ع مین میان داد خان سیاح کو اپنی حالت لکھتے ہوئے فرماتے ہین :

”میرا حال ایسی ہے جانو کہ اب مین خط نہیں لکھ سکتا۔ آگے لیٹی لیٹی لکھتا تھا۔ اب رعشہ وضعف بصارت کی سبب سے وہ بھی نہیں ہو سکتا۔“ (۳)

انہیں کو اگست سنہ ۶۷ ع مین لکھا ہے :

”آگے مین لیٹی لیٹی کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ مین رعشہ۔ آنکھوں مین ضعف بصر۔ کوئی تصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آجاتا ہی تو اوس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔ بھائی! مین تو اب کوئی دن کا مہمان ہوں۔ اور اخبار والی میرا حال کیا جانیں؟ ہاں اکمل الاخبار اور اشرف الاخبار والی کہ یہ بیان کر رہی والی ہین، اور مجھے ملتی رہتی ہین۔ سو اونکی اخبار مین مین نے اپنا حال مفصل چھپوا دیا ہے۔ اور اوس مین مین نے عذر چاہا خطوں کے جواب سے اور اشعار کی اصلاح سے۔ اوس پر کسی فی عمل نکیا۔ اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار اصلاحوں کے چلے آتی ہین، اور مین شرمندہ ہوتا ہوں۔ بوڑھا، اپاہج، پورا بہرا، آدھا اندھا۔ ذرات پڑا رہتا ہوں۔“ (۴)

نواب میر غلام بابا خان بہادر نے کبھی کبھی اطلاع خیریت کی خواہش کی تھی۔ اونہیں ۶ اپریل سنہ ۱۸۶۸ ع کو لکھتے ہین :

”آپ جو فرماتے ہین کہ تو اپنی خیر و عافیت کبھی کبھی لکھا کر۔ آگے اتنی طاقت باقی تھی، کہ لیٹی لیٹی کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ طاقت بھی زائل ہو گئی۔ ہاتھ مین رعشہ

(۱) اردوی معنی، ص ۲۴۳ (۲) ایضاً، ص ۴۰ (۳) ایضاً، ص ۳۳ (۴) ایضاً، ص ۲۰
ش — الف

پیدا ہو گیا۔ بینائی ضعیف ہو گئی۔ متصدی نوکر رکھنے کا مقدور نہیں۔ عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت پر آگئے تو میں مطلب کہتا گیا وہ لکھتے گئے۔ (۱) ۰۰
سید احمد حسن صاحب کو کسی دوست نے اطلاع دی کہ اب میرزا صاحب کو افاقہ ہے۔ انہوں نے میرزا صاحب سے اسکی تصدیق چاہی۔ اسپر تحریر فرماتے ہیں:

”وہ جو آپ نے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض سے افاقہ ہے سو محض غلط ہے۔ آگے ناتوان تھا۔ اب نیمجان ہوں۔ خط نہیں لکھ سکتا۔ ایک لڑکے سے یہ چند سطرین لکھوا دی ہیں۔ جو میں کہتا گیا ہوں، وہ غریب لکھتا گیا ہے۔ (۲) ۰۰
اپنی اس مجبوری کے زمانہ میں میرزا صاحب دوستوں اور شاگردوں کے خطوط کی طرح اعزہ کے خطوط کا جواب بھی بمشکل دیا کرتے تھے۔ نواب زین العابدین خان عارف کے بڑے لڑکے باقر علیخان کامل کو پوتوں کی طرح پالا تھا۔ وہ روزگار کی تلاش میں الور گئے۔ دلی میں بیوی اور ایک بچی چھوڑ گئے تھے۔ میرزا صاحب سے امید تھی کہ اپنی اور بہو اور پوتی کی خیریت سے مطلع کرتے رہیں گے۔ لیکن میرزا صاحب، جو اب معذور ہو چکے تھے، اونکو بھی تاخیر سے جواب دیتے تھے۔ ایکبار انہوں نے شکایت کی۔ میرزا صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا:

”مجھے جو تم گلہ کرتے ہو خط کی نہ بھینچے کا۔ بھائی! اب میری اونگلیاں نکلی ہو گئی ہیں، اور بصارت میں بھی ضعف آگیا ہے۔ دو سطرین نہیں لکھ سکتا۔ اطراف و جوانب کے خطوط آئے ہوئے دھری رہتے ہیں۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے میں اوس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔ پرسوں کا تمہارا خط آیا ہوا دھرا تھا۔ اب اسوقت مرزا یوسف علیخان آگئے۔ میں نے اونی یہ خط لکھوا دیا۔ (۳) ۰۰

طباعت خطوط

میرزا صاحب کی ممانعت

سب سے پہلے منشی شیو نراین اکبر آبادی اور ہرگوپال تفتہ کو میرزا صاحب کے خطوط کی طباعت کا خیال پیدا ہوا۔ ان دونوں نے علیحدہ علیحدہ میرزا صاحب کو اپنی تجویز سے مطلع کر کے اشاعت کی اجازت چاہی۔ لیکن اوس عہد تک مراسلت میں انشا پردازی کے تمام اصول و ضوابط کا لحاظ ضروری شمار ہوتا تھا، اور میرزا صاحب کے خیال میں زبانِ اردو کے لئے اس بارِ گران کا تحمل دشوار تھا۔ چنانچہ ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب کی فرمائشِ اردو کے جواب میں انہوں نے یہی لکھ دیا تھا، کہ اس زبان میں زورِ قلم صرف کر کے معانی نازک پیدا کرنا اور اس طرح اپنا کمالِ انشا ظاہر کرنا مشکل ہے۔ اس میں گنجائشِ عبارت آرائی کہاں جو کوشش کی جائے؟ لہذا مجھے اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔^(۱) علاوہ ازیں انہوں نے اردو مراسلت کاوش پڑوہی سے بچنے کیلئے شروع کی تھی، اور اسوجہ سے کبھی قلم سنبھالکر اور دل لگا کر کوئی خط نہ لکھا تھا۔ ان یارانِ باصفا کی تجویز منظور کر لینے میں خطرہ ہوا کہ کہیں کمالِ انشائی فارسی کے مداح اردو نثر دیکھکر شکوہِ سختوری پر نکتہ چینی نہ کرنے لگیں، اور اردو کا یہ پھیکا پکوان فارسی کی اونچی دوکان کی شہرت پر دھبا نہ لگا دے۔ اسلئے ۱۸ نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع کو منشی شیو نراین اکبر آبادی کو جواباً لکھا:

اردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتی ہیں بہ بھی زاید بات ہو۔ کوئی رقمہ ایسا ہوگا کہ جو میں نے قلم سنبھالکر اور دل لگا کر لکھا ہوگا۔ ورنہ صرف تحریرِ سرسری ہو۔ اوسکی

(۱) اردو می، ص ۳۶۳ و ۳۶۶ و ۳۶۷ پر وہ خطوط ملاحظہ ہوں جن میں میرزا صاحب نے اردو نثر لکھنے سے انکار کیا ہو۔ اور ساتھ ہی اس انکار کے وجوہ بھی بتائے ہیں۔

شہرت میری سختی کی شکوہ کی منافی ہو۔ اس سے قطع نظر کیا ضرور ہی کہ ہماری آپس کی معاملات اورون پر ظاہر ہوں؟ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھاپا میری خلاف طبع ہی ۴۰ (۱) اسی اثنا مین مرزا تفتہ کا پرزور نیازنامہ آیا۔ اوسکو پڑھکر ۲۰ نومبر سنہ ۵۸ ع کو ادھر منشی شیونراہن کو لکھا:

»رقعوں کی چھاپہ کی باب مین نمائند لکھ چکا ہوں۔ البتہ اس باب مین میری رائے پر تمکو اور مرزا تفتہ کو عمل کرنا ضرور ہی ۴۰ (۱)

اور اوسطرف مرزا تفتہ کی ہٹ کے جواب مین مشفقانہ تحریر کیا:

»رقعات کی چھاپہ جاتی مین ہماری خوشی نہیں ہی۔ اڑکون کی سی ضد نکرو۔ اور اگر تمہاری اسی مین خوشی ہی تو صاحب مجھ سے نہ پوچھو۔ تمکو اختیار ہی۔ یہ امر میری خلاف رائے ہی ۴۰ (۲)

اسکے بعد ان دونوں نے طباعتِ مکاتیب کے سلسلہ مین کچھ نہیں لکھا۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انہوں نے ارادۂ طباعت فسخ کر دیا تھا۔

مکتوبات غالب کا پہلا مجموعہ۔ مہر غالب

اس واقعہ کے دو سال بعد سنہ ۱۲۷۸ ھ (۱۸۶۱ ع) مین چودھری عبد الغفور سرور مارہروی اور منشی ممتاز علیخان رئیس میرٹھ نے میرزا صاحب کی اجازت حاصل کیے بغیر اون خطوط کی طباعت کا تہیا کیا، جو سرور کے نام میرزا صاحب نے لکھے تھے۔ ترتیب کا کام سرور کے سپرد ہوا اور طباعت کا ذمہ، ممتاز علیخان نے لیا۔ مجموعہ کا سرور نے »مہر غالب« نام رکھا اور اوسکے دیباچہ مین لکھا: (۳)

»ارباب علوم کو معلوم ہو کہ مین انکسار ظہور، عبد الغفور متخلص بہ سرور، مارہروی بدو شعور سے اہل سخن کا طالب اور صاحب کمال کا خواہان تھا۔ جب کلام بلاغت نظام رشک صائب، نضر طالب، جناب اسد اللہ خان صاحب غالب کا دیکھا، دل کو ہایا۔ یکتا پایا۔ ترسیل

(۱) اردو معلیٰ، ص ۳۶۱ (۲) ایضاً ص ۱۰۵

(۳) اگرچہ سرور نے سنہ ۱۸۶۱ ع مین میرزا صاحب کے خطوط مرتب کر لیے تھے۔ لیکن دیباچہ لکھنے کی نوبت سنہ ۱۸۶۳ ع مین آئی، جب کہ کتاب پریس کو جا رہی تھی۔ اسلئے کہ عود ہندی (ص ۴۷) مین میرزا صاحب کا ایک خط اس دیباچہ کی تعریف مین درج ہی، جو اسلئے سنہ ۱۸۶۳ ع کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مین میرزا صاحب نے ماقبل مکتوب کا حوالہ دیا ہے، اور ماقبل کا خط کثرت شور و اورام کی داستان پر مشتمل ہے، جو سنہ مذکورہ کا واقعہ ہے۔

مراسلات میں قدم بڑھایا۔ ہر کتابت کا جواب آیا۔ جو نامہ کہ بنام میری بعبارت اردو تحریر کیا، مکتوب سادہ رویوں سے دلربا تر، اور ہر سطر اوسکی سلسلہ مویوں سے تاب فرساز یادہ ہو۔ جس آنکھ نے دیکھا وہ بینا ہو۔ جس کان نے سنا وہ شنوا ہو۔ پس تنہا متلذذ ہونا اور آپ ہی آپ مزہ اونٹھانا خلاف انصاف جانا۔ دل مایل تمام بشہرت عام ہوا۔ اور ہنوز یہ قصد ناتمام تھا، کہ بحسن اتفاق غفر زمان، وحید دوران، جناب ممتاز علیخان صاحب متوطن میرٹھ ... رونق افزای مارہرہ ہوی ... ایک روز محفل ممدوح میں ذکر ہمہ ذاتی و شیوہ بیانی جناب اسنادی و بخدوسی درمیان آیا۔ ارشاد کیا کہ کلام مرزا صاحب نسیم جانفزا اور شمیم دلکش ہو۔ فارسی کا کیا کہنا! اردو بھی یکتا ہو۔ نظم و نثر فارسی تو محلی بحالیہ انطباع ہوا۔ لیکن نثر اردو زیور طبع سے عاری رہا۔ اگر وہ خطوط کہ بنام تمہاری آئی اور تم نے سنائی ہیں جمع کرو تو میں اوسکی انطباع کا بیڑا اونٹھاتا ہوں۔ اس تقریر سے نسیم تاثیر نے غنچہ دل کھلایا۔ منشای خاطر ظہور میں آیا۔ وہ مکتوب کہ بنام میری آئی تھی ترتیب دی۔ گویا جواہر نے ہا کان قلدان سے نکال کر کشتی اوراق میں جمع کئی۔ چونکہ محبت جناب غالب میری حال پر بہت غالب ہو، لہذا نام اس انشا کا "مہر غالب" (بکسر مہم) مناسب ہو۔ سال ختم تالیف بھی اس نام سے مطابق پایا۔ (۱)

یہ تجویز پاس ہوگئی اور منشی ممتاز علی خان صاحب میرٹھ چلے آئے۔ لیکن ابھی طباعت شروع نہوئی تھی کہ اونہیں خیال پیدا ہوا کہ میرزا صاحب کے مزید رقعات تلاش کر کے اس مجموعہ میں شامل کئے جائیں۔ اس خیال کی تکمیل میں قدرت نے امداد کی اور اونہیں ایک اور مجموعہ کا پتہ چلا، جو میرزا صاحب کے علم و امداد سے مرتب کیا جا رہا تھا۔

مکاتیب غالب کا دوسرا مجموعہ

یہ مجموعہ منشی غلام غوث خان بہادر بیخبر مرتب کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ارادہ کی اطلاع میرزا صاحب کو پہلے سے دیدی تھی، اور یہ خواہش کی تھی، کہ اوں تمام خطوں کی نقول بھی مہیا کر دیں، جو دوسرے احباب اور شاگردوں کے نام لکھے گئے ہیں۔ میرزا صاحب نے اس التماس کو قبول کر لیا تھا۔ لیکن اوسوقت تک اونکا یہ خیال تھا کہ صرف وہ خط مرتب کیے جائیں، جن میں کوئی ادبی خوبی ہو۔ روزمرہ

کی نجی ضروریات پر مشتمل خطون کو خارج کر دیا جائے۔ اسلئے بیخبر کو جواب میں لکھا تھا:

» آپ کو معلوم رہے کہ منشی حبیب اللہ ذکا اور نواب مصطفیٰ خان حسرتی کو کبھی اردو خط نہیں لکھا۔ ہاں ذکا کو غزل اصلاحی کی ہر شعر کی تحت میں منشاء اصلاح سی آگہی دیجاتی ہے۔ نواب صاحب کو یوں لکھا جاتا ہے: » کھار آیا۔ خط لایا۔ آم پہنچی۔ کچھ بانٹی۔ کچھ کھاؤ۔ بچوں کو دعا۔ بچوں کی بندگی۔ مولوی الطاف حسین صاحب کو سلام۔ یہ تحریر اس ہفتہ میں گئی ہے۔ غرضکہ عامیانہ لکھنا اختیار کیا ہے۔ اب یہ عبارت جو تم کو لکھ رہا ہوں یہ لایق شمول مجموعہ نثر اردو کہات ہے؟ یقین جانتا ہوں کہ ایسی نثرون کو آپ خود نہ درج کریں گے۔ (۱)

اسی زمانہ میں مولوی عبد الغفور خان بہادر نساخ کو ایک خط لکھا تھا۔ اوسکی نقل بیخبر کو روانہ کرتے ہوئے تمہیداً تحریر کرتے ہیں:

» پیر و مرشد! کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں کلکتہ میں۔ مولوی عبد الغفور خان اونکا نام اور نساخ اونکا تخلص ہے۔ میری اونکی ملاقات نہیں۔ اونہوں نے اپنا دیوان چھاپنے کا موسوم بہ » دفتر یمثال « بچکو بھیجا۔ اوسکی رسید میں یہ خط میں نے اونکو لکھا۔ چونکہ یہ خط مجموعہ نثر اردو کے لایق ہے، آپ کے پاس ارسال کرتا ہوں۔ (۲)

لیکن ان نجی خطون کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ بیخبر نے اونکے اس مشورہ کو نہ مانا، اور ہر قسم کے خط شامل مجموعہ کر لیئے۔

مقام طباعت

میرزا صاحب کا خیال تھا کہ بیخبر اس مجموعہ کو الہ آباد میں، جہاں وہ مقیم تھے، طبع کرائینگے۔ اسلئے ایک انگریز کے استفسار کے سلسلہ میں بیخبر کو لکھا:

» جناب کیمس صاحب بہادر افسر مدارس غرب و شمال کا باوجود عدم تعارف خط بچکو آیا۔ کچھ اردو زبان کے ظہور کا حال پوچھا تھا۔ اوسکا جواب لکھ بھیجا۔ نظم و نثر اردو طلب کی تھی۔ مجموعہ نظم بھیج دیا۔ نثر کے باب میں تمہارا نام نہیں لکھا۔ مگر یہ لکھا کہ الہ آباد میں وہ مجموعہ چھاپا جاتا ہے۔ بعد انطباع و حصول اطلاع وہاں سے مگنا کر بھیج دوں گا۔ (۳)

مگر بیخبر نے اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے لکھا کہ منشی ممتاز علیخان رئیس میرٹھ نے اپنے مطبع میں طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ میرزا صاحب ان بزرگ سے واقف تھے، اسلئے بیخبر کی اس خبر پر اطمینان ظاہر کیا، اور جب بیخبر نے دوبارہ اونکا ذکر کیا تو تحریر فرمایا:

حضرت پیر و مرشد! اس سے آگے آپکو لکھ چکا ہوں کہ منشی ممتاز علیخان صاحب سے

میری ملاقات ہو، اور وہ میری دوست ہیں۔ (۱)

طباعت میں تاخیر

خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر نے مکاتیب کی جمع و ترتیب کا کام سنہ ۶۱ ع میں شروع کیا۔ میرزا صاحب کے مکتوب الہم میں سے جو بزرگ خود اونکے دوست تھے اونسے براہ راست، اور جنکی خدمت میں خود نیاز حاصل نہ تھا اونسے بتوسط غالب خطوط کی نقلین مہیا کیں، اور سنہ ۶۵ ع میں یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ لیکن میرزا صاحب نے، جو سنہ ۶۳ ع کے بعد سے طباعت کا انتظار کرنے لگے تھے، آخر کار مجبور ہو کر تقاضا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک خط کے آخر میں بیخبر کو لکھا ہے:

اور مان حضرت! وہ مجموعہ چھپ گا بالفتح یا چھپ گا بالضم۔ چھپ چکا ہو تو حق التصیف کی جتنی جلدیں منشی ممتاز علیخان صاحب کی ہمت اقتضا کری فقیر کو

بھیجی ۲۰ (۲)

اجاب کی تقاضی

اس مجموعہ کی ترتیب میں مختلف اصحاب کے پاس سے خطوط کی نقلین منگائی گئی تھیں۔ اسلئے پبلک میں کافی شہرت ہو چکی تھی۔ جب اشاعت میں زیادہ تاخیر ہو گئی تو میرزا صاحب کے پاس تقاضے کے خطوط آنے لگے۔ ان تقاضوں سے پریشان ہو کر میرزا صاحب نے ۷ مارچ سنہ ۱۸۶۴ ع کو بیخبر کے نام حسب ذیل خط لکھا:

دھان حضرت! کہی۔ منشی ممتاز علیخان کی سعی بھی مشکور ہوگی؟ وہ مجموعہ اردو

چھپا گا یا چھپا ہی رہیگا؟ احباب اوسکو طالب ہیں۔ بلکہ بعض نو طلب کو بسرحد تقاضا پہنچا دیا ہو۔ (۱)

پنجاب احاطہ کی مانگ

ان تقاضا کر نیوالے احباب میں سب سے زیادہ حصہ زندہ دلان پنجاب نے لیا تھا۔ ان سے مجبور ہو کر میرزا صاحب نے منشی ممتاز علیخان صاحب کو ملزم ٹھراتے ہوئے پیخبر کو تحریر کیا :

”اجی حضرت! یہ منشی ممتاز علیخان کیا کر رہی ہیں؟ رقمی جمع کئی اور نہ چھپوائی۔ فی الحال پنجاب احاطہ میں اونکی بڑی خواہش ہی۔ جانتا ہوں کہ وہ آپکو کہان ملین گو جو آپ اون سو کہیں۔ مگر یہ تو حضرت کی اختیار میں ہی کہ جتنی میری خطوط آپکو پہنچی ہیں وہ سب یا اون سب کی نقل بطریق پارسل آپ بجکو بھیجیدن۔ جی یوں چاہتا ہو کہ اس خط کا جواب وہی پارسل ہو۔ (۲)

میرزا صاحب کا دیباچہ

غالباً اس کے جواب میں خواجہ غلام غوث خان بہادر پیخبر نے میرزا صاحب کو لکھا کہ آپ مجموعہ نثر اردو کیلئے دیباچہ لکھ کر روانہ فرمائیں تو کتاب پریس کو بھیجی جائے۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے تحریر کیا :

”میں صاحب فراش ہوں۔ اونٹنا بیٹھنا ناممکن ہو۔ خطوط لیٹی لیٹی لکھتا ہوں۔ اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں؟ (۳)

پیخبر نے اسکے بعد بھی دیباچہ لکھنے کی درخواست کی تو اونہیں ظریفانہ انداز میں لکھا :

”بندہ پرور! اگر ایک بندہ قدیم، کہ عمر بھر فرمان پزیر رہا ہو، بڑھاڑ میں ایک حکم بجا نہ لاوی تو مجرم نہیں ہو جاتا۔ مجموعہ نثر اردو کا انطباع اگر میری لکھی ہوئی دیباچہ پر موقوف ہو، تو اوس مجموعہ کا چھپ جانا بالفتح میں نہیں چاہتا، بلکہ چھپ جانا بالضم چاہتا ہوں۔ سعدی علیہ الرحمہ فرماتی ہیں :

رسم است کہ مالکان تحریر * آزاد کنند بندہ پیر

آپ بھی اوسی گروہ یعنی مالکان تحریر میں سی ہیں۔ پھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتی؟ (۴)

خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر نے میرزا صاحب کا عذر تسلیم کر کے اپنے جمع کردہ خطوط منشی ممتاز علیخان صاحب کے پاس بھیج دیے۔ منشی صاحب نے چودھری عبد الغفور سرور اور خواجہ صاحب کے مجموعہای مکاتیب کو یکجا کر کے »عود ہندی« نام رکھا، اور خود دیاچہ لکھ کر جمع و ترتیب میں سعی کر نیوالے اصحاب کی محنت کی اس طرح داد دی :

»... نجم الدولہ اسد اللہ خان بہادر غالب، جنکی ذات باکالات محتاج تعریف تھیں ... سارا ہند اونہیں جانتا ہو۔ ایران تک اونکی جادویانی کا چرچا ہو۔ بھئی مدت سی اسکا خیال تھا کہ فارسی تصنیفیں تو اونکی بہت مرتب ہوئیں، اور چھاپی گئیں۔ ... مگر کلام اردو فی سوائے ایک دیوان کی ترتیب نہ پائی۔ یہ دولت ارباب شوق کو ہاتھ نہ آئی۔ حالانکہ نثر اردو اونکی اورون کی فارسی سی ہزار درجہ بہتر ہو۔ یہ سلاست بیان، یہ شستگی زبان، روزمرہ کی صفائی، اداؤں کی شوخی، کسی کو کب میسر ہو؟ اوسے بھی ترتیب دیجو۔ قدر دانوں پر احسان کیجو۔ میری عنایت فرما اور مرزا صاحب کی شاگرد یکتا چودھری عبد الغفور صاحب سرور تخلص سی یہ ذکر آیا، تو اونہوں فی جستجو خطوط مرزا صاحب کی اونکی نام آئی تھی، سب کو ایک جا کر کے اور اوسپر ایک دیاچہ لکھ کر، وہ مجموعہ عنایت کیا۔ عرصہ تک سرگرم تلاش رہا۔ جا بجا سی اور تحریریں مرزا صاحب کی بہم پہنچائیں۔ بڑی محنت اونٹھائی، تب تمنا برآئی، اور مجموعہ مرتب ہوا۔ آج پورا اپنا مطلب ہوا۔

خواجہ غلام غوث خانصاحب بہادر بیخبر تخلص، جو نواب معلی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی کی میر منشی اور میری مخدوم خاص اور حضرت غالب صاحب کی مخلص با اختصاص ہیں، اس تلاش میں میری معین اور مددگار رہے۔ بہت کچھ ذخیرہ اونکی بدولت بہم پہنچا۔

اس کتاب کی دو فصل اور ایک خاتمہ ہو۔ پہلی فصل میں چودھری صاحب کی مرتب کی ہوئی خطوط اور اونکا لکھا ہوا دیاچہ، دوسری فصل میں میری جمع کی ہوئی رقعات، اور خاتمہ میں چند نثریں ہیں، جو جناب غالب فی اورون کی کتابوں پر تحریر فرمائی ہیں۔ »عود ہندی« اس کتاب کا نام ہو۔ (۱)

عود ہندی کا سال طباعت

عود ہندی کا یہ اڈیشن منشی ممتاز علیخان نے اپنے مطبع مجتبیٰ واقع

چھپی گا یا چھپا ہی رہیگا؟ احباب اوسکو طالب ہیں۔ بلکہ بعض نے طلب کو بسرحد تقاضا پہنچا دیا ہو۔ (۱)

پنجاب احاطہ کی مانگ

ان تقاضا کر نیوالے احباب میں سب سے زیادہ حصہ زندہ دلان پنجاب نے لیا تھا۔ ان سے مجبور ہو کر میرزا صاحب نے منشی ممتاز علیخان صاحب کو ملزم ٹھراتے ہوئے پیخبر کو تحریر کیا:

«اجی حضرت! یہ منشی ممتاز علیخان کیا کر رہی ہیں؟ رقم جمع کئی اور نہ چھپوائی۔ فی الحال پنجاب احاطہ میں اونکی بڑی خواہش ہے۔ جانتا ہوں کہ وہ آپکو کہاں ملین گی جو آپ اون سے کہیں۔ مگر یہ تو حضرت کی اختیار میں ہے کہ جتنی میری خطوط آپکو پہنچی ہیں وہ سب یا اون سب کی نقل بطریق پارسل آپ بجکو بھیج دین۔ جی یوں چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب وہی پارسل ہو۔ (۲)»

میرزا صاحب کا دیباچہ

غالباً اس کے جواب میں خواجہ غلام غوث خان بہادر پیخبر نے میرزا صاحب کو لکھا کہ آپ مجموعہ نثر اردو کیلئے دیباچہ لکھ کر روانہ فرمائیں تو کتاب پریس کو بھیجی جائے۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے تحریر کیا:

«میں صاحب فراش ہوں۔ اونٹنا بیٹھنا ناممکن ہے۔ خطوط لیٹی لیٹی لکھتا ہوں۔ اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں؟ (۳)»

پیخبر نے اسکے بعد بھی دیباچہ لکھنے کی درخواست کی تو اونہیں ظریفانہ انداز میں لکھا:

«بندہ پرور! اگر ایک بندہ قدیم، کہ عمر بھر فرمان پزیر رہا ہو، بڑھاپے میں ایک حکم بجا نہ لاوی تو مجرم نہیں ہو جاتا۔ مجموعہ نثر اردو کا انطباق اگر میری لکھی ہوئی دیباچہ پر موقوف ہے، تو اوس مجموعہ کا چھپ جانا بالفتح میں نہیں چاہتا، بلکہ چھپ جانا بالضم چاہتا ہوں۔ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

رسم است کہ مالکان تحریر * آزاد کنند بندہ پیر

آپ بھی اوسی گروہ یعنی مالکان تحریر میں سے ہیں۔ پھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ (۴)»

خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر نے میرزا صاحب کا عذر تسلیم کر کے اپنے جمع کردہ خطوط منشی ممتاز علیخان صاحب کے پاس بھیج دیے۔ منشی صاحب نے چودھری عبد الغفور سرور اور خواجہ صاحب کے مجموعہایِ مکاتیب کو یکجا کر کے »عودِ ہندی« نام رکھا، اور خود دیباچہ لکھ کر جمع و ترتیب میں سعی کر نیوالے اصحاب کی محنت کی اس طرح داد دی :

»... نحم الدولہ اسد اللہ خان بہادر غالب، جنکی ذات باکالات محتاج تعریف نہیں ... سارا ہند اونہیں جانتا ہو۔ ایران تک اونکی جادویانی کا چرچا ہو۔ بھئی مدت سی اسکا خیال تھا کہ فارسی تصنیفین تو اونکی بہت مرتب ہوئیں، اور چھاپی گئیں۔ ... مگر کلام اردو نے سوائے ایک دیوان کے ترتیب نپائی۔ یہ دولت ارباب شوق کے ہاتھ نہ آئی۔ حالانکہ نثر اردو اونکی اوروں کی فارسی سے ہزار درجہ بہتر ہو۔ یہ سلاست بیان، یہ شستگی زبان، روزمرہ کی صفائی، اداؤں کی شوخی، کسی کو کب میسر ہو؟ اوسے بھی ترتیب دیجیو۔ قدر دانوں پر احسان کیجیو۔ میری عنایت فرما اور مرزا صاحب کی شاگرد یکتا چودھری عبد الغفور صاحب سرور تخلص سے یہ ذکر آیا، تو اونہوں نے جتنی خطوط مرزا صاحب کے اونکی نام آؤ تھے، سب کو ایک جا کر کے اور اوسپر ایک دیباچہ لکھ کر، وہ مجموعہ عنایت کیا۔ عرصہ تک سرگرم تلاش رہا۔ جا بجا سے اور تحریرین مرزا صاحب کی ہم پہچانیں۔ بڑی محنت اونٹھائی، تب تمنا برآئی، اور مجموعہ مرتب ہوا۔ آج پورا اپنا مطلب ہوا۔

خواجہ غلام غوث خانصاحب بہادر بیخبر تخلص، جو نواب علی القصاب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی کے میر منشی اور میری مخدوم خاص اور حضرت غالب صاحب کے مخلص با اختصاص ہیں، اس تلاش میں میری معین اور مددگار رہے۔ بہت کچھ ذخیرہ اونکی بدولت ہم پہنچا۔

اس کتاب کی دو فصل اور ایک خاتمہ ہو۔ پہلی فصل میں چودھری صاحب کے مرتب کیے ہوئے خطوط اور اونکا لکھا ہوا دیباچہ، دوسری فصل میں میری جمع کیے ہوئے رقعات، اور خاتمہ میں چند نثرین ہیں، جو جناب غالب نے اوروں کی کتابوں پر تحریر فرمائی ہیں۔ »عودِ ہندی« اس کتاب کا نام ہو۔ (۱)

عودِ ہندی کا سال طباعت

عودِ ہندی کا یہ اڈیشن منشی ممتاز علیخان نے اپنے مطبع مجتبائی واقع

شہر میرٹھ میں طبع کیا۔ کتاب ۱۸۸ صفحوں پر تمام ہوئی۔ خاتمہ حکیم غلام مولانا قلق میرٹھی نے لکھا۔ آخر میں چار تاریخی قطعے اضافہ کیے گئے۔ ان میں ایک قلق کا، ایک اونکے شاگرد منشی عبد الحکیم محو میرٹھی کا، اور بقیہ دو غالباً خود منشی ممتاز علیخان صاحب کے ہیں۔

ان قطعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۸۵ ہجری میں طباعت پایہ تکمیل کو پہنچی۔ آخری صفحے کے نچلے گوشہ میں ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ ہجری درج ہے، جس سے تاریخ و ماہ بھی متعین ہو جاتے ہیں۔

میور صاحب کی نذر

آخری قطعہ کے مطالعہ سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوتی ہے، کہ منشی ممتاز علیخان نے میور صاحب (غالباً سر ولیم میور گورنر ممالک مغربی و شمالی) کی خدمت میں عود کا مطبوعہ نسخہ نذر گزارا تھا۔ سر ولیم میور علوم مشرقیہ کے عالم تھے۔ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر نے، جو عود ہندی کی جمع و ترتیب میں برابر کے شریک تھے، طابع کو مشورہ دیا ہوگا کہ مطبوعہ نسخہ صوبہ کے اعلیٰ حاکم کے نام معنون کر کے اوسکے نشر و اشاعت کی تکمیل پر مہر توثیق ثبت کریں۔ اوس زمانہ میں اردو زبان میں ایسی نادر کتابیں معدودے چند شایع ہوئی تھیں۔ گورمنٹ بعض سیاسی مصالح کے ماتحت نئی مفید کتابوں کی اشاعت میں انعام کے نام سے یا امداد طبع کھکر اخراجات کا بار اوٹھا لیا کرتی تھی۔ اسلئے بعید نہیں کہ منشی صاحب کو بھی کچھ روپیہ مل گیا ہو۔

میرزا صاحب کا حق تصنیف

ایکبار میرزا صاحب نے کتاب کی فوری اشاعت کا تقاضا کرتے ہوئے میخبر کو لکھا تھا:

داور ہان حضرت! وہ مجموعہ چھپیکا بالفنج با چھپیکا بالضم۔ چھپ چکا ہو تو حق

التصنیف کی جتنی جلدیں منشی ممتاز علیخان صاحب کی ہمت اقتضا کرے فقیر کو بھیجی . . (۱)

یہ امر یقینی ہے کہ عودِ ہندی میرزا صاحب کی زندگی میں شایع ہوئی . اسلئے بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے حق التصنیف حاصل کیا ہوگا . لیکن اونکے مکاتیب میں اسکی طباعت یا حق التصنیف کے نسخوں کی وصولیابی کا مطلق ذکر نہیں پایا جاتا . بنابرین اس بارہ میں کسی قطعی رای کا اظہار غیر مناسب ہے .

عود کی رقعات کی تعداد

عودِ ہندی کے کل رقعات کی تعداد ۱۶۲ ہے . ان میں ۲۵ چودھری عبد الغفور سرور کے نام ، ۲ صاحب عالم مارہروی کے نام ، ۲ شاہ عالم مارہروی کے نام ، ۲۰ نواب انور الدولہ بہادر شفق کے نام ، ۲ یوسف علیخان عزیز کے نام ، ۳۱ میر مہدی مجروح کے نام ، ۱ میر سرفراز حسین کے نام ، ۱ میرزا علاء الدینخان بہادر علائی کے نام ، ۱ مرزا تفتہ کے نام ، ۱۸ مرزا حاتم علی مہر کے نام ، ۲۵ خواجہ غلام غوث خان بہادر بیخبر کے نام ، ۱ مولوی عبد الغفور خان نساخ کے نام ، ۱ ظہیر الدینخان کیطرف سے اونکے چچا کے نام ، ۱ نواب مصطفی خان شیفتہ کے نام ، ۱ نواب مردان علیخان رعنا کے نام ، ۱ مرزا رحیم بیگ کے نام ، ۱۰ مولوی عبد الرزاق شاکر کے نام ، ۱۵ قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کے نام ، ۱ مولوی عزیز الدین کے نام ، ۱ سید محمد عباس صاحب کے نام اور ۱ منشی غلام بسم اللہ صاحب کے نام ہے .

ان خطوط کے علاوہ دو تقریظین ، مرزا حاتم علی مہر کی مثنوی کی تقریظ اور رجب علی بیگ سرور کی گلزار سرور کی تقریظ ، اور تین دیباچے ، حدائق الانظار کا دیباچہ ، قواعد تذکیر و تانیث کا دیباچہ ، اور مرزا کلب حسین خان بہادر کے مجموعہ قصاید کا دیباچہ بھی کتاب میں شامل ہیں . نیز

ایک خط ینخبر کا بھی درج کیا گیا ہے، جو میرزا صاحب کے خط کا جواب تھا اور اپنی ادبی خویوں کی وجہ سے منشی ممتاز علیخان بہادر کی نظر میں شامل مجموعہ ہونے کے قابل تھا۔

مکاتیب غالب کا تیسرا مجموعہ

ابھی عودِ ہندی طبع ہونے نہ پائی تھی، کہ اطرافِ ہند سے میرزا صاحب کے مجموعہ خطوط کی مانگ شروع ہو گئی۔ میرزا صاحب نے خواجہ غلام غوث خان بہادر کو اونکے مرتب کردہ مجموعہ کی طباعت کے متعلق بار بار لکھا۔ لیکن جب سال پر سال گزرنے لگا اور کسی طرح کتاب نہ چھپی، تو انہیں اوسکی طباعت کی طرف سے مایوسی ہو گئی۔ احبابِ دہلی نے یہ دیکھ کر، کہ میرٹھ اس ادبی انقلاب میں پہلا قدم اٹھانے سے قاصر نظر آتا ہے، تہیا کیا کہ اس شرف کو خود حاصل کریں، اور مالکِ اکمل المطابع دہلی کو اخراجاتِ طباعت برداشت کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اب خطوط کی فراہمی کا مسئلہ باقی رہتا تھا۔ وہ اس طرح حل ہو گیا کہ خود میرزا صاحب، جو اپنی انشا کی حقیقی قدر و قیمت اور بازاری مانگ سے باخبر ہو چکے تھے، اس میں ہاتھ بٹانے کیلئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ چاروں طرف اصل خطوط یا اونکے نقول کی طلب میں خطوط لکھے گئے، اور رفتہ رفتہ کافی ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ اس سلسلہ میں خود میرزا صاحب نے جن احباب کو لکھا اون میں سے نواب علاء الدین خان بہادر علائی کے متعلق دستاویزی ثبوت موجود ہے۔ بقیہ اصحاب نے میرزا صاحب کے تقاضائی خطوط کی نقلیں نہیں بھیجیں۔ اسلئے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون بزرگ تھے جنہیں خود میرزا صاحب نے ارسالِ نقول کیلئے لکھا تھا۔

نواب علاء الدین خان بہادر کو سب سے پہلا خطوط طلبِ مکتوب اونکے لوہارو پہنچنے کے بعد لکھا ہے۔ فرماتے ہیں :

”مقصود ان سطور کی تحریر سی یہ ہی کہ مطبع اکل المطابع میں چند احباب میری مسودات اردو کے جمع کرنے پر اور اوسکی چھپوانی پر آمادہ ہوئی ہیں۔ مجھے مسودات مانگو ہیں، اور اطراف و جوانب سے بھی فراہم کیے ہیں۔ میں مسودہ نہیں رکھتا۔ جو لکھا وہ جہان بھیجتا ہو وہاں بھیج دیا۔ یقین ہی کہ خط میری تمہاری پاس بہت ہونگی۔ اگر اونکا ایک پارسل بنا کر بسیل ڈاک بھیج دو گی، یا آج کل میں کوئی ادھر آئیو والا ہو اوسکو دیدو گی، تو موجب میری خوشی کا ہوگا، اور میں ایسا جانتا ہوں کہ اوسکی چھاپی جائے گی تم بھی خوش ہوگی۔“ (۱)

نواب علاء الدین خان بہادر نے اس خواہش کی تکمیل میں پس و پیش کیا۔ میرزا صاحب نے سمجھا کہ غالباً نواب صاحب نجی معاملات کی اشاعت کے خیال سے گریز کر رہے ہیں۔ اگرچہ کچھ عرصہ قبل خود میرزا صاحب نے تفتہ کو یہ کہہ کر اشاعتِ خطوط سے روکا تھا کہ نجی واقعات کو منظرِ عام پر لانا کیا ضرور ہے؟ لیکن اب اونکا ادبی عقیدہ بدل چکا تھا۔ چنانچہ نواب صاحب کے اس خیال کی تردید میں تحریر کیا:

”میری خطوط اردو کے ارسال کے باب میں جو کچھ تین لکھا تمہاری حسن طبع پر تم سے بعید تھا۔ میں سخت بیمزہ ہوا۔ اگر بیمزگی کے وجوہ لکھوں تو شاید ایک تختہ کاغذ سیاہ کرنا پڑے۔ اب ایک بات موجز و مختصر لکھتا ہوں۔ سنو بھائی! اگر اون خطوط کا تمکو اخفا منظور ہو، اور شہرت تمہاری منافی طبع ہو، تو ہرگز نہ بھیجو۔ قصہ تمام ہوا۔ اور اگر اونکو تلف ہوئے کا اندیشہ ہی، تو میری دستخطی خطوط اپنی پاس رہنی دو، اور کسی متصدی سے نقل او تروا کر، چاہو کسی کے ہاتھ چاہو بسیل پارسل، ارسال کرو، لیکن جلد۔ خدا کے واسطے! کہیں غصہ میں آکر ”عطای تو بلقائ تو“ کہہ کر اصل خطوط نہ بھیج دینا، کہ یہ امر میری مخالف مقصود ہو۔“ (۲)

معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کے بعد بھی علانی نے ارسالِ نقول میں توقف کیا تھا؛ مگر میرزا صاحب نے پھر اس کے متعلق کچھ نہ لکھا، اور جب اونہوں نے اصلِ خطوط بھیج کر میرزا صاحب کے ترکِ طلب کا سبب دریافت کیا، تو صبحِ شنبہ ۳۰ مئی سنہ ۱۸۶۳ ع کو از راہِ معذرت لکھا:

”لاموجود الا اللہ۔ اوس خدا کی قسم! جسکو میں نے ایسا مانا ہی، اور اوسکو سوا کسی کو موجود نہیں جانا ہی، کہ خطوط کے ارسال کو مکرر نہ لکھنا از راہِ ملال

نہ تھا۔ طالب کی ذوق کو سست پا کر مین متوقف ہو گیا۔ متوسط ایک جلیل القدر آدمی اور طالب کتب کا سوداگر ہو۔ اپنا نفع نقصان سونپ چکا۔ لاگت بچت کو جانچ چکا۔ مین متوسط کو مہتمم سمجھا تھا، اور یہ خیال کیا تھا کہ یہ چھپو اٹیکا۔ ۳۰ رقمی ایک جگہ سے لیکر اونکو بھیجے۔ اوسکی رسید مین تقریباً اونہون کی طلب رقعات بہ تکلیف سوداگر لکھی، اور اوس سوداگر کو مفقود الخیر لکھا۔ ظاہراً کتابین لیکر کہیں گیا ہوگا۔ (یا) کتابین لے گیا ہوگا۔ یہ ۲۳ لفاظ اور ۳۴ خط بدستور میری بکس مین موجود و محفوظ رہیں گی۔ اگر متوسط بتقاضا طلب کریگا ان خطوط کی نقلین اوسکو اور اصل نمکو بھیج دوں گا۔ ورنہ تمہاری بھیجی ہوئی کاغذ نمکو پہنچ جائیگی۔ ۲۰ (۱)

غالباً اس خط کی روانگی کے بعد ہی مہتمم طبع نے خطوط کی نقلین حاصل کر لیں۔ میرزا صاحب یکشنبہ ۳۰ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۰ ھ مطابق ۲۱ جون سنہ ۱۸۶۳ ع کو اصل خطوط واپس کر کے لکھتے ہیں:

«میری جان! مرزا علی حسین خان آئی اور مجھے ملی۔ مین کی خطوط مرسلہ تمہاری یکمشت اونکو دی۔ اب تمہاری پاس بھیجے گا اونکو اختیار ہو۔ رسید کا البتہ مجھے انتظار ہو۔ ۲۰ (۲)

اردوی معلیٰ

مکاتیب کا یہ تیسرا مجموعہ «اردوی معلیٰ» کے اسم سے موسوم ہوا۔ میر مہدی مجروح نے اسکا دیباچہ اور میرزا قربان علی بیگ سالک نے خاتمہ لکھا۔ کتاب دو حصوں مین منقسم ہوئی۔ «پہلے حصہ مین صاف صاف عبارت کے خط تحریر کیسے۔ تا طلبای مدرسہ فائدہ اوٹھائیں۔ دوسرے حصے مین مطالب مشککہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی»۔ (۳) لیکن غالباً پہلی بار صرف حصہ اول شایع ہو سکا۔ اس لئے کہ کتب خانہ عالیہ رامپور مین جو نسخہ موجود ہے وہ مکمل ہوتے ہوئے صرف حصہ اول پر مشتمل ہے۔

اردوی معلیٰ کا سال طباعت

بظاہر یہ یقین کرنے کے تمام وجوہ موجود تھے کہ مکاتیب کا یہ مجموعہ جلد از جلد شایع ہوگا۔ لیکن قدرت نے اس ادبی انقلاب کی اولیت کا شرف میرٹھ ہی کو ودیعت کیا تھا۔ عود ہندی ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ ھ

کو شایع ہو گئی، اور اردویِ معلیٰ کو یہ دن بھی نصیب نہوا کہ اپنے خالقِ مجازی کا دیدار کر لیتا۔ اسلئے کہ حسبِ تصریحِ خاتمۂ طبع یہ مجموعہ جمعہ کے دن ۲۱ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ ھ مطابق ۶ مارچ سنہ ۱۸۶۹ ع کو چھپ کر تیار ہوا،^(۱) اور میرزا صاحب نے ۲ ذیقعدہ سنہ مذکور کو وفات پائی۔ اس حساب سے اونکے انتقال سے ۱۹ دن کے بعد کتاب تمام ہوئی۔ سالک نے سالِ طبع لکھا:

کیا کہون! کچھ کہا نہیں جاتا * لب پہ نالون کا ازدحام ہوا
صدمۂ مرگِ حضرتِ غالب * سببِ رنجِ خاص و عام ہوا
ہے یہی سالِ طبع و سالِ وفات * «آج اونکا سخن تمام ہوا»

۱۲۸۵

مقام طباعت اور حق تصنیف

اردویِ معلیٰ دلی کے مطبعِ اکمل المطابع میں طبع ہوا۔ حکیم غلام رضا خان اس کے مالک، میر نضر الدین مہتمم، اور لالہ بہاری لعل منشی تھے۔^(۲)

کتاب کے آخر میں ایک اعلان شایع ہوا کہ اسکا حق تصنیف میرزا صاحب نے حکیم غلام رضا خان صاحب کو عطا کر دیا ہے، اور ایک رقعہ بطورِ سند لکھ دیا ہے۔ لہذا کوئی صاحبِ حکیم صاحب کی بلا اجازت رقعے چھاپنے کا قصد نہ کریں۔ اسکے بعد میرزا صاحب کی حسبِ ذیل تحریر چھپی:

«پیکرِ روح و روان فقیر اسد اللہ خان غالب تخلص ہیچمدان کہتا ہی اور لکھ دیتا ہی کہ یہ جو اردویِ معلیٰ تصنیف فقیر مطبعِ اکمل المطابع دہلی میں چھاپا ہوا، سو میں فی ازراہِ فرطِ محبت اپنا حق تالیف نور چشمِ اقبالنشان حکیم (غلام) رضا خان کو بخش دیا ہی اور اوس حق کو خاص اونکا حق کیا۔ اب اور کوئی صاحب اگر مالکِ اکمل المطابع حکیم (غلام) رضا خان کی بر اطلاعِ اردویِ معلیٰ کے چھاپنے کا قصد کریں گی تو مواخذہ سی محفوظ نہ رہیں گی۔ اور فوراً حسبِ منشاء قانونِ بستم، سنہ ۱۸۴۷ ع سزا پائیں گی۔ (مہرِ نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ ۱۲۶۷)»^(۳)

(۳) ایضاً، ص ۴۶۴

(۲) ایضاً، ص ۵ و ۴۱۴

(۱) اردویِ معلیٰ، ص ۴۵۸

اردویِ معلیٰ کا پہلا ایڈیشن

اردویِ معلیٰ حصہ اول کا پہلا ایڈیشن ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان میں ۵ صفحے میر مہدی مجروح کے دیباچہ کے ہیں۔ پانچویں صفحے کی پندرہویں سطر سے خطوط شروع ہو کر صفحہ ۵۸ کی تیرہویں سطر پر ختم ہوتے ہیں، اور باقی چار سطریں خاتمۃ الطبع پر مشتمل ہیں۔ صفحہ ۵۹ سے ۶۱ کی ساتویں سطر تک میرزا قربان علی بیگ سالک کا خاتمہ ہے۔ اس کے بعد منشی جواہر سنگھ جوہر کی تاریخ طبع ہے، اور پھر اسی صفحہ کی گیارہویں سطر سے صفحہ ۶۴ کی تیرہویں سطر تک تصحیحِ اغلاط کا نقشہ دیا ہوا ہے۔ بعد ازاں میرزا صاحب کا اعلانِ عطیہ حق تالیف ہے۔ شروع میں زرد رنگ کا ٹائٹل پیج ہے۔ یہ میرزا صاحب کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا۔ اس لئے اس میں اونہیں مرحوم نہیں لکھا گیا ہے۔

رقعات کی تعداد

اردویِ معلیٰ کے اس ایڈیشن کے رقععات کی کل تعداد ۷۲ ہے۔ ان میں ۱۰ نواب میر غلام بابا خان بہادر کے نام، ۲۹ منشی میان داد خان سیاح کے نام، ۱۰ منشی حبیب اللہ خان ذکا کے نام، ۸۹ منشی ہرگوپال تفتہ کے نام، ۳ شاہزادہ بشیر الدین صاحب بہادر کے نام، ۵ سید بدرالدین المعروف بفقیر کے نام، ۱۶ چودھری عبدالغفور سرور مارہروی کے نام، ۲ میر سرفراز حسین صاحب کے نام، ۴۳ میر مہدی مجروح کے نام، ۲ شاہ عالم صاحب کے نام، ۲ صاحب عالم صاحب کے نام، ۱ مولوی عبد الغفور خان بہادر نساخ کے نام، ۱ مرزا یوسف علیخان عزیز کے نام، ۱۱ قاضی عبد الجلیل صاحب بریلوی کے نام، ۲ مردان علیخان رعنا مراد آبادی کے نام، ۲ مولوی عبدالرزاق شاہر کے نام، ۱ مولوی عزیز الدین صاحب کے نام، ۱ مفتی سید عباس صاحب کے نام، ۲۳ عضد الدولہ حکیم غلام نجف خان صاحب کے نام، ۱ حکیم ظہیر الدین

احمد خان کے نام، ۱ نجم الدین حیدر خان کے نام، ۵ نواب میر ابراہیم علیخان بہادر وفا کے نام، ۲ مولوی احمد حسن صاحب قنوجی کے نام، ۱۱ حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی کے نام، ۱ تفضل حسین خان کے نام، ۱۸ مرزا حاتم علی مہر کے نام، ۲ منشی نبی بخش صاحب کے نام، ۱ منشی عبداللطیف ابن منشی نبی بخش کے نام، ۱۴ خواجہ غلام غوث خانصاحب میر منشی المتخلص بہ بیخبر کے نام، ۱ نواب ضیاء الدین احمد خانصاحب بہادر نیر کے نام، ۷ مرزا شہاب الدین احمد خانصاحب کے نام، ۱۹ نواب انور الدولہ سعد الدین خانصاحب شفق کے نام، ۳ میر افضل علی عرف میرنصاحب کے نام، ۲ مرزا قربان علی بیگ سالک کے نام، ۲ مرزا شمشاد علی بیگ خانصاحب رضوان کے نام، ۲ مرزا قربان علی بیگ صاحب کامل کے نام، ۴ ذوالفقار الدین حیدر خان عرف حسین مرزا صاحب کے نام، ۱۲ یوسف مرزا صاحب کے نام، ۳۳ منشی شیونرین کے نام، ۲ بابو ہرگوبند سہای صاحب کے نام، ۶ نواب امین الدین احمد خان بہادر رئیس لوہارو کے نام، ۵۶ مرزا علاء الدین احمد خانصاحب بہادر علائی کے نام، ۱ مرزا امیرالدین احمد خان عرف فرخ مرزا کے نام، ۲ میر احمد حسین میکش کے نام، ۱ حکیم غلام مرتضیٰ خان کے نام، ۱ حکیم غلام رضا خان کے نام، ۳ ماسٹر پیارے لال صاحب کے نام، ۲ منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام، ۱ منشی ہیرا سنگھ کے نام، اور ۲ منشی بہاری لال مشتاق کے نام ہیں۔

اردوی معنی حصہ دوم

غالباً میرزا صاحب کے یکایک انتقال کے صدمہ نے مہتممینِ اشاعتِ اردوی معنی کو حصہ دوم کی ترتیب و طباعت کی طرف سے برداشتہ خاطر کر دیا، اور یہ حصہ دیباچہ کے وعدہ کے باوجود شایع نہوسکا۔

سنہ ۱۸۹۹ع میں مولوی عبد الاحد مرحوم، مالکِ مطبعِ مجتبائی دہلی، نے اردوِ معلیٰ کی اشاعت کا ارادہ کیا۔ خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے حصہ دوم کیلئے کچھ مواد عطا فرمایا، جو مہتممِ طباعت نے حصہ دوم کے نام سے آخر میں شامل کر دیا۔ خود عبد الاحد مرحوم کے الفاظ میں »اس حصہ میں خاصکر وہ رقعات ہیں جن میں انہوں نے (میرزا صاحب نے) لوگوں کو اصلاحیں دی ہیں، یا شاعری کے متعلق کوئی ہدایت کی ہے، یا کوئی نکتہ بتایا ہے، اور بعض کتابوں کے دیباچے اور ریویو بھی ہیں«۔

چونکہ میر مہدی مجروح نے بھی تقریباً اسی قسم کے خطوط مرتب کرنے کا وعدہ کیا تھا، اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ حصہ دوم نے اونکے ارادہ کی تکمیل کر دی۔ لیکن جہاں تک مواد کا تعلق ہے اغلب یہ ہے کہ میر مہدی مجروح کا ذخیرہ خواجہ صاحب کو نہیں ملا۔ ورنہ مولوی عبد الاحد مرحوم اسکا ذکر کرتے۔

مجتبائی ایڈیشن کا حصہ دوم ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں ۷ سطروں کا ایک مختصر تقریبی نوٹ ہے۔ اسکے بعد سراج المعرفت اور حقائق الانظار کے دیباچے ہیں۔ بعد ازان شاہِ ظفر کی ایک کتاب اور مرزا رجب علی بیگ سرور کی گلزارِ سرور کی تقریظیں ہیں۔ انکے بعد دیوانِ ذکا، میرزا کلب حسین خان کی ایک کتاب، نیز رسالہ تذکیر و تانیث مصنفہ سید احمد حسن بلگرامی کے دیباچے ہیں۔ یہ تمام دیباچے اور تقریظیں صفحات ۱-۱۳ پر درج ہیں۔ انکے بعد اسی صفحہ سے اصلاحی خطوط شروع ہوتے ہیں، جن میں ۳۴ خطوط مرزا تفتہ کے نام، ۱ ماسٹر پیارے لال کے نام، ۵ منشی حبیب اللہ ذکا کے نام، ۵ سیف الحق سیاح کے نام، ۲ شاہزادہ بشیر الدین کے نام، ۱ کیسول رام ہشیار کے نام، ۱ مولوی کرامت علی کے نام، ۱ جواہر

سنگھ جوہر کے نام، ۱ منشی ہیرا سنگھ کے نام، اور ۲ میر مہدی مجروح کے نام ہیں۔

ضمیمہ اردوی معلیٰ

سنہ ۱۹۲۹ ع میں شیخ مبارک علی صاحب، تاجر کتب لاہور، نے اردوی معلیٰ کے حصہ اول و دوم کے ساتھ مسٹر شیر محمد خان سرخوش کا مرتب کیا ہوا ایک ضمیمہ بھی شایع کیا ہے، جو اوسوقت تک غیر شایع شدہ ۲۳ خطوط پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ۲۲ سید غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام اور ایک شیخ لطیف احمد بلگرامی کے نام ہے۔

اس ضمیمہ کے آغاز میں دو خط اور شامل کئے گئے ہیں، جو پبلشر کو آغا محمد باقر، ایم۔ اے، نبیرہ حضرت آزاد دہلوی سے دستیاب ہوئے تھے۔

مکاتیب غالب۔ میرزا صاحب کے خطوط کا آخری مجموعہ

مذکورہ بالا مجموعوں کی اشاعت سے ساٹھ پینسٹھ برس بعد ریاست عالیہ رامپور کی طرف سے میرزا صاحب کے اون خطوط کا مجموعہ «مکاتیب غالب» کے نام سے شایع کیا جا رہا ہے، جو موصوف نے نواب فردوس مکان، نواب خلد آشیان یا وابستگان دربار کو لکھے تھے۔

میرزا صاحب کی دربار رامپور سے مراسلت بارہ سال تک جاری رہی۔ اگر اس طویل مدت کے تمام خطوط محفوظ ہوتے تو اونکی تعداد چار پانچ سو تک پہنچ جاتی۔ لیکن سوء اتفاق سے انکا بڑا حصہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ صرف وہ خطوط دست بردِ زمانہ سے بچ گئے ہیں، جو دارالانشا کے سپرد کر دیے گئے تھے۔

سرکاری خط و کتابت سے قطع نظر خود شہر کے ارباب ذوق سے بھی میرزا صاحب کے خاصے تعلقات تھے، اور ان میں سے اکثر اصحاب سے مراسلت بھی رہتی تھی؛ لیکن بدقسمتی کہ بجز ایک خط کے شہر کے کسی گوشہ سے

سنہ ۱۸۹۹ء میں مولوی عبد الاحد مرحوم، مالکِ مطبعِ مجتبائی دہلی، نے اردو میں معنی کی اشاعت کا ارادہ کیا۔ خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے حصہ دوم کیلئے کچھ مواد عطا فرمایا، جو مہتممِ طباعت نے حصہ دوم کے نام سے آخر میں شامل کر دیا۔ خود عبد الاحد مرحوم کے الفاظ میں »اس حصہ میں خاصکر وہ رقعات ہیں جن میں انہوں نے (میرزا صاحب نے) لوگوں کو اصلاحیں دی ہیں، یا شاعری کے متعلق کوئی ہدایت کی ہے، یا کوئی نکتہ بتایا ہے، اور بعض کتابوں کے دیباچے اور ریویو بھی ہیں«۔

چونکہ میر مہدی مجروح نے بھی تقریباً اسی قسم کے خطوط مرتب کرنے کا وعدہ کیا تھا، اسلئے کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ حصہ دوم نے انکے ارادہ کی تکمیل کر دی۔ لیکن جہاں تک مواد کا تعلق ہے اغلب یہ ہے کہ میر مہدی مجروح کا ذخیرہ خواجہ صاحب کو نہیں ملا۔ ورنہ مولوی عبد الاحد مرحوم اسکا ذکر کرتے۔

مجتبائی ایڈیشن کا حصہ دوم ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں ۷ سطروں کا ایک مختصر تقریبی نوٹ ہے۔ اسکے بعد سراج المعرفت اور حدائق الانظار کے دیباچے ہیں۔ بعد ازاں شاہِ ظفر کی ایک کتاب اور مرزا رجب علی بیگ سرور کی گلزارِ سرور کی تقریظیں ہیں۔ انکے بعد دیوانِ ذکا، میرزا کلب حسین خان کی ایک کتاب، نیز رسالہ تذکیر و تانیث مصنفہ سید احمد حسن بلگرامی کے دیباچے ہیں۔ یہ تمام دیباچے اور تقریظیں صفحات ۱-۱۳ پر درج ہیں۔ انکے بعد اسی صفحہ سے اصلاحی خطوط شروع ہوتے ہیں، جن میں ۳۴ خطوط مرزا تفتہ کے نام، ۱ ماسٹر پیارے لال کے نام، ۵ منشی حبیب اللہ ذکا کے نام، ۵ سیف الحق سیاح کے نام، ۲ شاہزادہ بشیر الدین کے نام، ۱ کیول رام ہشیار کے نام، ۱ مولوی کرامت علی کے نام، ۱ جواہر

سنگھ جوہر کے نام ، ۱ منشی ہیرا سنگھ کے نام ، اور ۲ میر مہدی مجروح کے نام ہیں ۔

ضمیمہ اردوی معلیٰ

سنہ ۱۹۲۹ ع میں شیخ مبارک علی صاحب ، تاجر کتب لاہور ، نے اردوی معلیٰ کے حصہ اول و دوم کے ساتھ مسٹر شیر محمد خان سرخوش کا مرتب کیا ہوا ایک ضمیمہ بھی شایع کیا ہے ، جو اوسوقت تک غیر شایع شدہ ۲۳ خطوط پر مشتمل ہے ۔ ان میں سے ۲۲ سید غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام اور ایک شیخ لطیف احمد بلگرامی کے نام ہے ۔

اس ضمیمہ کے آغاز میں دو خط اور شامل کئے گئے ہیں ، جو پبلشر کو آغا محمد باقر ، ایم۔ اے ، نبیرہ حضرت آزاد دہلوی سے دستیاب ہوئے تھے ۔

مکاتیب غالب ۔ میرزا صاحب کی خطوط کا آخری مجموعہ

مذکورہ بالا مجموعوں کی اشاعت سے سائے پینسٹم برس بعد ریاست عالیہ رامپور کی طرف سے میرزا صاحب کے اون خطوط کا مجموعہ « مکاتیب غالب » کے نام سے شایع کیا جا رہا ہے ، جو موصوف نے نواب فردوس مکان ، نواب خلد آشیان یا وابستگانِ دربار کو لکھے تھے ۔

میرزا صاحب کی دربارِ رامپور سے مراسلت بارہ سال تک جاری رہی ۔ اگر اس طویل مدت کے تمام خطوط محفوظ ہوتے تو اونکی تعداد چار پانچ سو تک پہنچ جاتی ۔ لیکن سوء اتفاق سے انکا بڑا حصہ محفوظ نہیں رہ سکا ۔ صرف وہ خطوط دستِ بردِ زمانہ سے بچ گئے ہیں ، جو دارالانشا کے سپرد کر دیے گئے تھے ۔

سرکاری خط و کتابت سے قطع نظر خود شہر کے اربابِ ذوق سے بھی میرزا صاحب کے خاصے تعلقات تھے ، اور ان میں سے اکثر اصحاب سے مراسلت بھی رہتی تھی ؛ لیکن بدقسمتی کہ بجز ایک خط کے شہر کے کسی گوشہ سے

کوئی مکتوب دستیاب نہوا۔ ایک خط اگرچہ ایک غیر سرکاری مکتوب الیہ کے نام تھا، لیکن حسنِ بخت سے دارالانشا کی مثلون میں ملا، جو اس مجموعہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

مکاتیب کی تعداد

مجموعہ ہذا کے مکاتیب کی تعداد ۱۱۵ ہے۔ ان میں سے ۴۱ نواب فردوس مکان کے حضور میں، ۶۴ نواب خلد آشیان کی خدمتِ مبارک میں، ۲ صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر کے نام، ۶ منشی سیلچند میر منشی دارالانشا کے نام، ۱ خلیفہ احمد علی رامپوری کے نام، اور ۱ مولوی محمد حسن خان ایڈیٹر اخبارِ دبدبہ سکندری کے نام ہے۔

نواب فردوس مکان کے نام کے عرایض میں ۴ بزبانِ فارسی اور بقیہ اردو میں ہیں۔ چونکہ مجموعہ میں ایک فارسی قصیدہ اور ایک قطعہ مستقل نمبروں کے تحت درج کئے گئے ہیں، بنا برین کل خطوط کی تعداد ۱۱۷ ہوتی ہے، جن میں سے ۴۲ نواب فردوس مکان کے اور ۶۵ نواب خلد آشیان کے نام ہیں۔

مکاتیب غالب کی طباعت

آخر میں مکاتیبِ غالب کی طباعت کے متعلق دو چار لفظ کہنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ناظرین ملاحظہ کریں گے کتاب کی طباعت نہایت خوشنما نسخِ ٹائپ میں کرائی گئی ہے۔ اس اقدام کا واحد منشا یہ ہے کہ اردو خوان پبلک میرزا صاحب کے کلام کی خاطر ٹائپ کے حروف پڑھنے کی جرات کرے، اور اس طرح ان حروف کی عادی ہو کر اہلِ مطابع سے اسی قسم کی طباعت کی خواہان ہو۔ جب تک اردو کتابیں پتھر کے چھاپے کے بجائے لوہے کے حروف میں طبع ہونا شروع نہونگی، اردو پریس دیگر ترقی یافتہ اقوام کے پریس کے دوش بدوش چلنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پتھر کی چھپائی

میں صحت، خوشنمائی اور یکسانیت کی وہ خویان يك قلم مفقود ہیں، جو برے سے برے ٹائپ مین بھی پائی جاتی ہیں۔ اسکے علاوہ تعلیمی نقطۂ نگاہ سے بھی پتھر کا چھاپا سراسر ناقص ہے۔ اگر اسکے بجائے ٹائپ اختیار کر لیا جائے تو مبتدی کی چھ مہینے کی محنت گھٹ کر صرف دو ماہ رہ جائے گی، اور اس طرح برادرانِ وطن کا تعلیمی نقطۂ نظر سے اس عجیب و غریب خط پر اعتراض يك لخت دفع ہو جائے گا۔

خاتمہ

دیباچہ کے مباحث نے امید کے خلاف کافی وقت لیا، اسلئے اس عذر کیساتھ سلسلۂ کلام ختم کرتا ہوں:

- * لذیذ بود حکایت، دراز تر گفتم *
- * چنانکہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور *

والحمد لله رب العالمین.



شيه مبارك جناب نواب سيد محمد يوسف عليخان بهادر فردوس مكان طاب ثراه

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

» بحضور نواب صاحب والا مناقب عالیشان، قلم فیض و عمان احسان
جناب نواب محمد یوسف علیخان بہادر دام اقبالہ مقبول باد« (۱)

(نواب سید یوسف علیخان بہادر فردوس مکان طاب ثراہ نواب سید
محمد سعید خان بہادر ابن نواب سید غلام محمد خان بہادر ابن نواب سید فیض
اللہ خان بہادر ابن نواب سید علی محمد خان بہادر بانی ریاست روہیلکھنڈ
کے فرزند اکبر تھے۔ آپ جنابعالیہ فتح النساء بیگم صاحبہ بنت محمد نور خان
بڑیچ ہمشیرزادہ نواب سید فیض اللہ خان بہادر کے بطن سے دو شنبہ ۵ ربیع
الثانی سنہ ۱۲۳۱ ہجری مطابق ۵ مارچ سنہ ۱۸۱۶ ع کو متولد ہوئے، اور
دو شنبہ ۱۳ رجب سنہ ۱۲۷۱ ھ مطابق یکم اپریل سنہ ۱۸۵۵ ع کو مسند حکم
رانی پر قدم رکھا۔ جلوس سے دو سال دو ماہ بعد ۱۴ رمضان سنہ ۱۲۷۳ ھ
مطابق ۹ مئی سنہ ۱۸۵۷ ع کو مشہور واقعہ غدر رونما ہوا۔ آپ نے اس فتنہ کے
فرو کرنے میں حکومت ہند کی اعانت کر کے بسلسلہ اعتراف خدمات خلعت
قیمتی بیس ہزار روپیہ، ایک لاکھ بیس ہزار سالانہ آمدنی کا جدید علاقہ،
اور »فرزند دلپزیر دولت انگاشیہ« کا خطاب حاصل کیا۔ سلامی گیارا ضرب
توپ کے بجائی تیرا ضرب مقرر کی گئی، اور مراسلت میں القاب و آداب »نواب
صاحب مشفق بسیار مہربان کرمفرمای مخلصان سلامت، بعد از شوق ملاقات

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب عرائض کے لفافون پر لکھا کرتے تھے۔ میں نے عنوان میں تبرکاً نقل کر دی ہو۔

مسرت آیات مشہودِ خاطرِ الطاف ذخائرِ میدارد» طے پایا . آپ نے خود اس عطیہ کی حسبِ ذیل تاریخ ارشاد فرمائی ہے :

جب گورمنٹ سے ہوا حاصل ملک مجکو بصیغہ انعام
ناظم از رویِ ہمتِ عالی سالِ بخشش ہے بخششِ حکام

آپ نے عربی و فارسی کی باقاعدہ اور ایک حد تک مکمل تعلیم پائی تھی . فارسی میں خلیفہ غیاث الدین عزت مصنف غیاث اللغات اور میرزا غالب سے ، اور علومِ عربیہ و حکمیہ میں مفتی صدر الدین آزرده اور مولانا فضل حق خیر آبادی سے تلمذ تھا . تخت نشینی کے بعد شعر و سخن کا مشغلہ بھی شروع کر دیا تھا . ناظم تخلص کرتے تھے ، اور میرزا غالب سے مشورۂ سخن تھا . نکتہ رس ذہن ، رنگین و شوخ طبیعت ، اور اعجوبۂ روزگار استاد نے اونکو زبانِ اردو کا ایک بلند پایہ شاعر بنادیا . مومن و غالب کے بعد انکی نظیر «الا ما شاء الله» کا حکم رکھتی ہے . دیوان دوبار شایع ہوا ، لیکن اب کمیاب ہے .

آپ فنونِ سپہگری میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے . جسم ورزشی اور مضبوط ، اور چہرہ نہایت خوش قطع تھا . داڑھی مونچھ صاف کراتے ، اور اکثر رنگین و زرتار لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے .

آپ نے دس سال چند ماہ حکومت کر کے جمعہ کے دن ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ع کو اس دارِ فانی سے رحلت کی ، اور قلعۂ معلیٰ کے اندر امام باڑے میں اپنے والدِ ماجد کے برابر مدفون ہوئے .

(۱)

بحضورِ سراسر سرور ، جنابِ مستطاب ، نوابِ ہمایون القاب ، جہانیاں کام بخش ، جہان جہان کامیاب ، دام بقاء بقبول الاقبال .

سجدہ فشانی قلم باپوزش گستری عریضہ نگار توام افتادہ . ہمانا آن درگاہ اسکندر و دارا گزرگاہ پیوستہ در نظر است ، کہ ہم از دور در

زمرہ نزدیکانِ بندگی بجا می آورد۔ سیاسی این معنی خود از اندازہ افزون تواند بود، کہ بعنوانِ روشناسیِ ذرہ با مہر، و آشنائیِ قطرہ با بحر، گدا را با شاہ بیگانگی در میان نیست۔ در آن روزگارِ رنگین تر از نوبہار، کہ بہ فر فرخندگی وجودِ مسعود، و سادہ با سپہرِ سادہ دم از برابری زد، نگاشتن و روان داشتنِ قطعہ تاریخِ جلوس^(۱) بہ توانائیِ آن دانائی و روان آسائیِ آن شناسائی صورت پذیرفت۔ اکنون کہ گیتیِ خدایِ قلمروِ دانش، آن بہ فر تابِ نظر با برجیسِ جلیس، و آن بہ فروزہ فروزشِ عمل با عقلِ فعالِ ہمال، امیر الدولہ مولوی حافظ محمد فضل حق خان بہادر^(۲) بہ بندہ فرمانِ پزیر فرمان فرستادند، کہ غالب بہ

(۱) میرزا صاحب کو اس قطعہ تاریخ کا پتا نہیں چلا۔

(۲) مولانا فضل حق مولانا فضل امام صاحب کو صاحبزادی اور خیر آباد کو رہتی والی تھی۔ علومِ عقلیہ و نقلیہ اپنے والد ماجد سی اور حدیث مولانا شاہ عبد القادر دہلوی سی حاصل کی۔ امیر مینائی و انتخاب یادگار، (ص ۲۹۱) مین لکھتی ہیں: "فنون حکمہ مین مرتبہ اجتہاد، بڑی ادیب، بڑی منطق، نہایت ذہین، نہایت زکی، طایق و ذلیق، انتہا کو صاحبِ تدقیق و تحقیق، ... جس شہر مین آپ رونق افروز ہو، صدہا آدمی بہرہ اندوز ہو۔ شاہجہان آباد مین اگرچہ عدالتین کی سررشتہ دار تھی، مگر بڑی ذی اقتدار و صاحب اختیار تھی۔ جھجھر مین مشاہرہ جلیلہ پر نوکر رہی۔ الور اور سہارنپور اور ٹونک سب جگہ معزز و موقر رہی۔ لکھنؤ مین صدر الصدور تھی، اور اس دار الریاست (راہپور) مین پہلی محکمہ نظامت اور پھر مرافعہ عدالتین پر مامور تھی۔ جناب مستطاب نواب فردوس مکان کو بھی آپ سی تلبذ رہا ہو، اور ہندگان حضور (نواب خلد آشیان) کی بھی کچھ پڑھا ہو۔ آٹھ برس بہت اعزاز و اکرام کیساتھ رہی۔ پھر یہاں سی تشریف لیگتی۔ مولانا سنہ ۱۲۱۲ھ مین پیدا ہو، اور ۲ صفر سنہ ۱۲۷۸ھ کو ۶۶ سال کی عمر مین جزائرِ اندمان مین، جہان بجرم بغاوت سنہ ۵۷ھ ع آپکو جلاوطن کر دیا گیا تھا، وفات پائی۔ آپو متعدد تصنیفات چھوڑی ہیں، ان مین سی ہدیہ سعیدہ، جو نواب سید محمد سعید خان بہادر کی نام معنون ہو، نواب فردوس مکان کیلئے لکھی گئی تھی۔ میرزا غالب انکو مخلص دوست اور معتقد خاص تھی۔ جب مولانا کی سررشتہ داری عدالتِ دہلی سی استعفا دیا اور نواب فیض محمد خان کی دعوت پر جھجھر تشریف لیجاں لگی، تو میرزا صاحب اور دیگر اہل دہلی کو یحییٰ قاق تھا۔ حق کہ خود شاہ ظفر، جو اوسوقت ولی عہد تھی، اسپر متاسف تھی۔ میرزا صاحب کی مولوی سراج الدین احمد کی نام ایک مکتوب مین یہ تمام واقعہ لکھکر خواہش کی ہو کہ اسکو اخبار آئینہ سکندر مین شائع کریں۔ اسی مکتوب مین مولانا کی علی منزلت کی باری مین تحریر کرتی ہیں: "نہتہ مباد کہ بی تمیزی و قدر شناسی حکام رنگ آن ریخت کہ فاضل کی نظیر والئی یگانہ مولوی حافظ محمد فضل حق از سررشتہ داری عدالتِ دہلی استعفا کردہ خود را از تنگ و عار و ارہاند۔ حق کہ اگر پایہ علم و فضل و دانش و کش مولوی فضل حق آن مایہ بکاہند کہ از صد یک واماند، و باز آن پایہ را بسررشتہ داری عدالت دیوانی سنجد، ہنوز این عہدہ دون مرتبہ وی خواہد بود" (کلیات نثر غالب، ص ۱۴۷)۔

پرستشگری کمر بندد، و در مشاطگی شاهدان افکار حسن خدمت عرضه دهد، اندیشه مهر پیشه درنگ برتافت. و هم امروز که فردای ورود نوازشنامه مولانا است، این نامه، که بخط بندگی ماناست، روان داشته آمد. چشمداشت آن ست که دوری راه تفرقه در میان نیندازد. و سپس در حاضران آن حضرت، و دعاگویان دولت بشمار آیم. زیاده حد ادب. بخت ازل آورد در روز افزونی دولت ابد پیوند باد. عرضداشت هوا خواه اسد الله. نگاشته و روان داشته چار شنبه ۲۸ جنوری سنه ۱۸۵۷ ع. (مهر نجم الدوله دبیرالملک اسد الله خان بهادر نظام جنگ، سنه ۱۲۶۷) (۱).

(۲)

(همانا اگر گوهر جان فرستم به نواب یوسف علی خان فرستم
 ز نامش نشانے بعنوان طرازم ز مدحش طرازے بدیوان فرستم
 ز دخلش حسابے به معدن نویسم ز بذاش صلائے بعیان فرستم
 ز لطفش، که عامست در کام بخشی، نویدے به گبر و مسلمان فرستم

(۱) اس عریضه مین میرزا صاحب زی جس سابق تعاق کی طرف اشارہ کیا ہی وہ رشتہ استادی و شاگردی تھا۔ نواب فردوس مکان اپنی والد ماجد کی تخت نشینی سی پہلی دہلی مین قیام پزیر ہوئی تھی۔ طلب علم کا زمانہ تھا۔ انکو چچا نواب سید عبداللہ خان بہادر صدر الصدور میرٹھ اور نواب سید عبد الرحمن خان بہادر میرزا صاحب کی محبت تھی۔ ان دونوں کی حسب ارشاد نواب فردوس مکان زی میرزا صاحب سی فارسی کی تعلیم پائی۔ اس عریضہ کی جواب مین نواب صاحب زی ۵ فروری سنہ ۵۷ ع کو ارقام فرمایا: «نمیقتہ انیقہ بلاغت آگین مشعر رسید خط مولوی صاحب مخدوم محمد فضل حق صاحب با دیگر مراتب محبت و اشفاق بعبارت رنگین و دقیق در عین انتظار سرہ کش عیون وصول نشاط شمول گردیدہ، باطلاع خیریتہا سرمایہ سرور نا محصور افزودہ، از مزید شفقت و ایثار قلبی متصور شد۔ مشفقاً! ہر چند کہ کاتب را اتفاق موزونیت یک مصرعہ ہم اتفاق نشدہ بود لیکن محض بجهت سماعت کلام سامی زبانی مولوی صاحب صدر الوصف دلم خواست کہ طریقہ رسل و رسائل جاری شود۔ چون سبیل بہ ازیں بنظرم نرسید، لہذا چند ایات و اہیات موزون نمودہ، بترصد اصلاح پیش آن یگانہ آفاق مرسل گشت۔ چشمداشت کہ بعد اصلاح غزلہای مذکور مع کدام طرح جدید لطف فرمودہ شوند۔ از آنجا کہ اتحاد شیرینی ہم درین خصوص از دستور آست، لہذا مبلغ دو صدد و پنجاہ روپیہ بقریب شیرینی اف رقیمۃ الوداد ہذا میرسد۔ بمقتضای الطاف منظور فرمودہ از رسید آن مطلع فرمایند۔ و مخلص را لیل و نہار متمنی اخبار تصور فرمودہ اکثر بایصال تمایق انایق خیریت و ثنائی بعبارت سلیس کہ در خواندنش تأملی بوقوع نیاید، مسرور و مطمئن میفرمودہ باشند»۔

ز نطقش، که خاصست در ملک گیری
 ز هه شهسوارے که گرد سهندش
 رود سام چون بهر پیکار سویش
 درش را بود پایۀ در خیالم
 کلیم از عصا ارمغانم فرستد
 وجودش بود نخر اجرام و ارکان
 ز جودش بود وعده با زیردستان
 ز مویش شمیی به جنت رسانم
 هم از شرق اشراق وی آفتابی
 هم از روی نیکوی وی ماهتابی
 اگر بگذرد تیرش از سینۀ من
 و گر سر ازین راه دزد جبین را
 سرشت از خزانست بدخواه او را
 هم از آتش دوزخ آرم تموزش
 دگر تا بهاران بسختی بمیرد
 سپه چون کشد، گر نه از ناتوانی
 درین انزوا از نفسهای گیرا
 بتوقیع فضل حق آن عین معنی،
 گزشت اندر اندیشه کز خامه رشحه
 بدل گفتم «البته کاریست مشکل
 سگالش چنین رفت در کار سازی
 فرستادم، اما نیامد جوابی
 ندانم که شور فغان گدا را

مثالی بشیراز و شروان فرستم
 پی سرمه چشم خاقان فرستم
 عزا نامه سوی نریمان فرستم
 نگه سویش از دور پنهان فرستم
 من این ارمغان بهر دربان فرستم
 تحیت باجرام و ارکان فرستم
 بشارت به برجیس و کیوان فرستم
 ز کویش نسیمی برضوان فرستم
 باختر شناسان یونان فرستم
 به شب زنده داران کنگان فرستم
 دل از سینه همراه پیکان فرستم
 چو گویش درین ره بچوگان فرستم
 سه فصل دگر هم بدینسان فرستم
 هم از زمهریرش زمستان فرستم
 در اردی بهشتش بزندان فرستم
 توانم که خود را بمیدان فرستم
 برایات آیات قرآن فرستم
 که آباد بر وی فراوان فرستم
 بدان قلم فیض و احسان فرستم
 نباید که این نامه آسان فرستم
 که فرخ بود چون فرمان فرستم
 که تا هرچه فرمان رسد آن فرستم
 چسان باز تا گوش سلطان فرستم

بدل گفتم «آرے فرستادہ باشم
و گر جادۂ رہ نمایان نگردد
بدان تا روائی دہم کار خود را
دہم در تن نے دم آتشین را
برفتار ناز اندر آرم قلم را
سخن کو تہ آن بہ کہ از نظم جزوی
فرستم ولیکن خرد چون پسندد
گرقم کہ رنگین خیالم بگیتی
گرقم کہ بحر روانم بہ معنی
گرقم کہ روشن روانم بدانش
درین پردہ خواہم کہ از مور مسکین
نبشتم کہ خدمتگزار است غالب
بشب بستم این نقش و در بند آتم
بقا بہر داور ز دادار خواہم

گر از راہ چاکِ گریبان فرستم
ہم از جیب چاکِ بدامان فرستم
ز خون نابہ موجے بمژگان فرستم
فروزندہ شمعے بایوان فرستم
تدروے بصفحہ گلستان فرستم
بدیوانِ آن صدرِ گیہان فرستم
کہ برگِ گیاہے بہ بستان فرستم
شقایق بہ بنگاہِ نعبان فرستم
گہر جانبِ ابرِ نیسان فرستم
چراغے بہ مہرِ درخشان فرستم
سلامے بسویِ سلیمان فرستم
پیِ دعویِ خویش برہان فرستم
کہ حرزِ دعا بامدادان فرستم
بہ آمینِ خروش از سر و شان فرستم^(۱)

(۳)

بمحضورِ ہورِ ظہور، حضرت نوابِ معلی القاب، جاودان کامیاب،
ولیِ نعمت، آیۂ رحمت، دام اقبالہ .

سپاس بجای آورد، و پوزش ہمی گسترد، آن بارگاہِ سپہر کارگاہ را

(۱) میرزا صاحب کی اس قصیدہ کا لفافہ مثل میں موجود ہو . اصل قصیدہ کی متعلق میر منشی صاحب لکھو
ہیں: «قصیدۂ (ہمانا اگر گوہر جان فرستم) بتاریخ ۱۹ شعبان سنہ ۱۲۷۶ھ بموجہ میرزا نوشہ صاحب بحضور
پرنور گزرائیدہ شد . اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کی قیام رامپور کے زمانہ میں نواب صاحب
کی قصیدہ دارالانشاء سے منگایا، اور اپنی پاس رکھ لیا . چونکہ اوسکا شامل مثل ہونا متحقق تھا، اسلئے
کلیات غالب فارسی (نولکشور ایڈیشن) کی صفحہ ۳۲۵ سے نقل کر کے یہاں قوسین میں اضافہ کر دیا گیا ہو .
قصیدہ کی متعلق نواب صاحب کی رای عریضہ نمبر (۴) کی حاشیہ میں درج ہوگی . پتہ کی نیچر میرزا
صاحب کی لکھا ہو: «از غالب پکرتنگ بیرنگ از روی احتیاط یازدہم فروری سنہ ۱۸۵۷ء . روانگی قصیدہ
کی یہی تاریخ عریضہ نمبر (۳) میں بھی مذکور ہو .

قبلہ حاجات میدانند۔ و بہنچار سرگزشت حکایتے بعرض میرساند۔ سہ شنبہ ۲۷ جنوری نامہ مولینا و بالفضل اولینا^(۱) بمن رسید۔ چہار شنبہ ۲۸ جنوری عرضداشت روان داشتم۔ چون دو ہفتہ گزشت، و سررشتہ ڈاک درین بندوبست جدید استوار نماندہ، گفتم «مگر نرسیدہ باشد»۔ دی، کہ چہار شنبہ یازدہم فروری سنہ ۱۸۵۷ بود، چاشتگاہ قصیدہ بقصد اظہار فرمان پزیری فرستادم۔ شام گاہ سرہنگ یام^(۲) منشور عطوفت آورد۔ بر مردمک دیدہ سودم، و خردہ جان نثار کردم۔ تا نورد از ہم کشودم، دو ورق از فہرست گنجینہ اسرار، یعنی اوراق اشعار گہر بار، و سفتچہ دوصد و پتجاہ رویہ در آن نورد یافتم۔ دفتر شعر سچل اعتبار من شد، و زر آن سفتچہ بمعرض وصول آمد۔ کرم در بندہ پروری بہانہ می جوید، ورنہ این افتتاح بشیرینی نیاز نداشت۔ کریمان بندہ را بہ نمک ہمی پرورند، ولی نعمت را بندہ بشکر پروردن آئین است۔ شکر این شکر بعہدہ جان شیرین فرو گزاشتم۔ و این نامہ بہر آن، کہ رسیدن عطیہ حالی گردد، بدین زودی نگاشتم۔ اشعار خود بہنگام خویش خواہد رسید، و این سررشتہ ہیچگاہ از ہم نخواہد گسست۔ زیادہ حد ادب۔ نیز دولت و اقبال سرچشمہ فروغ بے زوال باد۔ غالب۔ پنجشنبہ ۱۲ فروری سنہ ۱۸۵۷۔

(۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

آداب بجا لاتاہون۔ غزلون کے مسودات صاف کر کر حضور میں بھیجتا ہوں۔ مسودات اپنے پاس رهنے دئے ہین، اس نظر سے کہ اگر احیاناً ڈاک میں لفافہ تلف ہو جائے، تو میں پھر اوسکو صاف کر کر بھیج دوں، ورنہ موقع حک و اصلاح مجھے کیا یاد رہیگا۔

میں نہیں چاہتا کہ آپ کا اسم سامی اور نام نامی تخلص رہے۔ ناظم،

(۱) مولانا فضل حق خیر آبادی مراد ہین۔

(۲) یام: ڈاک

عالی، انور، شوکت، نیشان، ان مین سے جو پسند آئے وہ رہنے دیجئے۔ مگر یہ نہیں کہ خواہی نحواہی آپ ایسا ہی کریں۔ اگر وہی تخلص منظور ہو تو بہت مبارک۔ زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک

عنایت کا طالب غالب۔ روزِ یکشنبہ ۱۵ فروری ۱۸۵۷ء^(۱)۔

(میرزا صاحب نے ۸ مارچ ۱۸۵۷ء کو ایک عریضہ ارسال کیا تھا، جو ۱۱ ماہ مذکور کو رامپور پہنچا۔ اسکا لفافہ شاملِ مثل ہے، اور اوسکی پشت پر یہ نوٹ تحریر ہے: «عرضی حسب الحکم چاک نموده شد۔ ۱۶ رجب سنہ ۱۲۷۳ھ»^(۲)۔

(۱) عرائض نمبر (۴۳) کے جواب میں نواب فردوس مکاتیب ۳ رجب سنہ ۱۲۷۳ھ مطابق یکم مارچ سنہ ۱۸۵۷ء کو تحریر فرمایا: «... دو قطعہ صحیفہ شریفہ، یکو مشعر ترسیل قصیدہ بمضمون انتظار و ہم در جواب رقیمة الوداد رسید اشعار و سفتچہ مرسلہ اینجا» و ثانی مع اشعار مذکور بعد نظر اصلاح و تجویز چند الفاظ جہت تخلص مخلص باہمی پسند از آنجملہ، بمضامین برجستہ و عبارات دلپسند متواتر بسبیل ذالک گلگونہ آرای چہرہ وصول فرحت شمول گردیدہ... و مطالعہ قصیدہ نادرہ فصاحت تضمین، کہ اگر ہر شعر لغزش را گنجینہ معانی، و معدن لالی مخندانی، خوانند بجا، و یا گلدستہ برجستہ چمنستان علوم و کمال نامند زیبا، غواص فکر در بحر زخار استعارات و نکات متینش مستغرق گرداب نارسائی، و اوہام عقلاء زمان بدریافت خوبی و بلاغت آن خزینہ اسرار معترف بہ کوتاہی، قصائد عرفی و خاقانی بمقابلہ منانت و برجستگی مضامین نزہت آگینش ہیچ، و معانی فیض قرین در الفاظ نادرش چون زلف ماہرویان پیچ در پیچ، ابواب افادہ و انشراح بی اندازہ بر روی دل صفا منزل کشود۔ رنگ کثافت طبعی از بھنجیل خواطر مستفیضان زدود۔ و غزلیات کہ بنظر اصلاح «آہن کہ پیارس آشنا شد» فی الفور بصورت طلشد، فائزگشتہ۔ العظمۃ للہ تغیر و تبدل الفاظ نادرہ در اشعار مذکور چون نقش بر نگین زینت تازہ گرفت، و طلالی طبع خام بر محک فیض عام جلوہ پذیرفت... و منجملہ الفاظ تخلص لفظ (ناظم) مطبوع طبع نیاز گشت۔»

(۲) اس عریضہ کے جواب میں نواب صاحب نے ۲۵ رجب سنہ ۱۲۷۳ھ مطابق ۲۳ مارچ سنہ ۱۸۵۷ء کو تحریر فرمایا: «صحیفہ مسرت آگین... مشعر رسید رقیمة الوداد و اینکه صحائف شرائف عبارت اردو بعد ملاحظہ چاک شدہ باشند... وصول گردیدہ۔ مشفقاً! حسب الارقام سامی صحیفہ موصوفہ را بعد استفادہ مضمونش چاک نموده شد۔ و آئندہ ہم دربارہ ہمچو مکاتیب تعمیل ایمای سامی ملحوظ خواہد ماند۔» اس سے یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہو کہ میرزا صاحب کی یہ خط و کتابت بصیغہ راز تھی۔ ورنہ ۱۵ فروری سنہ ۱۸۵۷ء کا خط بھی زبان اردو ہی میں تھا، اوسکی چاک کرنی کی ہدایت کیون نہ کی۔ اور اگر کی تھی، تو یہاں تعمیل کیون نہوتی، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

(میرزا صاحب نے یکم اپریل سنہ ۱۸۵۷ ع کو ایک اور عریضہ ارسال کیا تھا، جو ۳ اپریل کو رامپور پہنچا۔ مثل میں اسکا بھی صرف لفافہ شامل ہے، اور اوسکی پشت پر نوٹ ہے: «عرضی از دست مبارک چاک شد، و بند غزلیاتِ مرسلہ در حضور ماند۔ ۹ شعبان سنہ ۱۲۷۳ ھ»۔)

(۵)

جنابِ عالی! کچھ کم مہینا ہوا، کہ میں نے حضور کی غزلوں کو دیکھ کر خدمت میں روانہ کیا ہے، اور اوسکے پہنچنے سے اطلاع نہیں پائی۔ اب ڈاک میں خط تلف بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ اس واسطے میں متردد ہوں، اور مدعا اس تحریر سے یہ ہے، کہ اگر وہ لفافہ نہ پہنچا ہو تو میں اوس مسودہ کو پھر صاف کر کر روانہ کروں۔ زیادہ حدِ ادب۔ از غالب۔ نگاشتہ صبح پنجشنبہ ۲۷ شعبان سنہ ۱۲۷۳ ہجری^(۱)۔

(۶)

جنابِ عالی! آداب بجا لاتا ہوں۔ اور عرض کرتا ہوں، کہ اجورہ دار پہنچا۔ مگر لٹا ہوا، اور بھیگا ہوا، اور بھاگتا ہوا۔ گوجروں نے اوسے لوٹ لیا۔ روپیہ کتل سب لے لیا۔ خط اوس داروگیر میں گر پڑا۔ بھیگ گیا۔ لفافہ مجھ تک نہونچا^(۲)۔ خط مع ہنڈوی کے پہنچا۔ خط میں سے القاب بتکلف پڑھا۔ اور یہ جملہ «سفتچہ مبلغ دو صد و پنجاہ روپیہ» پڑھا گیا۔ اور باقی خیر و عافیت۔ «مکرر آنکہ» اسکے بعد جو کچھ لکھا تھا، اوس میں سے «مولوی» یہ لفظ، اور بعد ایک لفظ کے «خانصاحب» یہ پڑھا گیا۔ اور کچھ

(۱) نواب فردوس مکان نے اس عریضہ کے جواب میں ۴ رمضان سنہ ۱۲۷۳ ھ مطابق ۹ مئی سنہ ۱۸۵۷ ع کو تحریر فرمایا: «... مشفقاً! این مرتبہ کہ توقف در تطہیر رقیعة الاخلاص بظہور آمدہ باعث آن عدم فرصتی تصور توان نمود۔ حالاکہ فرصت دست داد، بہ ترقیم ما فی الضمیر اتفاق افتاد...»

(۲) یہ میرزا صاحب کا خود نوشتہ املا ہے۔ در اصل اونہیں سہو ہوا۔ ورنہ یہی لفظ اسی سطر میں اونہوں نے درست لکھا ہی۔

نہیں۔ مجھ کو غم یہ ہے کہ غزلہایِ اصلاحی اور دیوانِ اردو کی رسید میں نے نہ پائی^(۱)۔

ہندوی کا بعینہ وہ حال جو میرے خط کا تھا۔ کچھ پڑھا جائے، کچھ نہ پڑھا جائے۔ آپ کا نام اور ڈھائی سو روپیہ یہ پڑھا گیا۔ چونکہ مہاجن مجھ کو جانتا تھا، اوسنے اوس بھیگے ہوئے کاغذ کو اپنی چٹھی میں لپیٹ کر رامپور اوس مہاجن کے پاس بھیجا ہے۔ جب وہ صحیح کر کر بھیجیگا، تب وہ مجھ کو روپیہ دیگا۔ اوسکے صحیح کرنے میں کیا تامل ہے۔ میں نے صرف بطریقِ اطلاع لکھا ہے۔ اور غزلوں کی اور دیوان کی رسید اور جو اس

(۱) میرزا صاحب کی دیوانِ اردو کا یہ نسخہ کتب خانہ میں موجود ہے۔ سائز $11 \times 7 \frac{1}{2}$ ، اوراق ۷۳ اور فی صفحہ ۱۵ سطریں ہیں۔ خط صاف اور روشن نستعلیق اور ابتدائی دو صفحی طلاکار ہیں۔ ہر غزل کے خاتمہ پر رنگین پیل بوٹی ہیں اور تمام صفحات کی جدولیں رنگ آمیز ہیں۔ آخر میں نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر نیر کی تقریظ ہے۔ اس نسخہ دیوان کے متعلق مرزا صاحب نے منشی شیونرین کو لکھا ہے: ”اب تم سنو۔ دیوان ریختہ اتم و اکمل کہاں تھا۔ مگر ہاں میں نے غدر سے پہلے لکھوا کر نواب یوسف علی خان بہادر کو رامپور بھیج دیا تھا۔ اب جو میں دلی سے رامپور جاتی لگا، تو بھائی ضیاء الدین خان صاحب نے مجھ کو تاکید کر دی تھی، کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوان اردو لیکر کسی کاتب سے لکھوا کر مجھ کو بھیج دینا۔ میں نے رامپور میں کاتب سے لکھوا کر بسبیل ڈاک ضیاء الدین خان کو دلی بھیج دیا تھا، (اردو معلیٰ، ص ۳۸۱)۔ بعد ازاں ۳ جولائی سنہ ۶۰ ع کو اس کی مکمل ہونی کے باری میں لکھا ہے: ”میان تمہاری باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ یہ دیوان، جو میں نے تم کو بھیجا ہے، اتم و اکمل ہے۔ وہ اور کونسی دو چار غزلیں ہیں جو مرزا یوسف علی خان عزیز کے پاس ہیں، اور اس دیوان میں نہیں۔ اس طرف سے آپ اپنی خاطر جمع رکھیں، کہ کوئی مصرع میرا اس دیوان سے باہر نہیں ہے۔ معذرا اون سے بھی کہونگا۔ اور وہ غزلیں اون سے منگا کر دیکھونگا، (ایضاً، ص ۳۸۴)۔ اس نقل سے منشی شیونرین نے اپنی مطبع واقع شہر آگرہ میں دیوان کی طباعت کا انتظام کیا تو اسکی متعلق میرزا صاحب نے نواب علاء الدین خان بہادر علائی کو لکھا: ”ہ اردو کا دیوان رامپور سے لایا ہوں، اور وہ آگرہ گیا ہے۔ وہاں منطبع ہوگا۔ ایک نسخہ تمہاری پاس بھی پہنچ جائیگا، (ایضاً، صفحہ ۴۳۶)۔ لیکن بعد ازاں آگرہ میں انطباع سے قبل ہی میرزا صاحب نے دہلی میں طبع کرا لیا۔ ان تمام خطوط سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسوقت دیوان غالب کے جسقدر ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں، وہ سب کے سب نسخہ رامپور کی نقل اور نقل در نقل ہیں۔ میرزا صاحب نے خود اپنا کلام کبھی جمع نہ کیا (ایضاً، صفحہ ۱۳۷)۔ نواب ضیاء الدین خان نیر اور ناظر حسین مرزا کے کتب خانہ میں اس کی نسخی موجود تھی، لیکن اونکی ذخیرہ کتب کے ساتھ ہنگامہ غدر میں لٹ گئی۔ (عود ہندی، صفحہ ۲۷ و ۲۹ و ۶۵، و اردو معلیٰ، صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۶ و ۲۵۹ و ۳۶۳)۔ اگر رامپور میں اصل نسخہ محفوظ نہوتا تو میرزا صاحب کے کلام کا موجودہ مجموعہ دستیاب ہونا تقریباً ناممکن تھا۔

خط میں «مکرر آنکہ»^(۱) بعد مطالب مندرج تھے، وہ پھر ایسے ہی باریک کاغذ پر لکھ کر اس ساھوکار کو دیجے گا، اور اوسکو تاکید کیجے گا، کہ اسکو بھیج دے۔ یہاں کے ساھوکار نے میری خاطر سے اس رقعہ کو اپنی چٹھی میں روانہ کیا ہے۔ غالب۔ پنجم ذی الحجہ^(۲)۔

(۷)

بوالا خدمت، رفعات درجت، جناب نواب صاحب والا مناقب عالیشان، قلم فیض ومحیط احسان، عز نصرہ ودام ملکہ۔

آداب نیاز بجا می آرد، و نیازمندانہ عرضہ می دارد۔ در زمان چیرہ دستی کور نمکان سپاہ روسیہ سررشتہ یام از ہم گسست۔ ناچار بفرستادن نامہ بر رساندن نامہ و پیام صورت بست۔ درین روزگار، کہ فرمان داوران دادگر روائی، و سلسلہ آمد شد نامہ رسائی یافت، نامہ در یام روان داشتہ شد۔ و نارسیدن پاسخ آن را چنان پنداشتہ شد، کہ مگر آن نیایشنامہ نرسیدہ باشد۔ یا فرط احتیاط مانع تحریر جواب گردیدہ باشد۔ ہر آئینہ در دل چنان گزشت، کہ درین باربد انسان سخن سرای توان گشت، کہ سرگزشت من از ولی نعمت نہان، و حجابیے در میان نماند۔

حالی رای جہان آرای باد، کہ دیرینہ نمکخوار سرکار انگریزم۔ و از سر آغاز سال یکہزار و ہشت صد و شش، کہ دران گاہ شمار ستین عمر من از دہ نگزشتہ بود، بعوض جاگیر عم حقیقی نسب خود نصر اللہ بیگ خان بہادر^(۳)،

(۱) یہاں لفظ دک، ساقط معلوم ہوتا ہے۔

(۲) نواب صاحب کی محولہ فرمان کا مسودہ مثل میں منسلک ہے، لیکن اوس میں قابل نقل بات کوئی نہیں۔

(۳) نصر اللہ بیگ خان ابتداء مرہٹوں کی طرف سے آگرہ کی صوبیدار تھی۔ بعد فتح آگرہ اپنے برادر نسبی

نواب احمد بخش خان والی لوہارو و فیروزپور جہر کہ (متوفی سنہ ۱۸۲۷ ع؛ حالات کیلئے ص ۱۲، نوٹ ۰۲۔

ملاحظہ ہو) کی سفارش سے انگریزی فوج میں رسالدار ہو گئے، اور مدد معاش کیلئے نواحی اکبر آباد

میں پرگنہ سونک سونسا مرحمت ہوا۔ انہوں نے سنہ ۱۸۰۶ ع میں انتقال کیا۔

کہ با جمعیت رسالہ چار صد سوار بمعیت جرنیل لارڈ لیک بہادر^(۱) در فتحِ ہندوستان کوششہای نمایان کردہ، و برگنہ «سونک سونسا» بقیدِ حینِ حیات جاگیر یافتہ، و ہم در آن عہد ہمرگِ ناگاہ از جہان رفتہ بود، بفرمانِ جرنیل لارڈ لیک بہادر و منظوریِ گورنمنٹ مشیتِ زرے شاملِ جاگیرِ عمِ سببی من نواب احمد بخش خان بہادر^(۲) در وجہِ معاشِ من منجملہ زرِ استمراریِ سرکاری، کہ بذمہ نواب احمد بخش خان بہرِ دوام واجب الادا بود، قرار یافت۔ چون جانشینِ احمد بخش خان^(۳) کیفرِ کردار یافت، و جاگیر بسرکار باز یافت شد، رسیدنِ آن وجہِ مقرری از خزائنہ کلکتریِ دہلی صورت پذیرفت۔ چنانکہ تا انجامِ اپریل سنہ ۱۸۵۷ از کلکتریِ دہلی یافتہ ام۔ و از مئی خود آشکار است کہ حال چیست۔ پیوندِ تعلق با بہادر شاہ^(۴) جز آن نبود، کہ از ہفت ہشت سال بتحریرِ تاریخِ سلاطینِ تیموریہ، و از دو سہ سال بہ اصلاحِ اشعارِ شہریار

(۱) لارڈ لیک سنہ ۱۷۴۴ ع میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۷۵۸ ع میں پیدل فوج میں نام لکھا یا۔ اور مختلف عہدوں پر فائز رہ کر سنہ ۱۸۰۲ ع میں جنرل مقرر ہو گئے۔ سنہ ۱۸۰۱ ع سے سنہ ۱۸۰۵ ع تک ہندوستان کی افواج کو کانڈر انچیف اور کونسل کو ممبر رہی۔ انھوں نے مرہٹوں سے کامیاب جنگ کی۔ اور انگلستان واپس جا کر ۲۰ فروری سنہ ۱۸۰۸ ع کو فوت ہوئے۔ یہ بہت نامور اور ہردلعزیز سپہ سالار مانتے جاتے تھے۔

(۲) نواب احمد بخش خان فیروزپور جھڑکے کے رئیس اور لوہارو کے جاگیردار تھے۔ حکومت انگریزی میں انکی بڑی عزت اور منزلت تھی۔ نواب الہی بخش خان معروف، میرزا غالب کے خسر، انکو چھوٹی بھائی تھی۔ احمد بخش خان نے آخر عمر میں حکومت سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنی بڑی لڑکے نواب شمس الدین احمد خان کو فیروزپور جھڑکے کی ریاست، اور نواب ضیاء الدین خان نیرو نواب امین الدین خان کو لوہارو کے جاگیر عطا کر دی تھی۔ میرزا غالب کی پنشن ریاست فیروزپور سے متعلق تھی۔

(۳) احمد بخش خان کے جانشین سے نواب شمس الدین احمد خان والی فیروزپور مراد ہیں۔ یہ مزاج کے درشت اور فساد پیشہ تھے۔ اسائی نواب ہو کر اہل خاندان سے تعلقات درست نہ رکھ سکے۔ میرزا غالب بھی ان سے ناراض تھے۔ خط میں انکا نام نہ لینے کی یہی وجہ ہے۔ مسٹر ولیم فریزر رپریڈنٹ دہلی کے قتل کے الزام میں اکتوبر سنہ ۱۸۳۵ ع کو انھیں پھانسی دیدی گئی، اور ریاست فیروزپور ضبط ہو گئی۔

(۴) بہادر شاہ ہندوستان کے مغلیہ فرمانرواؤں کے آخری چشم و چراغ تھے، یہ سنہ ۱۸۳۷ ع میں تخت نشین ہوئے۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ ع میں باغیوں نے انھیں اپنا مطلق العنان بادشاہ بنایا۔ بعد فتح دہلی الزام بغاوت میں رنگوں کی طرف جلاوطن کئے گئے، اور وہیں ۷ نومبر سنہ ۱۸۶۲ ع کو فوت ہوئے۔ میرزا صاحب نے ایک خط میں میر مہدی کو لکھا ہے: «۷ نومبر، ۱۴ جمادی الاول سال حال جمعہ کے دن ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے»۔

می پرداختم۔ درین هنگامه خود را بکنار کشیدم۔ و بدین اندیشه کہ مبادا گریک
قلم ترک آمیزش کنم، خانہ من بتاراج رود، وجان در معرض تلف افتد، بیاطن
بیگانه و بظاہر آشنا ماندم۔ ہر گاہ شہر بردست سپاہ انگریز فتح شد، ہمہ جا گیر
داران و پسننداران از شہر بدر رفتند۔ چنانکہ تا امروز آوارہ دشت و کوه اند۔
من از جا نہ جنیدم۔ و ہم چنان گوشہ گیر ماندم۔ درین بندوبست کہ خاصہ از
بہر سیاست مجرمان ست، و تحقیقات جرم از روی دقیر قلعہ و اظہارِ مخبران
می کنند، ہیچ گونه آلائش دامن من پدید نیامد۔ و داروگیر و باز پرس رونہ داد۔
بودن من در شہر از حکام نہان نیست۔ اما چون پرسشے در میان نیست،
لاجرم محفوظ مانده ام۔ می بایست کہ خود سلسلہ جنبان گشتی، و با حکام
پیوستہ۔ درین بارہ سخن آنست، کہ درین فرماندہان با ہیچ کس سابقہ معرفتہ
ندارم۔ و معہذا ہنوز موقع و محل آن نمی نگرم، کہ نامہ نویسم، و خواہش
ملاقات بمیان آورم۔ راستی اینکہ درین فتنہ و آشوب خدمتے بجا نیاورده ام۔
لیکن مقام شکر است، کہ بہ تقدیم نرسیدن خدمت از راہ بیدستگاہی است،
و ذریعہ اخلاص و خلوص همان یگانہی است۔ حال خود را، اگرچہ پرسش
از جانب آن والا مناقب نبود، گفتم^(۱)۔ و خون میخورم کہ صحت و عافیت ذات
ہمایون اقدس، کہ یارب! جاودان سلامت باد، چگونہ دریابم۔ ہمدین کنج،
کہ مسکن من ست، شنیدہ ام کہ والا شان زین العابدین خان بہادر^(۲) بشہر آمدہ
اند۔ نیازمندی من با مرحومی نواب عبد اللہ خان بہادر^(۳)، و مہرورزی من

(۱) مزید تفصیل کی لئی ملاحظہ ہو اردوی معلی، صفحہ ۳۵۔

(۲) زین العابدین خان بہادر کا تذکرہ مکتوب نمبر ۱۰۷ کی ذیل میں ملاحظہ ہو۔

(۳) نواب سید عبد اللہ خان بہادر ابن نواب سید غلام محمد خان بہادر نواب فردوس مکان کی چچا تھی۔
شعر و سخن میں دلچسپی رکھتے تھے۔ زور آزمائی کا بھی شوق تھا۔ دہلی میں عرصہ تک مقیم رہی۔
میرزا صاحب اور ان میں بہت ارتباط و خلوص تھا۔ پنج آہنگ میں میرزا صاحب کا ایک خط انکو
نام بھی درج ہے (کلیات ثرغالب، صفحہ ۲۱۸)۔ یہ عرصہ تک میرٹھ کی صدر الصدور رہی تھی۔ اور وہیں
ستر برس کی عمر میں بعارضۃ تپ سنہ ۱۲۷۴ھ کو رحلت فرمائی، اور درگاہ چشتی پهلوان میں مدفون
ہوئی۔ اب کا ایک شعر امیر مینائی مرحوم نے تذکرۃ انتخاب یادگار (صفحہ ۲۱۱) میں درج
کیا ہے۔ فرماتی ہیں:

منحصر تجھ پر شفاعت ہے، پھلا جائیں کہان * ای شفیع حاصیان! ہم تیرا دامان چھوڑ کر

با اصغر علیخان مرحوم^(۱)، و محبت و خلت من با نواب عبد الرحمن خان بہادر مغفور^(۲) کجا دیدہ اند، و آن مدارج کی در نظر دارند، کہ ایشان را در ضمیر میگزشت، کہ گدای گوشہ نشین را باید دید۔ من خود پائی، کہ رفتار داشتہ باشد، ندارم۔ و از زاویہ برون آمدن نتوانم۔ بہ نگاشتن این نامہ زحمت اوقات ملازمان از آن رو روا داشتہ ام، کہ اگر فرستادن نامہ محض از روی احتیاط است، ہویدا گردد، کہ در عنایت تفریط و در رعایت افراط است۔ چشم دارم کہ بمشاهدہ سواد نواز شنامہ فروغ نظر اندوزم۔ شغل شعر و سخن ہر آئینہ یقین دارم کہ درین چنین فتنہ و آشوب دل بدان کار چگونہ گراید۔ دولت پایندہ و نصرت طرب فزاینده باد۔ از اسد اللہ غالب۔ نگاشتہ و روان داشتہ پنجشنبہ ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸۔

لہ۔ دیران خاص بر عنوان نامہ ہای پیشین نشان کلبہ این درویش دلریش عقب مسجد جامع نبشتہ اند۔ و من از ہفت ہشت سال در محلہ بلی مار می مانم۔ سپس نشان این محلہ نگاشتہ شود^(۳)۔

(۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

منشور عطوفت کے دیکھنے سے زندگی کی صورت نظر آئی۔ محض اور

(۱) سید اصغر علی خان مرحوم نواب سید عبد اللہ خان بہادر کے صاحبزادی اور نواب فردوس مکان کی چچا زاد بھائی تھی، امیر مینائی تذکرہ مذکور (صفحہ ۲۵) میں لکھتی ہیں: «شاعر خوش مذاق ہیں۔ آفرینش مضامین عاشقانہ میں طاق ہیں۔ مومن خان صاحب دہلوی کے شاگرد رشید۔ کلام انکا لایق دید و قابل شنید۔ ۳۸ برس کی عمر پائی۔ بارہویں رجب کو سنہ ۱۲۷۳ ہجری تھی کہ عارضہ خناق میں مبتلا ہو کر میرٹھ میں رحلت فرمائی: وہاں سے جنازہ اونکا دہلی کو گیا۔ اور درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئی»۔ ان کا دیوان شائع ہو گیا ہے۔

(۲) نواب سید عبد الرحمن خان بہادر، نواب سید غلام محمد خان بہادر کے صاحبزادی اور نواب فردوس مکان کی چچا تھی۔

(۳) اگر میرزا صاحب کے تخمینہ کو صحیح مانا جائے، تو اوٹھین سنہ ۱۸۴۹ ع یا سنہ ۱۸۵۰ ع میں محلہ بلی مار میں مقیم ہونا چاہی۔ میر مہدی مجروح کے نام کے خط میں سنہ ۱۸۵۰ ع کی تصریح موجود ہے۔ اسلئے یہی سنہ درست معلوم ہوتا ہے۔ فرماتی ہیں: «.... یہ لکھ کہ اسد اللہ خان پنشن دار سنہ ۱۸۵۰ ع میں حکیم بیالہ والی کے بھائی کے حوالی میں رہتا ہے» (عود ہندی، صفحہ ۸۳، و اردوی معلی، صفحہ ۱۹۴)۔

غزلوں کے پہنچنے کی اطلاع پائی۔ یہ بھی ایک بخشش کا بہانہ پیدا کرنا ہے۔ ورنہ حضور کے کلام کو اصلاح کی احتیاج کیا ہے۔ میری کیا سختوری اور سخن سرائی ہے۔ آپ کی قدر دانی بلکہ قدر افزائی ہے۔ تکلف ہے اگر کہوں کہ تا قیامت رہو۔ بے تکلف دعا یہ ہے، کہ خدا کرے ایک سو بیس برس تک سلامت رہو۔

اس قرینے سے، کہ بسبب کم فرصتی کے اون کا ملاحظہ نہ کرنا مرقوم ہوا، ریختہ کے دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا۔ دیوان کے دیکھنے ندیکھنے میں آپکو اختیار ہے۔ مگر یہ چار جزو کا رسالہ جو اب بھیجا ہے، اسکا دیکھنا ضرور درکار ہے۔ فارسی قدیم اور پھر حسن معنی اور صنعت الفاظ۔ با این ہمہ ہر امر کی احتیاط، اور ہر بات کا لحاظ^(۱)۔

جناب عالی! طرفہ معاملہ ہے۔ خدا کا شکر ہے، اور اپنی قسمت کا گلہ ہے۔ خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلقِ قلعہ کسی طرح کے جرم کا بہ نسبت میرے احتمال بھی نہیں۔ قسمت کا گلہ یہ کہ عطایِ پنسن^(۲) قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ انیسواں مہینا ہے۔ گویا بن کھائے جینا ہے۔ کہتے ہیں کہ جنوری شروع سال میں پنسنداروں کو رویہ ملے گا۔ دیکھئے کیا نیا گل کھلے گا۔ پہلی نومبر کو یہاں اشتہارِ عام ہو گیا ہے، کہ اب قلمروِ ہندوستان میں عملِ ملکہ معظمہ عالیقام ہو گیا ہے۔ میں پہلے سے مداحوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں۔ اور وزرائِ ملکہ دارا دربان کے دو سارقی فکٹ پا چکا ہوں۔ اگر اس اجمال کو بہ تفصیل معلوم کیا چاہئے، تو اسی کتاب موسوم بہ دستنبو میں دیکھا چاہئے۔ خوشنودی کا طالب غالب۔ نگاشتہ روز یکشنبہ ہفتم نومبر سنہ ۱۸۵۸ ع۔

(۱) اس چار جزو کا رسالہ سو «دستنبو» مراد ہے۔ چنانچہ آخر عریضہ میں اسکا نام کی تصریح کرکے مرزا صاحب نے ابہام دور کر دیا ہے۔

(۲) میرزا صاحب نے اس لفظ کا «ملا» «شین» کی بجائے «سین» سو لکھا ہے۔ اسی طرح لفظ سارنیفکٹ میں پہلی «ٹ» کو «ت» تحریر کیا ہے۔

(۹)

خداوندِ نعمت سلامت .

جو آپ بن مانگے دین، اوسکے لینے میں مجھے انکار نہیں۔ اور جب
جکو حاجت آپڑے، تو آپسے مانگنے میں عار نہیں۔

بارِ گرانِ غم سے پست ہو گیا ہوں۔ آگے تنگدست تھا، اب تہی دست
ہو گیا ہوں۔ جلد میری خبر لیجے۔ اور کچھ بھجوا دیجیے۔ عنایت کا طالب
غالب۔ چار شنبہ یازدہم ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۵ ہجری و ۱۷ نومبر سنہ
۱۸۵۸ ع^(۱)۔

(۱۰)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد آداب بجالانے کے عرض کرتا ہوں، کہ منشورِ رافت لکھا ہوا
۲۵ نومبر کا جمعہ کے دن تیسری دسمبر کو اس دعا گویِ دولت کے پاس
پہنچا۔ ڈھائی سو روپیہ کی ہندوی معتمد کے حوالہ کی گئی۔ آج یا کل روپیہ
آجایگا۔ خاطرِ عاطرِ اقدس جمع رہے۔

میرے حاضر ہونیکو جو ارشاد ہوتا ہے، میں وہاں نہ آؤنگا، تو اور
کہان جاؤنگا۔ پنسن کے وصول کا زمانہ قریب آیا ہے۔ اسکو ملتوی چھوڑ کر
کیونکر چلا آؤں۔ سنا جاتا ہے، اور یقین بھی آتا ہے، کہ جنوری آغازِ سال

(۱) نواب فردوس مکان فی عرایض مورخہ ۷ نومبر و ۱۷ نومبر کے جواب میں تحریر فرمایا: «... دو قطعہ
صحیفہ تطف طراز، اولین حاوی حالات نہ ملنی زر پنشن آپکو، اور دوسرا مورخہ اٹھارویں ماہ نومبر
سنہ حال مشعر نوید خیریت مزاج و حاج کر، متواتر رنگ افروز چہرہ وصول نشاط شمول کا ہوا۔ اور
مراتب مندرجہ می مطلع فرمایا۔ مشفقاً! جو کہ مخلص کو اشتیاق معانقہ اور مکالمہ آپ کا بدرجہ
کمال ہی، اور اب تشریف آوری آپکی اس جگہ مناسب ہی، اسواسطی حوالہ خامہ محبت نگار
کی ہوتا ہی، کہ آپ دیدار فایض الانوار اپو سی مخلص کو مسرور فرمائی۔ اور قطعہ ہندوی مبلغ
دو سو پچاس روپیہ کا واسطی مصارف خدام آپ کی بلف رقیمۃ الوداد ہذا کی مرسل ہی۔ قبول
فرمائی۔ ۱۸۰۰۰ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۵ ھ مطابق ۲۵ نومبر سنہ ۱۸۸۸ ع۔ عریضہ نمبر ۱۰ ہندوی کی
رسید اور ناز کی عذر پر مشتمل ہی۔

۵۹ عیسوی میں یہ قصہ انجام پائے۔ جس کو روپیہ ملنا ہے اوسکو روپیہ، جس کو جواب ملنا ہے اوس کو جواب ملجائے۔

حضور نے یہ کیا تحریر فرمایا ہے، کہ ان بارہ غزلوں کی اصلاح میں کلام خوش مطلوب ہے۔ اگلی غزلوں کی طرح نہوں۔ مگر اگلی غزلوں کی اصلاح پسند نہ آئی، اور اون اشعار میں کلام خوش تھا۔ حضرت کا تو اون غزلوں میں بھی وہ کلام ہے، کہ شاید اوروں کے دیوان میں ویسا ایک شعر بھی نہ نکلیگا۔ میں بقدر اپنے فہم واستعداد کے کبھی اصلاح میں قصور نہیں کرتا۔ زیادہ حد ادب۔ عرضداشت غالب۔ معروضہ جمعہ ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۷۵ و ۳ دسمبر ۵۸^(۱)۔

(۱۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

میں اس دولتِ ابد مدت کا از راہِ مودتِ خیر خواہ ہوں۔ امرِ ملال انگیزِ اندوہ آور میں آرائشِ گفتار گوارا نہیں کر سکتا۔ نواب مرزا^(۲) نے دلی آکر پہلے نویدِ بزمِ آرائی سنائی۔ چاہتا تھا، کہ اوسکی تہنیت لکھوں۔

(۱) نواب فردوس مکان کی مسودہ فرمان میں یہ مضمون تحریر نہیں۔ ممکن ہو کہ میضہ میں اپنی قلم سی اضافہ کر دیا ہو۔

(۲) نواب مرزا خان داغ تخلص خاف نواب شمس الدین خان دہلوی مراد ہیں۔ نواب فردوس مکان کو عہد میں انکی پھوپھی عمدہ خاتم ریاست سی وظیفہ پائی تھیں۔ یہ اونکو توسط سی ابتداء مورد انعام و عنایات رہی۔ بعد ازان تعلق خدمت بھی ہو گیا۔ چنانچہ نواب خلد آشیان کی عہد میں اصطبل اور فراش خانہ کی داروغہ تھی، سو روپیہ ماہوار تنخواہ پائی تھی۔ نواب صاحب کی انتقال کی بعد بزمِ علم و ادب منتشر ہوئی، تو مرزا داغ حیدر آباد چلے گئے۔ اور وہاں حضور نظام مرحوم کی استاد مقرر ہوئے۔ اور وہیں سنہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۵ع) میں انتقال کیا۔ داغ صاحب شیخ ابراہیم ذوق دہلوی کی شاگرد تھی۔ اور رامپور میں شعراء دہلی کی کامیاب نمائندہ شمار ہوتی تھی۔ امیر مینائی مرحوم لکھنوی اسکول کی حامی تھی، اسلی دربار خلد آشیان میں ان دونوں میں مسابقت کی سعی جاری رہتی تھی۔ بعض نقادوں کا خیال ہے کہ اس کشمکش میں امیر مینائی مرحوم کی داغ کا رنگ اختیار کر کے اعتراف شکست کیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ دربار رامپور کی یہ تابندہ گوہر اپنی علمی محبتوں میں ایک دوسری سی برابر استفادہ کرتی رہی ہیں۔ اور یہ فیصلہ دشوار ہے کہ ان میں سے کس کی دوسری پر فتح پائی۔ تاہم نواب خلد آشیان کی دربار میں امیر صاحب کا رنگ سب سے زیادہ جما۔ اسلی قیام رامپور تک اونکو فتیاب میدان سخن شمار کرنا بیجا نہیں ہے۔

کل اوسنے از روی خطِ آمدِ رامپور حضرت جنابعالیہ کے انتقال^(۱) کی خبر سنائی۔ کیا کہوں، کیا غم و اندوہ کا ہجوم ہوا۔ حضرت کے غمگین ہونیکا تصور کر کر اور زیادہ مغموم ہوا۔ بیدرد نہیں ہوں، کہ ایسے مقام میں بطریقِ انشا پردازی عبارت آرائی کروں۔ نادان نہیں ہوں، کہ آپ جیسے دانا دل دیدہ ور کو تلقینِ صبر و شکیبائی کروں۔

از دستِ گدایِ بے نوا ناید ہیچ جز آن کہ بصدقِ دل دعائی بکند
حق تعالیٰ ذاتِ ستودہ صفات کو دایماً اور ابدآ جاہ و جلال و دولت
واقبال کیساتھ سلامت با کرامت رکھے۔ عریضہ نگار اسد اللہ المتخلص
بہ غالب۔ مرقومہ یکشنبہ ۲۱ شعبان و ۲۸ مارچ سالِ حال۔

(۱۲)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
ایک خط مشتمل اپنے حال پر اور ایک خط جناب بیگم صاحبہ و قبلہ
مغفورہ کی تعزیت میں روانا کر چکا ہوں۔ اب ایک قطعہ تاریخ بھیجتا
ہوں۔ اگرچہ ایک کا تعیمہ ہے۔ لیکن تعیمہ کتنا خوب اور بے تکلف ہے۔
عرضداشتِ اسد اللہ۔ معروضہ ۱۳ رمضان و ۱۷ اپریل سالِ حال۔

قطعہ

جنابِ عالیہ از بخششِ حق بفردوسِ برین چون کرد آرام
سخن پرداز غالب سالِ رحلت «خلود خلد» گفت از رویِ الہام

(سنہ ۱۲۷۵ ہجری)

(۱۳)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں۔ آج دوشنبہ کا دن ۱۴ رمضان

(۱) جناب عالیہ نواب فردوس مکان کی والدہ محترمہ کا لقب تھا۔ انکا نام فتح النساء بیگم ہی۔ یہ محمد نور خان ولد محمد شاہ خان بڑیچ کی صاحبزادی، اور محمد نور خان نواب سید فیض اللہ خان بہادر کے ہمبزرادہ تھی (گلشنِ فتوتِ قلمی، ذکر نواب فردوس مکان، و اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۲۱)۔

المبارک کی اور ۱۸ ماہ اپریل کی صبح کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا، اور منشورِ عطوفت لایا۔ مین نے سر پر رکھا۔ آنکھوں سے لگایا۔ تعجب ہے کہ میرے دو خطوں کی رسید اس عنایت نامہ میں مرقوم نہیں۔ آیا نہ پہنچے، یا پہنچے اور نہ پڑھے گئے، کچھ معلوم نہیں^(۱)۔

پہلے خط میں یہ عرض کیا ہے، کہ مجموعہ پسننداروں کی مثل مرتب ہے، اور ہنوز صدر کو روانا نہیں ہوئی۔ نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر^(۲) نے کلکتہ سے میری پسن کے کواغذ طلب کئے، اور وہ کاغذ فہرست میں سے الگ ہو کر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے۔ وہاں سے کلکتہ کر بھیجے جائیں گے۔ پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب ہوتا ہوا یہاں آئیگا، اور یہاں مجکو روپیہ ملجائیگا۔ آج روپیہ ملا۔ کل میں نے آپ سے سواری اور بار برداری مانگی۔ آج سواری اور بار برداری پہنچی، اور کل میں نے رامپور کی راہ لی۔ بلکہ اسی نیاز نامہ میں کچھ حسنِ طلب بھی تھا۔ افسوس کہ ایسا خطِ ضروری نہ پہنچے۔

دوسرا خط جنابِ عالیہ مغفورہ کی تعزیت میں تھا۔ اوسکا بھی ذکر اس عنایت نامہ میں تھا۔ ناچار پہلے خط کا مضمون اس ورق میں مکرر لکھ دیا، اور دوسرے خط کے صرف ذکر پر اکتفا کیا۔ حق تعالیٰ آپکو

(۱) نواب فردوس مکان کا حوالہ بالا خط حسب ذیل ہے : حال تشریف آوری آپکا اسطرف کو ابھی تک سامعہ نواز نہیں ہوا۔ اور دل صفا منزل مشتاق اور منتظر دریافت سرور ملاقات کا ہی۔ اسواسطی حوالہ خامۃ اتحاد نگار کو ہوتا ہی، کہ آپ براہ عنایت کو نوید تشریف فرمائی اس سمت سی، کہ کب تک ممکن الوقوع ہی، مطلع اور مطمئن فرمائی۔ ۹ رمضان سنہ ۱۲۷۵ھ ۱۳ اپریل سنہ ۵۹ ع۔

(۲) لارڈ کیننگ بہادر سنہ ۱۸۱۲ ع میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۸۵۲ ع میں ہندوستان کو گورنر جنرل اور سنہ ۱۸۵۸ ع میں پہلی وائسرائے بناؤ گئے۔ غدر انہی کے عہد حکومت میں رونما ہوا۔ اودہ حکومت کی مکمل ضبطی بھی اسی عہد کا واقعہ ہی۔ مارچ ۱۷۶۲ ع میں انگلستان واپس گئے، اور ۱۷ جون سنہ ۱۸۶۲ ع کو وہیں فوت ہوئے۔ اپنی عزم و استقلال، تدبیر، اور خوبی انتظام کی بدولت انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔

سلامت رکھے ، اور صبر و ثبات و دولت و اقبال و عمر و جاہ و جلال بطریق دوام عنایت کرے ۔

دو غزلین منجملہ بارہ غزلوں کے بعد اصلاح ارسال کر چکا ہوں ۔ خدا کرے پہنچ گئی ہوں ۔ پرسون ایک قطعہ جناب بیگم صاحب و قبلہ کی تاریخ وفات کا بھیجا ہے ۔ یقین ہے کہ پہنچے گا ۔ از راہ احتیاط وہ قطعہ اس ورق میں پھر لکھتا ہوں ۔ اور نیز از راہ احتیاط یہ خط بیرنگ روانا کرتا ہوں ۔ زیادہ حد ادب ۔ عریضہ اسد اللہ خان ۔ معروضہ دوشنبہ چہاردم رمضان سنہ ۱۲۷۵ ، مطابق ہژدہم اپریل سنہ ۱۸۵۹^(۱) ۔

قطعہ

جنابِ عالیہ از بخششِ حق بفردوسِ برین چون کرد آرام
سخن پرداز غالب سالِ رحلت «خلودِ خلد» گفت از رویِ الہام
(۱۲۷۵)

(۱۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔

نوازشنامہ کے ورودِ مسعود کی اطلاع دیتا ہوں ، اور ہنڈوی کے پہنچنے کا شکر بجا لاتا ہوں ۔ ستمبر سنہ ۱۸۵۹ کے مہینے کے سو روپیہ پہنچے ۔ خاطرِ اقدس جمع رہے ۔

عزمِ ولایت کا حال معلوم ہوا ۔ حق تعالیٰ آپ کو ہر جگہ مظفر و منصور و کامیاب رکھے^(۲) ۔ خدمت گزار ہوں ، اور دعا و ثنا میرا کام ہے ۔

(۱) اس عریضہ کی جواب میں نواب فردوس مکان فی تحریر فرمایا : «سابق اس می دو قطعہ تلافی صحیفہ طائیت افزا آپکی ، اول مشعر مراتب تعزیت رحلت جناب والدہ صاحبہ معظمہ کی اس جہان فانی سی ، اور دوسرا بانتظار جواب اور قطعہ تاریخ رحلت جناب موصوفہ کی متواتر وصول ہوئی ... سبحان اللہ کیا تاریخ آپنی تصنیف فرمائی ہی ، کہ الفاظ جامع مختصر ہیں ، اور تعمیہ بطرز نادر اور بی تکلف ہی ۔»

(۲) نواب صاحب کی ۷ ستمبر سنہ ۱۸۵۹ ع مطابق ۲۹ صفر سنہ ۱۲۷۶ھ کی فرمان می معلوم ہوتا ہی کہ میرزا صاحب فی سفر انگلستان کی باری میں استفسار کیا تھا ۔ جس کی جواب میں نواب صاحب فی مذکورہ بالا (باقی)

بڑھاپے نے کھو دیا۔ جز نفسے چند مجھ میں کچھ باقی نہیں۔ زیادہ حدِ ادب۔ عرضداشتِ غالب۔ معروضہ یکم اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ عیسوی۔

(۱۵)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تقدیمِ تسلیم گزارش کرتا ہوں۔ پرسون ایک نیازنامہ بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچے گا، اور اسکا جواب جلد عنایت ہوگا۔ کل نوازشنامہ، جس میں سو روپیہ^(۱) کی ہنڈوی بابت ماہِ اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ تھی، شرفِ ورود لایا۔ زرِ مندرجہ ہنڈوی معرضِ وصول میں آیا۔ خاطرِ اقدس جمع رہے۔۔۔۔۔ (شنبہ ۵ نومبر سنہ ۱۸۵۹)^(۲)۔

(۱۶)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد بجا لانے آدابِ نیاز کے عرض کرتا ہوں۔ یہ میرا دردِ دل ہے۔ نامہٴ تہنیت میں اسکا اندراج مناسب نہیں جانا۔ میں انگریزی سرکار میں علاقہ ریاستِ دودمانی کا رکھتا ہوں۔ معاش اگرچہ قلیل ہے، مگر عزت زیادہ پاتا ہوں۔ گورنمنٹ کے دربار میں داہنی صف میں دسوانِ لمبر

(بقیہ) تاریخ کو لکھا: "مشفقاً! جو آپ کو نسبتِ عزیمتِ مخلص کو بسمت انگلستان استفسار فرمایا ہے۔ حال یہ ہے کہ فی الحقیقت ارادہ مخلص کا جانی انگلستان کو مصمم ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی زمانہ جانی کا مقرر نہیں ہوا ہے۔ اسواسطی حوالہ خامۃ اتحاد نگار کو ہوتا ہے کہ جس وقت زمانہ جانی ولایت کا قرار پاویگا، آپکو پیشتر سے اس خصوص میں اطلاع دہی عمل میں آویگی۔" میرزا صاحب کا عریضہ (نمبر ۱۴) اس فرمان کا جواب ہے۔ یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہے کہ نواب صاحب کا یہ سفر ملکہ معظمہ و کنویرہ کے دست مبارک سے صلۃ خدماتِ غدر پانی کے سلسلہ میں ہونیوالا تھا۔ لیکن بعد ازان کسی وجہ سے سفر ملتوی ہو گیا۔ اور گورنر جنرل کے دربار فتح گڑھ میں خلعت وغیرہ عطا ہوا۔ دربار کی تفصیل عریضہ نمبر ۱۷ کے حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

(۱) میرزا صاحب کے الفاظ کے اوپر حسابی رقم بھی لکھی ہے۔

(۲) میرزا صاحب کے اس عریضہ کا آخری حصہ بھٹکیا ہے۔ اسلئے نام اور تاریخ متن میں موجود نہیں۔

فوسین میں جو تاریخ درج ہے وہ لفافہ سے نقل کر دی گئی ہے۔

اور سات پارچے اور جیغہ، سرپیچ، مالائے مروارید، خلعت مقرر ہے، لاڈ (۱) ہارڈنگ صاحب (۲) کے عہد تک پایا۔ لاڈ دہلوسی (۳) یہاں آئے نہیں۔ اب یہ نواب علی القاب آتے ہیں (۴)۔ زمانے کا رنگ اور۔ کوئی حاکم کوئی سکرتر میرا آشنا نہیں۔ بڑے میرے مربی قدردان جناب اڈمنسٹرن صاحب (۵)۔ وہ بھی چیف سکرتر نہ رہے۔ لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ وہ سکرتر رہتے تو مجھے کچھ غم تھا۔ اب تک میں اپنے کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بیگناہ ہوں یا گناہگار۔ مقبول ہوں یا مردود۔ مانا کہ کوئی خیر خواہی نہیں کی، جو نئے انعام کا مستحق ہوں۔ لیکن کوئی بیوفائی بھی سرزد نہیں ہوئی،

(۱) یہ میرزا صاحب کا املا ہے۔ صحیح لفظ لاڈ ہے۔

(۲) لاڈ ہارڈنگ صاحب ہندوستان کے گورنر جنرل تھے۔ سنہ ۱۷۸۵ ع میں پیدا ہوئے۔ جولائی سنہ ۱۸۴۴ ع میں جنوری سنہ ۱۸۴۸ ع تک گورنر جنرل ہند رہے۔ سکھ واریں بہت نمایاں خدمات انجام دیں۔ انتظام مملکت میں بھی مفید اصلاحات نافذ کیں۔ جگہ جگہ اسکول قائم کئے۔ ریلوی اور آبپاشی کے محکوم میں اضافہ کیا۔ اور اتوار کی عام تعطیل مقرر کی۔ آخر میں سنہ ۱۸۵۲ ع میں سنہ ۱۸۵۶ ع تک کانڈر انچیف رہے، اور اسی سال ماہ ستمبر میں انتقال کیا۔

(۳) لاڈ ڈلہوسی سنہ ۱۸۱۲ ع میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۸۴۷ ع میں ہندوستان کے گورنر جنرل مقرر کئے گئے۔ اور ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۴۸ ع کو آفس کا چارج لیا۔ انہوں نے سکھوں کو زیر کر کے سنہ ۱۸۴۹ ع میں پنجاب کا الحاق کیا۔ انکا اندرونی انتظام مملکت بہت عمدہ اور مضبوط مانا جاتا ہے۔ محکمہ ریلوی میں نئی ضابطی نافذ کئے۔ اور صوبوں کے درمیان ٹیلیگراف سسٹم قائم کیا۔ شاہی ڈاکخانہ کا نظم بھی انہی کا رہین منت ہے۔ پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ، جیل، جنگلات، سروی اور محکمہ تعلیمات قائم کیا۔ لیجسلیٹیو کونسل کا از سر نو انتظام کر کے اوسے وسعت دی۔ برما پر حملہ کیا، اور خان قلات اور امیر افغانستان سے معاہدے مرتب کئے۔ صوبہ برار فوجی مصارف کے لئے حاصل کیا۔ ان کے ہاتھوں بہت سی دیسی ریاستوں کا خاتمہ ہوا۔ حادثہ غدر کی تمام تر ذمہ داری بھی انہی کے کاندھوں پر رکھی جاتی ہے۔ یہ بڑی جفاکش کارکن تھے۔ چنانچہ ان کے سوانح کا خلاصہ فتح، استحکام، اور ترقی ہے۔ انہوں نے لندن واپس جا کر سنہ ۱۸۶۰ ع میں انتقال کیا۔

(۴) لاڈ کینگ بھادر وائسرائے مراد ہیں۔

(۵) ایڈمنسٹرن صاحب سنہ ۱۸۱۳ ع میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۸۳۱ ع میں اضلاع شمال و غرب میں تقرر ہوا۔ سلع کی فتح کے بعد وہاں کی ریاستوں کے کشتہ بنداؤ گئے۔ سنہ ۱۸۵۳ ع میں پنجاب کے کشتہ مالیات ہوئے۔ سنہ ۱۸۵۵ ع میں سنہ ۱۸۵۷ ع تک گورنمنٹ آف انڈیا کے فارن سیکریٹری رہے۔ بعد ازاں جنوری سنہ ۱۸۵۹ ع میں پنجاب کے گورنر ہو گئے۔ اور فروری سنہ ۱۸۶۳ ع تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ انہوں نے ۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ ع کو انتقال کیا۔

جو دستورِ قدیم کو برہم مارے^(۱)۔ بہر حال اس تشویش میں ہون۔ راہ چارہ مسدود، اور دکھ موجود۔ عرفی خوب کہتا ہے:

مرا زمانہ طناز دست بستہ و تیغ زند بفرقم و گوید کہ ہاں سرے میخار
مرقومہ صبح یکشنبہ ۷ نومبر سنہ ۱۸۵۹^(۲)۔

(۱۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد بجا لانے آدابِ نیاز کے عرض کرتا ہوں۔ منشورِ عطوفت پہنچا۔
نوابِ عالی جناب کی ملازمت کا حال بسبیلِ اجمال مندرج تھا۔ میں از رویِ
اخبار بہ تفصیل دریافت کر چکا ہوں۔ ہندستان میں کسی رئیس کی واسطے
یہ بات کاہے کو ہوئی ہے۔ مسند تکیہ کسی کو کب ملا ہے۔ یہ کمالِ عز و
شان اور استحکامِ بنایِ ریاست کا نشان ہے۔ لطف یہ ہے کہ اب صاحبانِ
کورٹ آف ڈرکٹر حائل نہیں رہے۔ نواب گورنر جنرل بہادر نائبِ سلطنت
ہیں۔ اس صورت میں جو کچھ انہوں نے دیا ہے، وہ عطیہ حضرتِ فلکِ رفعت
ملکہ معظمہ کا ہے۔ ایسے شاہنشاہ کی سرکار سے وسادہ سروری کا عطا ہونا
بہت بڑی نوازش اور سزاوارِ صد گونہ نازش ہے۔ یہ چار بالاشِ امارت اور
»کاشی پور« کا ضمیمہ ملکِ موروٹی ہونا پہلے آپ کو اور پھر ولیعہد بہادر
کو اور پھر آپ کی اولاد و اخوان و انصار کو اور سب کے بعد غالبِ دعا گوئی
گوشہ نشین کو مبارک ہو۔ زیادہ حدِ ادب۔ مرقومہ صبح یکشنبہ ۲۷
نومبر ۱۸۵۹ ع^(۳)۔

(۱) یہ فارسی کے محاورہ »برہم زدن« کا ترجمہ ہے۔

(۲) نواب فردوس مکان نے جواباً تحریر فرمایا: »شفقا! هنگام ملاقات کی اکثر صاحبانِ ذیشان سے تذکارِ محامد اوصاف ذاتی اور صفاتی آپ کا عمل میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فضل اور قدردانی سرکارِ دولتمدار سے یقین واثق ہو کہ جو مدارج شریف آپ کی قدیم سے ہیں، پیشگاہ گورنمنٹ سے بھی اوسی مطابق ظہور میں آویگا۔ کسواسطی کہ اہالی سرکار ابد قرارِ قدردان و قدر شناس ہیں«۔

(۳) میرزا صاحب نے اس عریضہ میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ اخبار الصنادید (ج ۲، ص ۹۷-۱۱۰) کی بیان کے مطابق حسب ذیل ہے: (لارڈ کیننگ صاحب بہادر گورنر جنرل نے ۱۵ نومبر سنہ (باقی)

(۱۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

آداب نیاز بجا لا کر عرض کرتا ہوں ، کہ سو روپیہ کی ہندوی بابت

(بقیہ) ۱۸۵۹ ع مطابق ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۶ھ کو مقام فتحگڑھ میں ایک عالیشان دربار منعقد فرمایا ... اس دربار میں بہت سی دیسی روسا اور بہت سی یورپین معزز حکام خصوصاً کانڈر انچیف صاحب شریک تھے اس دربار عام میں گورنر جنرل نے نواب سید یوسف علیخان بہادر سی مخاطب ہو کر کہا : ”جکو بڑی خوشی اس بات کی ہو ، کہ ان خدمات کی عوض جو آپ نے ملکہ معظمہ کی کین ، آج آپ کا شکریہ ادا کر نیکا موقع ملا . آپ اپنی ذات خاص سے زمانہ غدر میں نہایت مستعد اور صادق رہی . اور آپ نے ، باوجود خوف جان و ریاست کی ، گرد و نواح میں نہایت مشقت اور مستعدی سے حکومت برقرار رکھی . اور ملکہ معظمہ کی افسروں کی مدد بقدر امکان بخوشی کی . سب سے بڑھ کر یہ ہو ، کہ آپ نے ایک مجمع کثیر ہمعوم ملکہ معظمہ کی جانیں بچائیں . ان کو سب آفتوں سے محفوظ رکھا . اور انکو ہر طرح کی آسائش دی . حالانکہ وہ زمانہ چاروں طرف خوف سے گھرا ہوا تھا . میں بڑی خوشی سے رو برو سپہ سالار افواج ہند ملکہ معظمہ اور بہت سی معزز افسر اور حاکمان ملکی کو ، جو گرد و نواح اور دیگر مقامات ہندوستان میں عہدہ ہای جلیلہ پر منصوب ہیں ، آپ کی حسن خدمات کا اقرار کرتا ہوں . جکو یقین ہو کہ آپ کی کارگزاریوں کو یہ لوگ ہرگز نہ بھولیں گے . اس دربار میں گورنر جنرل نے نواب سید یوسف علیخان بہادر کو خلعت قیمتی بیس ہزار روپیہ کا عطا کیا . اور سلاخی کی فریادہ کو بجای تیرہ مقرر ہوئی : علاوہ اسکو ”فرزند دلپذیر“ کا خطاب عنایت ہوا . القاب و آداب ان الفاظ کو ساتھ قرار پایا : ”نوابصاحب مشفق بسیار مہربان کریمفرمای مخلصان سلامت“ .

بعد ازاں ۲۵ نومبر سنہ ۱۸۵۹ ع کو گورنر جنرل بہادر کو سکرٹری نے گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی کی سکرٹری کو نام حسب ارشاد گورنر جنرل بہادر ایک خط لکھا . اس خط کی دفعہ ۵ میں تحریر تھا : ”گورنر جنرل نے نواب صاحب کو مطلع کیا کہ انکی مستحکم وفاداری اور اعلیٰ درجہ کی امداد کی سبب سے ، جو انھوں نے گورنمنٹ کو دی ہو ، انکو پرگنہ کاشی پور ضلع مراد آباد جسکی جمع ایک لاکھ چار ہزار چار سو روپیہ سالانہ ہو ، معافی میں بخشا ہو . جسکو وہ اور انکو وارث اپنی جاگیر کو ایک ٹکڑی کی طور پر اپنی قبضہ میں رکھیں .“

اس عطیہ شاہی کی تہنیت میں میرزا صاحب نے یہ قطعہ فارسی نظم کیا :

ای آنکہ خود بہر ہمی پروری مرا	از غیب مزد کار تو اجر عظیم باد
رای تو در زمانہ بامضای کارها	با اہتمام مہم سعادت سہم باد
در صبح دولت تو ز گلہای رنگرنگ	دائم مشام دہر رہین شمیم باد
آن دم ، کہ مردہ را باثر زندہ ساختی ،	در باغ طالع تو بجای شمیم باد
پاشند آب گر برہت بہر دفع گرد	ہر قطرہ زان نمونہ در یتیم باد
ہر صیغہ ، کہ وضع وی از ہر امر تست ،	فارغ ز تنگ زحمت تقدیم مہم باد
گر بہر خویش نیز دعای کنم چہ باک	این نعمہ ہم گزیدہ طبع سلیم باد
آزادہ ام خلوص وفا شیوہ من ست	راہم و رای مسلک امید و بیم باد (باقی)

مصارفِ ماہِ نومبر ۱۸۵۹ پہنچی . اور روپیہ وصول میں آیا . اور صرف ہو گیا . اور میں بدستور بھوکا اور تنگا رہا . تم سے نکھون تو کس سے کہوں . اس مشاہرہ مقرر سے علاوہ دو سو روپیہ اگر مجھ کو اور بھیج دیجیگا تو جلا لیجیگا . لیکن اس شرط سے کہ اس عطیہ مقرر میں محسوب نہو اور بہت جلد مرحمت ہو . زیادہ حد ادب . عرضداشتِ غالب . معروضہ صبح پنجشنبہ ہشتم دسمبر سنہ ۱۸۵۹ بمجرد ورودِ عنایت نامہ مرقومہ ماہِ حال^(۱) .

چون رھروی کہ بر خط جادہ رہ رود	پیوستہ سیر من بخط مستقیم باد
مانند فکر من رخ بخت تو دلفروز	مانند کلك من دل دشمن دو نیم باد
بابستہ زمان و مکان نیست دردمند	گر خود رود بکعبہ برین درمقیم باد
شادم بکنج امن و نگویم کہ بندہ را	خشتی ز زر خالص و خشتی ز سیم باد
مقصود از لباس همان پوشش تنست	پوشش گر از حریر نباشد گلیم باد
بالجملہ این سہ بیت کہ سر جوش فکر تست	در خورد لطف خاص و عطای عمیم باد
نواب مہر مہر منوچہر چہر را	حاصل جمال یوسف و قرب کلیم باد
چون غنچہ کہ پہلوی گل بشگفت ییاع	ملک جدید شامل ملک قدیم باد
ہر دم ترا بخلوت راز و بزم انس	روح الامین مصاحب و غالب ندیم باد
(بقیہ)	(کلیات غالب فارسی ، ص ۲۶)

اس قطعہ کی متعلق یہ بتانا ، کہ کس تاریخ لکھا گیا ، اور کب رامپور پہنچا ، سخت دشوار ہی . اسلئے کہ مثل میں ایسا کوئی خط شامل نہیں ، جس میں اسکا ذکر ہو . لیکن ۲۷ نومبر کی مکتوب میں اسکا مذکور نہونی کی باعث ، قیاس یہ ہی ، کہ اس تاریخ کی بعد لکھا گیا ہوگا . اور اسی مہینہ کی کسی آخری تاریخ میں یا ماہ دسمبر کی شروع میں نواب فردوس مکان کی خدمت میں ارسال ہوا ہوگا . نواب صاحب کی تاریخ روانگی و آمد صاحب اخبار الصنادید کی ذکر نہیں کی . لیکن خود نواب صاحب کی میرزا غالب کو ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۷ مطابق ۸ نومبر سنہ ۱۸۵۹ ع کو لکھا ہی : ”مخلص بتاریخ ۱۲ اس مہینہ کی طرف فرخ آباد کی روانہ ہوگا اور بتاریخ ۱۸ اس مہینہ کی معاودت کرکے رامپور پہنچی گا .“

(۱) میرزا صاحب کی اس عریضہ کی جواب میں نواب فردوس مکان کی القاب و تسلیات کی بعد تحریر فرمایا : ”مشفقاً! پیاس ارقام سہی کی ، کہ مخلص کو آپ کی ذات ستودہ صفات سی محبت اور موافقت قلبی ہی ، ہندوی مبلغ دو سو روپیہ کی سواڑ مشاہرہ معینہ معطوف رقمۃ الوداد ہذا کی مرسل ہی . اور چشمداشت آپ کی لطف فرمائی سی یہ ہی ، کہ رسید ہندوی مذکور سی مطلع اور مطمئن فرمائیں . اور سابق میں چند مرتبہ در باب تشریف فرمائی یہاں کی متکلف ہوا ہوں . لیکن اب تک آپ کی سرور ملاقات بھجت آیات سی مسرور نہیں فرمایا : اب لازم اشتفاق کا یہ ہی کہ آپ تشریف شریف باسرع ازمہ ارزانی فرماوین اور مخلص کو مشکور الطاف کا کریں .

اس ارشاد کی تعمیل میں میرزا صاحب صبح پنجشنبہ ۱۹ جنوری سنہ ۱۲۶۰ ع کو دلی سی روانا ہوکر شام کو مرادنگر ، اور جمعہ ۲۰ جنوری کو میرٹھ پہنچی . وہاں ۲۱ کو قیام کرکے دوسری دن شاہجہانپور ، گڑھ مکینسر ، اور مرادآباد ہوڈ ہوئی ، جمعہ کی دن ۲۷ جنوری کو وارد رامپور (باقی)

(۱۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

آدابِ نیاز بجا لاتا ہوں . اور مزاجِ اقدس کی خبر پوچھتا ہوں . اور
بکمالِ ناچاری بصدِ گونہ شرمساری عرض کرتا ہوں کہ آج سہ شنبہ ۷ فروری
کی ہے . جو لوگ کہ میرے ساتھ ہین گوش بر آواز ہین . اور جو وظیفہ
خوار دلی مین ہین وہ چشم براہ ہونگے . زیادہ حدِ ادب . خوشنودی کا
طالب غالب . صبح سہ شنبہ ۷ فروری سنہ ۱۸۶۰^(۱) .

(۲۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

تقدیمِ مراسمِ تسلیمِ مقدمہ اس گزارش کا ہے ، کہ عالمِ دوہین . ایک عالم
شہادت ، ایک عالمِ غیب . جس طرح عالمِ شہادت مین آپ میری دستگیری
کر رہے ہین ، عالمِ غیب مین آپ کا اقبال مجھ کو مدد پہنچا رہا ہے . تفصیل اس
اجمال کی یہ کہ وہ نقشا پنسن دارون کا جو یہاں سے صدر کو گیا تھا ، وہ اب
صدر سے بعدِ صدورِ حکم آ گیا . حکم بہ نسبت ہر واحد کے مختلف ہے .

(بقیہ) ہو . یہاں منجانبِ ریاست مہمانداری کا انتظام کیا گیا . اور محلۂ راجدوارہ مین ایک مکان قیام
کیلیئے عطا ہوا . نواب فردوس مکان فی تعظیم و توقیر مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا . اور
چند دن کے بعد زرِ دعوت کے نام سے سو روپیہ ماہوار مقرر فرما دیا . رامپور کی آب و ہوا میرزا
صاحب کے مزاج کے موافق تھی . اسلئے وہ چاہتے تھے کہ یہاں زیادہ عرصہ رہیں . لیکن باقر
علیخان اور حسین علیخان ساتھ آئے تھے . انہوں نے دلی واپس چلنے کیلئے ضد کی . چونکہ یہ
دونوں کم عمر تھے اسلئے انکا تنہا دلی بھیجنا مناسب نہ تھا . مجبوراً میرزا صاحب نے رخصت مراجعت
کی درخواست کی . نواب فردوس مکان فی قیام پر اصرار کیا . لیکن آخر کار اجازت عطا فرما دی
اور میرزا صاحب رامپور سے ۱۷ مارچ سنہ ۶۰ ع کو روانہ ہو کر ۲۴ ماہ مذکور کو دلی جاجا
پہنچی . سفر کی تفصیلات کیلئے دیباچہ ملاحظہ ہو .

(۱) اس عریضہ کے لفافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرزا صاحب کے قیام رامپور کے زمانہ مین نواب
فردوس مکان کو لکھا گیا ، اور فتح محمد خان صاحب کے توسط سے کیمپ مین پیش ہوا . مقام
کا نام لفافہ پر درج نہیں . لیکن جوابی فرمان کے مسودہ مین "از مقام کھربا" تحریر ہے . جس سے
یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اوسوقت سرکارِ بسلسلۂ دورۂ ریاست موضع کھربا تحصیل سوار مین فروکش تھی .

تقلیل بہت ہے۔ سو روپیہ مہینے والے کو پچھتر^(۱) بھی ہین، اور پچیس^(۱) بھی ہین، اور دس^(۱) بھی ہین۔ اب فرمائیے میرے واسطے کیا احتمال گزرتا ہے۔ یاس کلی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہوا ہے، کہ سب سے پہلے میرا نام اور پوری پنسن کی واگراشت کا حکم۔ طرفہ یہ کہ میرے نام کے ساتھ ایک انگریزی تحریر ہے، کہ جسکے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ گورمنٹ کا حکم منظوری اس تحریر پر متفرع ہے۔ حکام کے عملہ مین اور وکلا اور اہل شہر مین یہ مشہور ہے، کہ وہ تحریر ولایت سے آئی ہے۔ بہر حال دو امر ہنوز مبہم ہین۔ ایک اس انگریزی تحریر کا حال، اور دوسرے میرے بھائی کی پنسن کی حقیقت۔ سو یہ دونوں امر چند روز مین معلوم ہو جائینگے۔ اور جو معلوم ہوگا، وہ عرض کیا جایگا۔ غالب۔ ۲۲ اپریل سنہ ۱۸۶۰^(۲)۔

(۲۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

شکر بندہ پروری بجا لا کر عرض کرتا ہوں، کہ کل ۱۲ جولائی کو بوازشنامہ مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے پہنچا، اور روپیہ معرض وصول مین آیا۔ متوقع ہوں، کہ یہ عطیہ چوتھی پانچوین انگریزی کو، جیسا کہ ہمیشہ

(۱) ان مقامات پر میرزا صاحب نے حسابی رقوم بھی لکھی ہین۔

(۲) اس عریضہ کے جواب مین ۲۸ رمضان سنہ ۱۲۷۶ ھ مطابق ۲۰ اپریل سنہ ۱۸۶۰ ع کو نواب صاحب نے تحریر فرمایا: «مشفقاً! جب کوئی مسرت پیش آنیوالی ہوتی ہو، تو آغاز ہی سے مقدمات سرور پیدا ہوتے ہین۔ ایسی سامان نظر آتی ہین کہ بے اختیار دلکو انبساط، طبیعت کو نشاط ہو۔ حسن اتفاق دیکھی، کہ ۱۹ تاریخ اپریل سال حال پہلے تو ایک لاکھ بیس ہزار کی جاگیر پر دخلدہانی کا خریشہ آیا۔ مین اوسی پڑھ رہا تھا، کہ آپکا نامہ سرور افزا پونچا۔ اوس سے آپکی پنشن کی بحالی کا مژدہ پایا۔ نشہ سرور دوبالا ہو گیا۔ اور اسقدر بالیدگی اور خوشی حاصل ہوئی کہ زیہاریان اوسکا بحال زبان و قلم نہین۔ بار خدایا مبارک ہو۔ سپاس منعم حقیقی ادا نہین ہو سکتا۔ اسوقت مین بلا نقصان پنشن کا جاری ہونا محض شان قدرت باری ہی۔ شکر اوسکو احسانات کا کما تکت ادا کیجئے۔ عجب قدرت نمانی فرمائی ہو۔ دلکو طرفہ مسرت ہاتھ آئی ہے۔» میرزا نقتہ کو نام کی ۶ مئی سنہ ۱۸۶۰ ع کی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴ مئی سنہ ۱۸۶۰ ع کو زرپنشن وصول کیا گیا تھا (اردو معنی، صفحہ ۹۰)۔ وصول شدہ رقم، دو ہزار دوسو پچاس روپیہ کی خرچ کی پوری تفصیل کیلئے اردو معنی، صفحہ ۱۸۲، خط بنام میر مہدی ملاحظہ ہو۔ آخر مین یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ میرزا صاحب کے عریضہ کی تاریخ ۲۲ اپریل سہو قلم معلوم ہوتا ہے۔

پہنچتا تھا، پہنچا کرے۔ دسویں بارہویں نہوا کرے۔

تم سلامت رہو قیامت تک

خوشنودی کا طالب غالب۔ صبح جمعہ ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۶ مطابق
۱۳ جولائی سنہ ۱۸۶۰۔

(۲۲)

ولّٰی نعمت آیہ رحمت سلامت^(۱)۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ کے ورود سے مین نے عزت پائی۔
سو روپیہ کی ہندوی بابت مصارف مارچ سنہ ۱۸۶۱ کے پہنچی۔ زر مندرجہ
معروض وصول مین آیا۔ خاطر اقدس قرین جمعیت رہے۔ کلیات فارسی کے
پہنچنے سے اور اس نذر کے مقبول ہونے سے مجھ کو بہت خوشی حاصل ہوئی^(۲)۔

تم سلامت رہو قیامت تک

عنایت کا طالب غالب۔ صبح یکشنبہ ۷ اپریل سنہ ۱۸۶۱ ع۔

(۲۳)

ولّٰی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم تورہ اور خلعت کے عطیہ کا آداب بجا لاتا ہوں۔ خدا
آپ کو سلامت رکھے۔ اور اپنی اولاد کی اولاد کی شادیاں کرنی اور اون

(۱) عریضہ نمبر ۲۲ تا ۲۵ مین خلاف معمول لفظ "حضرت" ساقط ہو۔

(۲) میرزا صاحب کا یہ نسخہ کلیات فارسی حسب تصریح فرمان مورخہ ۳۰ مارچ سنہ ۶۱ ع ڈاک کی
ذریعہ حضور مین پیش ہوا۔ نواب صاحب نے اسکو "آئینہ جہان نما بل مخزن نکات مسرت افزا" تحریر
کیا ہے۔ یہ نسخہ کتب خانہ سرکاری مین محفوظ ہے : خط نہایت صاف، کاغذ نیلگون اور
جانبھا مرزا صاحب کی قلبی تحریر سی مزین ہے۔ اسکی کاتب کی باری مین مرزا صاحب نواب
ضیاء الدین خان بہادر کو لکھتی ہیں : "آپ کو دیوان کی دینی مین تامل کیوں ہے۔ روز آپ کی
مطالعہ مین نہیں رہتا۔ بغیر اوسکی دیکھی آپ کو کھانا نہ ہضم ہوتا ہو، یہ بھی نہیں۔ پھر آپ
کیوں نہیں دیتو : رہا کتاب کے تلف ہونیکا اندیشہ، یہ خفقان ہے۔ کتاب کیوں تلف ہوگی،
احیاناً اگر ایسا ہوا، اور دلی لکھنو کے عرض راہ مین ڈاک لٹگئی، تو مین فوراً بسیل ڈاک
وامپور جاؤں گا، اور نواب غفر الدین خان مرحوم کو ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تمکو لادونگا۔"
(اردوی معنی، صفحہ ۲۸۹)۔

شادیوں میں تورہ خلعت کی تقسیم نصیب ہو۔

یہ تحریر نہیں۔ مکالمہ ہے۔ گستاخی معاف کروا کے اور آپ سے اجازت لیکے بطریق انبساط عرض کرتا ہوں، کہ یہ سوا سو روپیئے، جو تورہ و خلعت کے نام سے مرحمت ہوئے ہیں، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ کھا جاؤنگا، اور اس میں لباس نہ بناؤنگا، تو میرا خلعت حضور پر باقی رہیگا یا نہیں؟

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار داد کا طالب غالب۔ دوشنبہ۔ بحساب تعزیه داران پانچوین، اور از روی دوج ۶ محرم الحرام سنہ ۱۲۷۸ (۱)۔

(۱) اس عریضہ میں نواب فردوس مکان کو منجھلی صاحبزادی سید حیدر علیخان بہادر کی شادی کا حوالہ ہے۔ یہ شادی نواب سید احمد علی خان بہادر ابن نواب سید محمد علیخان بہادر ابن نواب سید فیض اللہ خان بہادر کی نواسی کیساتھ ۱۷ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۷ جولائی سنہ ۱۸۶۱ع کو قرار پائی تھی۔ مہینوں قبل سے تیاریاں ہوئی تھیں۔ ملازمان ریاست کو خلعت اور عام باشندگان شہر کو کھانا تقسیم ہوا تھا۔ اور ساری شہر میں جابجا رقص و سرود کی محفلیں آراستہ کی گئی تھیں۔ ریاست کی بیرونی متوسلین اور احباب کے نام دعوت نامی جاری ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب کو بھی دعوت شرکت دی گئی تھی۔ لیکن وہ ضعف طبع کے سبب سے ناسکڑ تھی۔ چنانچہ نواب علاء الدین خان علائی کو ۲۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۱ع کو لکھا ہے: دوالی رامپور نے بھی تو مرشد زادہ کی شادی میں بلایا تھا۔ یہی لکھا گیا، کہ میں معدوم محض ہو گیا ہوں۔ تمہارا اقبال تمہاری کلام کو اصلاح دیتا ہے۔ اس سے بڑھکر مجھے خدمت نہ چاہو، (اردو معلی، صفحہ ۳۰۴ و ۳۰۵)۔

میرزا صاحب نے تورہ و خلعت کا عطیہ پا کر ایک تہنیت نامہ اور دو قطعات مبارکباد نوابصاحب کی خدمت میں روانہ کیے تھے۔ قطعات مثل میں شامل نہیں۔ لیکن حسن اتفاق سے کلیات فارسی (مطبوعہ لکھنؤ، ص ۳۱) میں شایع ہو چکی ہیں۔ مقام کی مناسبت چاہتی ہے کہ انہیں یہاں نقل کیا جائے۔ فرماتے ہیں:

(۱)

دید و یوسف علیخان کو فروغِ رای او	مہر تابان برد قسط فیض و من ہم یاقم
از ولعبدش سخن رانم کہ چون ماہ منیر	طلعتش را دیدہ روشن ساز عالم یاقم
وان دگر فرزانه فرزند فرہمندش کہ هست	کو کبی کش در دل افروزی مسلم یاقم
خواست تا سازد بآئین بہنیش کدخدا	شاد گشتم چون خبر زین جشن اعظم یاقم
بہرہ بردم در تصور زان ہمایون انجمن	بسکہ در خود طاقت رنج سفر کم یاقم
بزم طوی فرح حیدر علیخان را بدھر	خوشت و خرم تر از بزم کی و جم یاقم (باقی)

(۲۴)

وَلِي نِعْمَتِ آيَةُ رَحْمَتِ سَلَامَتِ .

بعدِ تسلیمِ معروض ہے . آٹھ سات برس سے مصدرِ خدمت اور

(بقیہ) سالِ این دولت فزا شادی بامعان نظر «مشتری، با «زہرہ» در «طالع»، فراہم یافتہ
اس قطعہ میں مصرع آخر کی الفاظ (زہرہ، مشتری، اور طالع) سی سال جشن ۱۲۷۷ھ نکلتی ہیں .

(۲)

بہار ہند کہ نامند بر شگال آنرا
بیاع و کشت و بیابان و کوه سر تا سر
گزشت عہد سموم و وزید باد خنک
اگرچہ رحمت عامست لیک بالخصیص
ز برگ برگ نیستان کہ گرد آن شہر است
ز انبساط پراست آنچنان کہ از رگ ابر
سپس بداد گر آیم کہ اہل دانش را
خود ابر و باد بگیتی ز دیر باز بود
معاف باشم اگر خود ز خویشتن پرسم
چو رامپور بود وجہ تازہ روئی دہر
ز فیض ہمت فرمانروای آن شہرست
ظہور مینت کدخدائی فرزند
کہ میہان حق ست آن و ما طفیلی او
بجیب و دامن مردم ز بخشش نواب
کشایش در گنجینہ و آنگہ از در گنج
بطالبان زر و سیم سیم و زر فرخ
بن کہ تشنہ لب بادہ ہای پر زورم
مگو ز شادی اہل زمین، کہ می گویند
بدین ترانہ کہ ہان ای امیر شاہ نشان
بشہریار و ولیمہد و شاہزادۂ عہد
ازان جہت کہ ستایش نگار نوابی

پس از دو سال بر اہل جہان مبارکباد
سحاب و سبزہ و آب روان مبارکباد
ز جان بہ تن، دگر از تن بجان مبارکباد
برامپور کرات تا کران مبارکباد
رسد بگوش چنان کہ زبان مبارکباد
بجای قطرہ تراود همان مبارکباد
شود ہر آئینہ خاطر نشان مبارکباد
عطیہ ایست کہ بر ہمگان مبارکباد
برامپور خصوصاً چسان مبارکباد
ز ہر چہ این ہمہ گل کرد آن مبارکباد
کہ ورد خلق بود ہر زمان مبارکباد
بر آن رئیس سپہر آستان مبارکباد
نزول مانند بر میہان مبارکباد
متاع خاصۂ دریا و کان مبارکباد
بدر شتافتن پاسبان مبارکباد
بسائیلان تہی کاسہ نان مبارکباد
ازان میان دوسہ رطل گران مبارکباد
فرشتگان بلند آسمان مبارکباد
نوید فرخی جاودان مبارکباد
خوشی و خوبی و امن و امان مبارکباد
تراہم ای اسد اللہ خان مبارکباد

نواب فردوس مکان فی ۱۱ جولائی سنہ ۱۸۶۱ ع مطابق غرۃ محرم الحرام سنہ ۱۲۷۸ھ کو ان قطعات
کی متعلق تحریر فرمایا : «..... قطعات مبارکباد اور تہنیت نامۂ شادی کت خدائی برخوردار
کامگار محمد حیدر علی خان بہادر ایام فرحت التیام میں سرور افزای خاطر نیاز ہوئی . اور سرمایہ
ہزاران مسرت اور شادمانی کا ارزانی کیا . سبحان اللہ ہر یک شعر قطعوں اور تہنیت نامہ کا مضامین
مینت آگین اور معانی لطافت تضمین سی ایسا مملو تھا ، کہ وصول اسکا احاطۂ تحریر و تقریر سی
متزاید ہی . اللہ تعالیٰ آپکو ابد الدہر سلامت با جمیع رکھی .» (باق)

شریکِ دولت ہوں۔ لازم کر لیا ہے، کہ یہودہ گزارش نکرون۔ اور کبھی کسی کی سپارش نکرون۔

بھائی حسن علیخان کے بیٹوں کے باب میں جو علی بخش خانصاحب^(۱) کو لکھا، اس کو میں سپارش نسمجھا تھا۔ مخبر بتا، اور آپ کے اہل کاروں کو اوس بات کی خبر دی، کہ جس کا تدارک صاحبانِ ملک و حاکمانِ عہد پر لازم ہے۔ سو بمقتضایِ نصفت و عدالت وہ مقدمہ فیصل ہو گیا۔ میر سرفراز حسین اور میر نصاحب کو^(۲) واللہ باللہ اگر میں نے بھیجا ہو۔ نوکری کی

(بقیہ) اب صرف تہنیت نامہ باقی رہ جاتا ہے۔ بظاہر عریضہ نمبر ۲۳ تہنیت نامہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کو مذکورۃ فرمان تہنیت نامہ قرار نہیں دے سکتے۔ اس لٹو کہ فرمان سے مترشح ہے، کہ تہنیت نامہ بھی منظوم تھا۔ اور یہ عریضہ مشور ہے۔ علاوہ برین اس کو تہنیت نامہ قرار دینا اسلٹو بھی ناممکن ہے، کہ یہ لفافہ کی انگریزی تاریخ کے مطابق ۱۵ جولائی کو لکھا گیا تھا۔ اور تہنیت نامہ کا ذکر نواب صاحب کو ۱۱ جولائی کے فرمان میں آچکا ہے۔

(۱) علی بخش خانصاحب شیخ محبوب بخش بن شیخ امان اللہ کی لڑکی تھی۔ یہ ۱۴ شوال سنہ ۱۲۳۸ھ (۱۸۱۳ع) کو نجیب آباد میں پیدا ہوئی۔ انکی دادا اور نانا اس ریاست کے قدیمی نوکر اور خدمت گزار تھے۔ انھوں نے ایامِ غدر میں بڑی جانفشانی اور خیرخواہی سے کام کیا۔ اور اسکی صلہ میں گورنمنٹ سے پانچ ہزار روپیہ کا خلعت، تلوار، طلائی گھڑی اور تین ہزار چودہ روپیہ سالانہ کی جاگیر ضلع مراد آباد میں انعام پائی۔ نواب خلد آشیان نے تخت نشینی کے ایک سال بعد انھیں چالیس ہزار روپیہ نقد یکمشت عطا کیے۔ اور جب یہ بیمار ہوئی، تو دو بار بنفس نفیس انکی عیادت کو تشریف لیگئی۔ انھوں نے ۲ محرم سنہ ۱۲۸۴ھ مطابق سنہ ۱۸۶۷ع کو رامپور میں انتقال کیا اور مولانا جمال الدین رح کے مزار میں دفن ہوئی۔ انکی اولاد میں مولانا محمد علی مرحوم بین الاسلامی شہرت کے قومی رہنما ہوئے ہیں (اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۱۴۱، و تذکرۃ کاملان رامپور، ص ۴۶۶)۔

(۲) میر سرفراز حسین میر مہدی مجروح کے بھائی اور میر افضل علی عرف میرن صاحب اونکی دوست تھے۔ میرزا صاحب سے بھی ان دونوں کی خوردانہ تعلقات تھی۔ اردوی معنی اور عود ہندی میں انکی نام متعدد خطوط درج ہیں۔ میرزا صاحب نے انکی اہری معاش کا حال دیکھکر خانسامان صاحب کے نام تعارفی خط دیکر رامپور بھیجا تھا۔ لیکن شومی بخت سے اوس وقت یہاں ملازمت نہ مل سکی، اور یہ دونوں سو روپیہ کے زیرباری کے بعد واپس چلی گئے۔ اس سلسلہ میں میرزا صاحب نے میر مہدی کو لکھا ہے: "سید صاحب کل پہر دن رہی، تمہارا خط پہنچا۔ یقین ہو کہ اوسی وقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہاری پاس پہنچ گئے ہوں۔ حال سفر کا، جو کچھ ہے، اونکی زبانی سن لوگو۔ میں کیا لکھوں۔ میں نے بھی جو کچھ سنا ہے اونہیں سے سنا ہے۔ اونکا اسطرح ناکام پھرنا میری تمنا اور میری مقصود کے خلاف ہے۔ لیکن میری عقیدی (باقی)

جستجو کو نکلے تھے۔ میر سرفراز حسین نوکری پیشہ، اور میرن مرثیہ خوان اور یہاں کے مرثیہ خوانوں میں ممتاز۔ خانسامانصاحب کو جو میں نے یہ لکھا، کہ یہ ایسے ہین اور ایسے ہین۔ غرض اس سے یہ تھی، کہ محرم میں جہاں دس پانچ مرثیہ خوان اور مقرر ہو تے ہین، میرن بھی مقرر ہو جائیں۔ آخر جا بجا تھانہ دار، کوتوال، تحصیلدار نوکر ہین۔ میر سرفراز حسین ہوشیار اور کار گزار آدمی ہین۔ کسی علاقہ پر یہ بھی مقرر ہو جائیں۔ یہ دونو امر یا ان دونوں میں سے ایک ہو جاتا بہتر تھا۔ نہوا بہتر۔ درحقیقت سپارش تھی۔ صرف معرف ہونا تھا۔ سپارش کرتا تو کیا میں آپ کو نہ لکھ سکتا تھا۔ میری طرف سے خاطرِ خاطر جمع رہے۔

ز سینہ تا بلبم سالہا نیابد راہ ہر آن نفس کہ رضایِ تو اندر آن نبود
داد کا طالب غالب۔ دوشنبہ ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۱ء۔

(۲۵)

ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں۔ اور طلوع ستارۂ اقبال کی مبارکباد دیتا ہوں۔ یقین ہے کہ اس سفرِ فیض اثر میں «ریل گاڈی» کی سواری کی بھی سیر دیکھ لی ہوگی۔ یہ اوس میمنت و شکوہ و شوکت سے علاوہ ایک تماشا

(بقیہ) اور میری تصور کے مطابق ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہاں کچھ نہوگا۔ سو روپیہ کی ناحق زیرباری ہوئی۔ چونکہ یہ زیرباری میری بھروسہ پر ہوئی، تو مجھے شرمساری ہوئی۔ لیکن میں نے اس چھپاسٹھ برس میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسیایاں بہت اونٹھائی ہین۔ جہاں ہزار داع ہین ایک ہزار ایک مہی۔ میر سرفراز حسین کی زیر باری سے دل کڑھتا ہے، (اردو معلیٰ، ص ۱۸۵)۔ بعد ازان ۱۸ اگست سنہ ۱۸۶۱ ع کو پھر لکھتے ہین: «بھائی تم سچ کہتی ہو۔ بر سرِ فرزند آدم ہرچہ آید بگزر د۔ لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ یہ زیرباری میری تحریر کے بھروسہ پر ہوئی اور خلاف میری مرضی کے ہوئی۔ جس طرح سی یہ آؤ ہین، اگرچہ میری طبیعت اور میری خواہش کے منافی ہی لیکن واللہ میری عقیدہ اور تصور اور قیاس کے مطابق ہے۔ یعنی میں یہی سمجھا تھا کہ البتہ یونہی ہوگا (ایضاً، ص ۱۵۴)۔

نیا دیکھا۔ حق تعالیٰ حضرت کو سلامت باکرامت رکھے^(۱)۔
دعا گو ایک مہینا بھر سے بیمار ہے۔ ابتدا وہی قولنج دورے۔ بسبب استعمال ادویہ حارہ، کہ اس مرض میں اوس سے گزیر نہیں، تپ نے آگھیرا۔ کئی باریاں بھگتیں۔ اب دوباریاں ٹلگئی ہیں۔ لیکن طاقت بالکل^(۲) سلب ہوگئی ہے۔ اور ضعف دماغ نے قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا ہے۔ بالفعل^(۳) آب سلب کا استعمال ہے۔

(۱) نواب صاحب کی مذکورہ سفر کی تفصیل یہ ہے، کہ جناب ملکہ معظمہ وکنوریہ آنجنابی کا ایک فرمان ۲۰ جولائی سنہ ۱۸۶۱ ع کو صادر ہوا: جسکا خلاصہ یہ تھا۔ کہ [مابدولت نے اپنی مرضی خاص اور علم کامل اور عزم مبارک سے ایک رتبہ جدید بہادری جو آج سے دوام کیلئے خطاب 'موسٹ اگرائڈ آرڈر آف دی اسٹار آف انڈیا' سے موسوم ہوکر مشہور ہوگا، تجویز اور ایجاد کیا ہے۔ اور مابدولت کا ارشاد ہوتا ہے، کہ رتبہ مذکور میں ایک شخص 'ساورن' (سردار اعلیٰ) ایک 'گرائڈ ماسٹر' (سردار) اور پچیس 'نائب' (بہادر) شریک رہیں۔ اور والیان ہند اور سرداران ہندوستانی اور ہماری رعایا میں سے وہ اشخاص جو اس قسم کی لیاقت رکھتے ہوں، اس رتبہ عالی سے محروم نہ کئے جائیں۔ مابدولت کی تجویز اقدس سے مابدولت کے عزیز مشیر اکبر چارلس جانٹ اول کینگ گورنر جنرل ہندوستان اس رتبہ کی اول سردار مقرر ہوئے۔ اور یہ مقتضای دانشمندی اور مصلحت ہے، کہ رتبہ مذکور کا سردار ایسی اشخاص کو، جو وقتاً فوقتاً مابدولت کی تجویز اقدس سے نامزد ہوکر اس رتبہ کی بہادر مقرر کئے جائیں، عہدہ موسومہ 'نائب بیچلر' عطا کرنیکا مجاز ہے۔] اسکا کیواسطی لارڈ کینگ صاحب نے ایک دربار الہ آباد میں مقرر کرنیکی تجویز کی۔ اور نواب سید یوسف علیخان بہادر کو بھی بلایا۔ نوابصاحب مع خدام و حشم الہ آباد گئے: یکم نومبر سنہ ۱۸۶۱ ع کو ایک شاہانہ دربار منعقد ہوا۔۔۔۔۔ جب تمام اہالی جلسہ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے گئے، تو نوابصاحب بہادر تخت شاہی کے محاذی تشریف لیگئے۔ اور گورنر جنرل نے اپنی ہاتھ سے اس رتبہ کی تمغہ عطا فرمائی۔ اور کھڑی ہوکر بیان کیا: '..... چونکہ یہ رتبہ سب سے پہلے آپ صاحبوں کو عطا ہوا ہے، امید ہے کہ آپ ہند کی باشندوں میں ایسا طریقہ اختیار کریں گے کہ آپ کا طرز عمل دیکھنے سے ہند کی سرداروں یا باجگزاروں کو ملکہ معظمہ کیساتھ محبت دلی اور اتحاد قلبی پیدا ہو'۔ بعد اس تقریر کے دربار برخاست ہوا۔ اور نوابصاحب گورنر جنرل سے رخصت ہوکر اپنی دارالریاست کو واپس تشریف لائے (اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۱۱۳-۱۱۶)۔ نوابصاحب کے فرمان بنام غالب مورخہ ۸ اکتوبر سنہ ۶۱ ع مطابق ۲ ربیع الثانی سنہ ۷۶ھ سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضور ۱۳ اکتوبر سنہ ۶۱ ع کو الہ آباد روانہ ہوئے۔ تقریباً ایک ماہ رامپور سے باہر رہنے کا خیال تھا۔ لیکن جیسا کہ میرزا صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے نومبر کے پہلے ہفتہ میں واپس تشریف لی آئے۔

(۲) ان دونوں لفظوں میں میرزا صاحب نے ایک الف زائد لکھ دیا ہے۔ صحیح 'بالفعل' اور 'بالکل' ہے۔

طریقہ دعا گوئی و ثنا خوانی کی رعایت سے نویت بسیل مثنوی ، کہ جس میں حصول عطیہ سلطانی کی ہجری و عیسوی تاریخ ہے ، بہر حال لکھ لی ہیں ۔ کل ورود عنایت نامہ سے معزز ہو کر آج وہ اشعار نذر کرتا ہوں^(۱) ۔ زیادہ حد ادب ۔ تم سلامت رہو قیامت تک ۔ شفقت کا طالب غالب ۔
دو شنبہ ۱۱ نومبر سنہ ۱۸۶۱ ۔

(۲۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔
بعد تسلیم معروض ہے ۔ کل ایک شعر ظہوری مغفور کا اور ایک شعر غالب مرحوم کا ایک ورق پر لکھ کر صبح کو ڈاک میں بھجوا دیا ۔ شام کو توقع وقوع ہرکارہ ڈاک نے لادیا ۔ اگست سنہ ۱۸۶۲ کی پرورش کی ہنڈوی پہنچی ، اور سو روپیہ وصول ہو گئے ۔
فقیر کا شیوہ صدق و سداد کا ہے ۔ چند روز سے تفقد و التفات قدیم میں ، خدا نخواستہ باشد ، کچھ کمی پاتا ہوں ۔ اگر غلط ہے میرا گیان ، تو بشرف اطلاع مشرف فرمائیے ۔ اور اگر میرا دل دیوانہ سچ سمجھا ہے ، تو متوقع ہوں کہ عتاب کے سبب سے آگہی پاؤں ۔ زیادہ حد ادب ۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار معروضہ صبح دو شنبہ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ ع ۔ [مہر غالب سنہ ۱۲۷۸ ھ] ۔
یہ عرضداشت جدا ہے ، البتہ اس کے جواب کا امیدوار ہوں ، اور رسید معمولی جدا ہے^(۲) ۔

(۲۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔
بعد تسلیم معروض ہے ۔ نوازشنامہ مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے پہنچا ۔
(۱) اس مثنوی کے متعلق لفافہ کی پشت پر نوٹ ہے : تاریخ نزد منشی سیلچند ماند ۔ سرکار فی اسکی تعریف میں ۱۷ نومبر کو تحریر فرمایا : سبحان اللہ ! ہر تاریخ بڑ بدل اور بطور نادر اور تحفہ بڑ مثل ہو ۔
(۲) یہ عبارت عریضہ کے آخر میں مہر کے بعد تحریر ہو ۔

اگست سنہ ۱۸۶۲ کے مہینے کی پرورش کا رویہ وصول ہوا۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
[مہرِ غالب سنہ ۱۲۷۸ ھ]۔ دو شنبہ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲۔

(۲۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ نوازشنامہ مع ہنڈوی سو رویہ کے شرفِ ورود لایا۔ سو رویہ مصارفِ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ کا معرضِ وصول میں آیا۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
معروضہ دم^(۱) اکتوبر سنہ ۱۸۶۲۔ خوشنودی مزاج کا طالبِ غالب۔

(۲۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ نوازشنامہ ربویت طراز، مورخہ ۱۱ مارچ
سنہ ۱۸۶۳، ۱۴ ماہِ مذکور کو مین نے پایا۔ دوسو رویہ کی ہنڈوی کا شکر بجا
لایا۔ کہانتک شکر بجا لاؤنگا۔ کس کس عنایت کا سپاس ادا کرونگا۔ «شکرِ
نعمتہای تو چندانکہ نعمتہای تو»۔

اب سنیئے اپنے دعا گو کی داستان۔ منگل ۳ مارچ کو جناب لفٹنٹ
گورنر بہادر نے^(۲) خلعت عطا کیا۔ اور فرمایا کہ ہم تمہیں مژدہ دیتے ہیں،

(۱) لفافہ پر یوم جمعہ ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۲ لکھا ہے :

(۲) سر رابرٹ منٹگمری صاحب مراد ہیں۔ یہ فروری سنہ ۱۸۵۹ ع سے جنوری سنہ ۱۸۶۵ ع تک پنجاب
کی لفٹنٹ گورنر رہی تھی۔ قدر بلگرامی کے نام کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے، کہ مرزا صاحب انکو
دربار میں شریک نہیں ہوی تھی۔ دربار کے بعد منٹگمری صاحب نے بلاکر اپنی طرف سے خلعت عطا کیا،
اور وہیں دربار انبالہ کے متعلق گفتگو ہوئی۔ فرماؤ ہیں : رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ بہادر
قلرو پنجاب میں (دلی) آئے۔ دربار کیا۔ مین لگیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بھی چپرامی آکر بھگو
بلا لگیا۔ بہت عنایت فرمائی۔ اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا، (اردو معلی، ص ۴۰۶، لاہور
ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ ع)۔ منشی شیونرائن کے نام کے خط میں واقعہ کی مزید تفصیلات تحریر کی ہیں۔
فرماؤ ہیں : بڑی لارڈ صاحب کی ورود کی زمانی میں نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب بھی دلی میں
آئے۔ دربار کیا۔ خیر کرو۔ مجھے کو کیا۔ ناگاہ دربار کی تیسری دن بارہ بھی چپرامی آیا، اور کہا کہ (باقی)

کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے^(۱) اپنے دفتر میں تمہارے دربار اور خلعت کے بدستور بحال رہنے کا حکم لکھوا دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں انبالے جاؤں؟ فرمایا البتہ انبالے جانا ہوگا۔

بعد جناب نواب صاحب کے جانے کے شہر میں شہرت ہوئی، کہ دلی کے لوگ انبالے جانے سے ممنوع ہیں۔ گھبرایا اور صاحب کشن کے پاس گیا۔ آپ خط اپنا دے آیا۔ زبانی پرسش کا جواب زبانی پایا۔ پھر خط کے جواب میں خط محررہ ۷ مارچ آیا۔ چنانچہ لفافہ بلحاظ گرائی وزن رہنے دیتا ہوں، اور خط بجنسہ حضرت کو بھیجتا ہوں۔

کل سے ایک اور خبر اوڑی ہے، کہ نصیب اعدا لاژد صاحب کی طبیعت ناساز ہو گئی ہے۔ انبالے میں دربار نکرینگے۔ اور شملہ کو چلے جائینگے۔ اب میں دو وجہ سے بین السفر و السکون متردد ہوں۔ پہلی وجہ خاص۔ دوسری وجہ عام۔ دو سو مین سے سو لیکر ساز و سامان درست کیا ہے، اور سو مہاجن کے ہان ڈاک اور خرچ راہ کی واسطے رہنے دئے ہیں۔ تار برقی میں جناب نواب صاحب سے حکم منگواؤنگا۔ جو حکم آئیگا آپ سے عرض کر کے اوسکی تعمیل کرونگا۔

(بقیہ) نواب لفٹنٹ گورنر فریاد کیا ہی۔ بھائی یہ آخر فروری ہی۔ اور میرا حال یہ ہی کہ علاوہ اوس دائیں ہات کو زخم کے سیدھی ران میں اور بائیں ہات میں ایک ایک پھوڑا جدا ہی۔ حاجتی میں پیشاب کرتا ہوں۔ اونٹننا دشوار ہی۔ بہر حال سوار ہو گیا۔ پہلی صاحب سکرتہر بہادر سی ملا۔ پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تصور میں کیا بلکہ تمنا میں بھی جو بات نہ تھی وہ حاصل ہوئی۔ یعنی عنایت سی عنایت، اخلاق سی اخلاق۔ وقت رخصت خلعت دیا۔ اور فرمایا کہ یہ ہم تجھے کو اپنی طرف سے ازراہ محبت دیتی ہیں۔ اور مژدہ دیتی ہیں، کہ لارڈ صاحب کو دربار میں بھی تیرا لمبر اور خلعت کھل گیا۔ انبالے جا۔ دربار میں شریک ہو۔ خلعت پہن۔ حال عرض کیا گیا۔ فرمایا: 'خیر اور کبھی کو دربار میں شریک ہونا'۔ اس بھوڑی کا برا ہو انبالے نجاسکا، (اردو معنی، ص ۳۸۳ و ۳۸۴)۔

(۱) لارڈ الگن بہادر مراد ہیں۔ یہ لارڈ کیننگ کے بعد ہندوستان کے وائسرائے ہوئے۔ جنوری سنہ ۱۸۶۲ ع میں چارج لیا اور ۲۰ نومبر سنہ ۱۸۶۳ ع کو فوت ہو گئے۔ میرزا صاحب ایک مکتوب کے آخر میں لکھتے ہیں: ۲۱ جمادی الثانی سال 'غفر' مطابق ۳ دسمبر سال 'کیا غضب ہی ہی' یہ گویا تاریخ وفات جناب نواب گورنر جنرل لارڈ الگن صاحب بہادر کی ہے، (اردو معنی، ص ۴۰۵)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
معروضہ ۱۶ مارچ سنہ ۱۸۶۳ء (مہرِ غالب سنہ ۱۲۷۸ھ) (۱)
(میرزا صاحب نے ایک عریضہ ۲۸ جولائی سنہ ۱۸۶۳ء کو لکھا تھا۔
مثل میں اوسکا لفافہ موجود ہے۔ میر منشی صاحب دارالانشا نے اوسپر تحریر
کیا ہے: «عرضی در حضور ماند»۔)

(۳۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ جب انبالے میرا جانا ہوا، تو میں نے قصیدہ

(۱) میرزا صاحب نے ۱۳ رمضان مطابق ۴ فروری (سنہ ۱۲۶۳ع) کو میرزا تفتہ کی نام حسب ذیل خط لکھا
ہو: ... ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں بھگو ۷ پارچی اور تین رقم جواہر خلعت
ملتا تھا۔ لارڈ کینگ صاحب میرا دربار اور خلعت بند کر گئی ہیں۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا۔ اور مدت
العمر کو مایوس ہو رہا۔ اب جو یہاں لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے۔ میں جانتا تھا، کہ یہ بھی مجھ سے نہ
ملینگے۔ کل اونہوں نے بھگو بلا بھیجا۔ بہت سی عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دلی میں
دربار نکریں گے۔ میرٹ ہوئے ہوں اور میرٹ میں اون اصلاح کی علاقہ داروں اور مالگزاروں کا
دربار کرتے ہوئے انبالے جائیں گے۔ دلی کی لوگوں کا دربار وہاں ہوگا۔ تم بھی انبالے جاؤ۔ شریک دربار
ہو کر خلعت معمولی لے آؤ۔ بھائی کیا کہوں کہ کیا میری دل پر گزری۔ گویا مردہ جی اٹھا۔ مگر ساتھ
اس مسرت کی یہ بھی سناٹا گزرا، کہ سامان سفر انبالہ و مصارف پر اتنا کہان سے لاؤں۔ اور طرہ
یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے۔ ادھر قصیدہ کی فکر۔ اودھر رویہ کی تدبیر۔ حواس ٹھکانے
نہیں۔ شعرا کا دل و دماغ کا ہے۔ وہ رویہ کی فکر میں پریشان۔ میرا خدا یہ مشکل بھی آسان
کرے گا۔ لیکن اندنوں میں نہ دن کو چین ہے۔ نہ رات کو نیند ہے۔ یہ کئی سطرین تمہیں، اور ایسی
ہی کئی سطرین جناب نواب صاحب کو، لکھ کر بھیج دی ہیں۔ جیتا رہا تو انبالے سے آکر خط لکھونگا»
(اردو معنی، ص ۱۱۱)۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے، کہ میرزا صاحب نے محولہ بالا «سطرین» چار فروری کو یا اس سے
ایک دو دن قبل نواب صاحب کی خدمت میں ارسال کی تھیں۔ سوء اتفاق سے ان سطور والا عریضہ مثل
میں موجود نہیں۔ البتہ نواب صاحب کا جواب شامل ہے۔ القاب و آداب کی بعد ارشاد فرمایا ہے: ...
مشفقاً! ہندوی مبلغ دو صد رویہ برای مصارف تشریف فرمائی سامی برای ملازمت جناب مستطاب معظم
الہم معظوف رقیمة الوداد هذا مرسل خدمت تشریف است»۔ یہ فرمان ۱۱ مارچ سنہ ۱۲۶۳ع کو تحریر کیا
گیا تھا۔ میرزا صاحب کے عریضہ میں اسکا حوالہ ہے۔ اصل عریضہ کے جواب میں نواب فردوس
مکان نے ۱۹ مارچ کو تحریر فرمایا: ... جو کہ خط نواب صاحب کشتہ بہادر سے عدم حصول شرف
ملازمت جناب مستطاب معنی القاب نواب گورنر جنرل بہادر دام اقبالہم کا بمقام انبالے مستبط ہے۔
اسواسطی تشریف لیجانا آپ کا انبالے کو بلا استجازات ضرور نہیں معلوم ہوتا۔ آئندہ جو رای زرین
آپ کی اس خصوص میں مقتضی ہو۔ اور خط مسطور بحسنہ واپس بھیجا جاتا ہے....

مدح، جو دربار کی نذر کیواسطے لکھا تھا، بطریقِ ڈاک جناب چیف سکرتہر بہادر کو اس مراد سے بھیجا، کہ آپ اسکو جناب نوابِ علی القاب کی نظر سے گزرائیں^(۱)۔ اور یہ دستورِ قدیم تھا، کہ جب مین قصیدہٴ مدحیہ بھیجتا، تو صاحب سکرتہر بہادر کا خط بیواسطہٴ حکامِ ماتحت بجکو آجاتا۔ اب جو مین نے موافقِ معمول قصیدہ بھیجا، یقین ہے کہ مارچ یا اپریل کے مہینے مین وہ لفافہ یہاں سے لشکر کو گیا، صدائی برنخاست۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا۔ بلکہ یہ خیال گزرا کہ جب رسمِ تحریر خطوط نہی، تو دربار اور خلعت کہاں۔ ناگاہ کل شام کو صاحب سکرتہر بہادر کا خط ڈاک مین آیا۔ وہی افشانی کاغذ۔ وہی القاب۔ جی چاہتا تھا کہ اصلِ خط مع سرنامہ بھیجدون، تاکہ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ مگر برسات کا اندیشہ مانع آیا۔ نقل سرنامہ اور خط کی بھیجتا ہوں۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
حضور کی خوشنودی کا طالب غالب۔ صبحِ سہ شنبہ ۴ مارچ اگست سنہ ۱۸۶۳ء^(۲)۔

- (۱) قصیدہٴ مذکور کیلئے مثنوی ابرگہر بار (ص ۳۵، مطبوعہ اکمل المطابع، دہلی، سنہ ۱۲۸۰ھ) ملاحظہ ہو۔
(۲) صاحب سکرتہر بہادر کے محولہ بالا خط کی نقل حسب ذیل ہے:

نقل خط جناب صاحب سکرتہر بہادر

سرنامہ۔

در شہر دہلی۔

خانصاحب بسیار مہربان دوستان، مرزا اسد اللہ خان غالب سلبہ اللہ تعالیٰ۔

خط پر کاغذ افشان۔

خانصاحب بسیار مہربان دوستان سلامت۔

قصیدہٴ با آب و تاب در مدحت نواب مستطاب علی القاب ویسرای وگورنر جنرل بہادر دام اقبالہ وصول گردیدہ، بر رخ ارادت آن مہربان آبی، و بر جبین عقیدت ایشان تابی افزود۔ و از گرانمایہ گوہرهای بحر فکر یکتا سخور معنی پرور، کہ گنج برگنج نہادہ بود، از نظر قبولی ہنسلگان نوابصاحب مدوح گزشتہ، طرب پیرای خاطر ہمایون ایشان گشت۔ زیادہ چہ نگاشتہ آید۔ (دستخط انگریزی)
مرقوم ۳۰ جولائی سنہ ۱۸۶۳ع۔

یہاں یہ امر قابلِ اظہار ہے کہ میرزا صاحب کے اس روحانی سرور کے حصول مین اونکو ایک جسمانی عارضہ نے خلل اندازی کی۔ چنانچہ جمعہ ۲۷ مارچ سنہ ۱۸۶۳ع کو میر سرفراز حسین کو (باقی)

(۳۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم کے معروض ہے . نوازشنامہ اور اوسکے ساتھ دو بہنگیان
دو سو آمون کی پہنچین . «شکرِ نعمتہای تو چند آنکہ نعمتہای تو» . زیادہ
حدِ ادب .

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب . سہ شنبہ پنجم جولائی سنہ ۶۴ .

(۳۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . منشورِ عطوفت مع قطعہ ہندوی شرفِ
ورود لایا . سو روپیہ بابت تنخواہ جولائی سنہ ۱۸۶۴ کے معرضِ وصول
میں آیا .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
ترحم کا طالب غالب . ۱۱ اگست سنہ ۱۸۶۴ .

(۳۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . نوازشنامہ مع ہندوی عزِ ورود لایا . سو
روپیہ بابت تنخواہ ماہِ اگست سنہ ۱۸۶۴ معرضِ وصول میں آیا . زیادہ

(بقیہ) لکھتی ہیں : «رجب کی مہینہ میں سیدھی ہاتھ پر ایک پھنسی ہوئی ، پھنسی پھوڑا ہوگئی . پھوڑا
پھونکر زخم بنا . زخم بگڑ کر غار ہو گیا . اب بقدر یک کھ دست وہ گوشت مردار ہو گیا . انبالو
تجانی کی بھی یہی وجہ ہوئی (اردوی معنی ، صفحہ ۱۵۲) . بعد ازاں ۳ مئی کومنشی شیونراہن کولکھا
ہو : ... اس پھوڑی کا برا ہوا انبالو نجاسکا ، (ایضاً ، صفحہ ۳۸۴) . میرزا تقی کو ایک غیرمورخہ
خط میں اطلاع دی ہو : «لو صاحب ! ہم فی لفٹنٹ گورنر کی ملازمت اور خلعت پر قناعت کرکے انبالو کا
جانا موقوف کیا . اور بڑی گورنر کا دربار اور خلعت اور وقت پر موقوف رکھا . بیمار ہوں . ہاتھ
پر ایک زخم ، زخم کیا ایک غار ، ہو گیا ہو . دیکھتی انجام کار کیا ہوتا ہو ، (ایضاً ، صفحہ
۳۶۸ ، لاہور ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ ع) .

حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب . جمعہ نہم ستمبر سنہ ۱۸۶۴ .

(۳۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . صدورِ والا نامہ سے مین نے عزت پائی .
بذریعہ ہندوی سو روپیہ بابت تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ وصول ہوئے . زیادہ
حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
ترحم کا مستحق اور تقد کا طالب غالب . دو شبہ دہم اکتوبر سنہ
۱۸۶۴ عیسوی .

(۳۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم و نیاز معروض ہے . جب سے حضرت کی ناسازی مزاج
مبارک کا حال خارج سے مسموع ہوا ہے ، عالم الغیب گواہ ہے کہ مجھ پر اور
میری بی بی پر اور میرے فرزند حسین علی خان^(۱) پر کیا گزر رہی ہے . ایک دن
رات میرے گھر میں روٹی نہیں پکی . ہم سب نے فاقہ کیا . بارے وہ خبر
وحشت اثر غلط نکلی . حواس ٹھکانے ہوئے . بالکل^(۲) اطمینان جب ہوگا
کہ آپ کے غسلِ صحت کی نوید سنونگا ، اور قطعہ تاریخِ غسلِ صحت لکھکر

(۱) حسین علی خان ، مرزا صاحب کو متنبی زین العابدین خان عارف کو لڑکے تھے . باپ کو انتقال کے بعد مرزا
صاحب نے انہیں پوتوں کی طرح پالا تھا . نواب خلد آشیان کے عہد میں ریاست میں وظیفہ پانچ
لگی تھی . یہ نہایت خوشگو شاعر تھے . اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے . فارسی
میں خیالی اور اردو میں شادان تخلص تھا . اپنی والد کی طرح انہوں نے بھی نوجوانی کے عالم میں
سنہ ۱۲۹۶ھ (۱۸۸۰ع) میں انتقال کیا . شادان فرخ نہاد ، مادہ تاریخ ہی (انتخاب یادگار ، صفحہ ۲۷
و ۱۷۶ ، و تاریخ لطیف قلبی ، ص ۱۵۲ ، مصنفہ مولوی مہدیعلیخان مرحوم سابق تحصیلدار کتب خانہ) .

(۲) میرزا صاحب نے اس لفظ کا املا دو القون کو ساتھ لکھا ہے . صحیحہ بالکل ، بیک الف ہی .

بھیجوں گا۔ فی الحال اتنا چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب پاؤں اور حقیقتِ مرض سے آگہی حاصل ہو^(۱)۔ زیادہ حدِ ادب۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
تمہاری سلامتی کا طالب غالب۔ ۸ نومبر سنہ ۱۸۶۴۔

(۳۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ ابتدائی یکم نومبر سے ۱۱ تک عرض نہیں کر سکتا کہ لیل و نہار مجھ پر کیسے گزرے ہیں۔ راہ دور، مین رنجور، معہذا بیمقدور۔ اگر دلی سے رامپور تک شکر کی ڈاک جاتی ہوتی، تو مین یہاں ایک دم نہ ٹھرتا اور خدمت مین حاضر ہوتا۔ تار برقی بھی نہیں جو صحت و عافیت کی خبر جلد حاصل ہو۔ ناچار از راہِ اضطراب ۸ ماہِ حال یعنی نومبر کو عریضہ روانا کیا۔ خدا کی عنایت اور مرشدِ کامل یعنی حضرت کی ہدایت نے اوس خط کے جواب آنے کی مدت سے پہلے مجھے گردابِ اضطراب سے نکالا۔ کل ۱۲ نومبر کو نوازشنامہ آگیا۔ گویا میری جان بچ گئی۔ بلکہ ایک اور نئی جان میرے بدن مین آگئی۔ اب استدعا یہ ہے کہ حالِ ناسازیِ مزاجِ اقدس مفصل معلوم ہو۔ زیادہ حدِ ادب^(۲)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
عافیت کا طالب غالب۔ یکشنبہ ۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۴۔

(۱) نواب فردوس مکان اس سال عارضۂ سرطان مین مبتلا ہو کر مسلسل ۶ ماہ تک علیل رہو۔ میرزا صاحب سی اونکی تعلقات شاگردانہ اور کریمانہ تھی۔ اسلئے جب علالت کی اطلاع ملی تو یہ بہت متروک ہوئی۔ اور بذریعۂ عریضۂ ہذا حقیقتِ مرض سے آگاہ کرنیکی درخواست کی۔ لیکن مثل مین اس کا جواب موجود نہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً شدتِ مرض کی سبب جواب مین تاخیر ہوئی۔ اور جب اس عرصہ مین میرزا صاحب کا آئندہ خط بھی موصول ہو گیا تو دونوں کو جواب مین مرض کی حقیقت سے اونہیں اطلاع دی گئی۔

(۲) اس عریضہ کی جواب مین ۱۹ نومبر کو نواب صاحب نے تحریر فرمایا : مشفقاً ! اب فضل الہی سے پھوڑہ لاحقہ مین بہت تخفیف اور قریب الاندمال کلی ہے۔ عریضہ نمبر ۳۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرمان مرزا صاحب کو ۲۶ نومبر کو موصول ہوا۔

(۳۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . عنایت نامہ مع ہنڈوی شرف ورود لایا .
سو رویہ بابت اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ معرض وصول میں آیا . زیادہ حد ادب .
تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
عافیت کا طالب غالب . ۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۴ .

(۳۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . کس زبان سے کہوں ، اور کس قلم سے لکھوں ،
کہ یہ ہفتہ عشرہ کس تردد و تشویش سے بسر ہوا ہے . ہر روز شام تک
جانبِ درنگران رہتا ، کہ ڈاک کا ہرکارہ آئے ، اور حضرت کا نوازشنامہ
لائے . بارے خدا کی مہربانی ہوئی . از سر نو میری زندگانی ہوئی ، کہ کل
چار گھڑی رات گئے ڈاک کے ہرکارے نے وہ عطوفت نامہ عالی دیا ، جس
کو پڑھکر روح تازہ رگ و پیے میں دوڑ گئی . نیند کس کی . سونا کس
کا . روشنی کے سامنے بیٹھا اور اشعارِ تہنیت لکھنے لگا . سات شعر مع
مادہ حصولِ صحت جب لکھ لئے تب سویا . اب اس وقت وہ مسودہ صاف
کر کے ارسال کرتا ہوں^(۱) .

(۱) اشعار مذکور کی متعلق عریضہ کی لفافہ پر نوٹ ہی : وحسب الحکم تاریخ نزد مولوی امیر احمد صاحب
فرستادہ شد . یکم دسمبر سنہ ۱۸۶۴ ع . امیر صاحب کی تذکرہ انتخاب یادگار (ص ۲۵۰) میں
قطعة تاریخ غسل صحت کی نام سے یہ ۶ شعر درج کئے ہیں :

دائم شنیدہ کہ در اقصای مغربست	سر چشمہ کہ خضر شد از وی بقا پذیر
جوی بریدہ اند و روان کردہ اند آب	حمام را بحوض ازان فرخ آب گیر
ہنگام شب کہ زیر زمین باشد آفتاب	از تاب مہر گرم شد آن آب نا گزیر
حمام حوض بگر و گل جامش آسمان	و آن را سفید کردہ فروغ مہ منیر
آمد برای غسل بگرما بہ اندرون	مانند معنی کہ نہد روی در ضمیر
اینک (فراغ) و (اختر نیک) و (خجستہ روز)	پیداست زین سہ لفظ سہ تاریخ دلپذیر

(باق)

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
خیر و عافیت کا طالب غالب . ۲۷ نومبر سنہ ۱۸۶۴ .

(۳۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . نواز شنامہ عز و رود لایا . از روی ہندوی
سو روپیہ بابت تنخواہ ماہ نومبر سنہ ۱۸۶۴ معرض وصول میں آیا . زیادہ
حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
تمہاری سلامتی کا طالب غالب . ۱۳ رجب و دسمبر سنہ ۱۸۶۴ .

(۴۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . حضرت کے قدموں کی قسم چوب چینی کے
ارسال کا حکم ڈاک سے میں نے نہیں پایا . ۲۲ دسمبر کو ہرکارہ آیا . نواز شنامہ
شرف افزا لایا . دلی اب شہر نہیں ، چھاؤنی ہے ، کپ ہے . نہ قلعہ ، نہ شہر
کے امرا ، نہ اطراف شہر کے روسا . بہر حال تین چار دن میں ہر یک جگہ
سے منگوا کر رنگین و سنگین و بے گرہ یا کم گرہ خود چنکر پانچ سیر قطعات

(بقیہ) اس میں چوتھی شعر کو بعد ایک شعر ساقط معلوم ہوتا ہے . نواب صاحب نے اس قطعہ کی
تعریف میں حسب ذیل گرامی نامہ ۲۴ شعبان سنہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۲۵ جنوری سنہ ۱۸۶۵ع کو تحریر فرمایا :
ہماری صحت کی تہنیت میں قطعہ مبارک باد کا ، جو آپ نے بھیجا ہے ، وہ پونہچا . اوسکو آتی سی سرور
صحت دوبالا ہو گیا . ایسی نظم ایسی تاریخین دوسری کب ہو سکتی ہیں . حقا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو
بر مثل اور عظیم النظر پیدا کیا ہے . جس کمال کو دیکھی اوس میں آپکی ذات فرد کامل ہے . فی
الحقیقت ہم نے اس مرض میں بڑی تکلیف اٹھائی . بہت ایذا پائی . اللہ نے بڑا فضل فرمایا . دوستوں کی
دعا کو قبول کیا . شفا حاصل ہو گئی ہے . اندک زخم اندمال ہو نیکو باقی ہے . غالب ہے کہ دس
بارہ دن میں مرہم لگانا موقوف ہو جاؤ . آپ کا ہدیہ مرسلہ اکثر نقل محفل رہتا ہے . جو
سنتا ہے جو دیکھتا ہے وارفتہ ہو جاتا ہے . سچ ہے ایسی لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں . ہزاروں
برس فلک چرخ لگاتا ہے تب کہیں ایک شخص اس کمال کا پیدا ہوتا ہے . الہم بصحت و عافیت
طول عمر عطا کری . اور تا دیرگاہ اہل جہان آپ کی ذات سے مستفید ہوا کریں . باقی خیریت .

چوب چینی ایک ٹھلیا مین رکھکر آئے سے منہ بند کیا . پھر کپڑا لیٹا . ڈورے سے خوب مضبوط باندھکر دو جگہ اپنی مہر کی اور وہ ٹھلیا کھار کو سونپی . تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون روزِ دو شنبہ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ . وقتِ صبح حوالہ کھارِ سرکار . (مہرِ غالب) .

(۴۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . نواز شنامہ کے ورود سے عزت اور ادراکِ صحت و عافیتِ مزاجِ اقدس سے مسرت حاصل ہوئی . پرچہ ہنڈوی اوس توفیق مین ملفوف پایا . سو روپیہ بابت تنخواہِ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ معرضِ وصول مین آیا . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون حضور کی سلامتی کا طالب غالب . ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۶۵ عیسوی .

(۴۲)

بحضرتِ فلك رفعت ، نوابِ معلى القاب ، انجم گروہ ، آفتاب شکوہ ، بہ بخشش و بخشایش بینوایان را تو نگر کن ، و ناتوان را توانا ساز ، در عز و جاہ با تاجدارانِ همسر ، و در ملک و سپاہ با شہریارانِ انباز ، کہ بفرز انگی حلقہ در گوش افگندہ دانش گستران ، و ہمدانگی غاشیہ بردوش نہندہ دلاوران . ہرچہ از نیایش و ستایش بتقدیم ہمیرسد ، حرزِ بازویِ ہمت است ، تا بدان نیرو در سخن دلیری تواند کرد . همانا از رازِ سپہر و ستارہ سخن ہمیرود . و خجستگی و فرخندگی چند گفتمی شود .

این نافِ ہفتہ کہ راستان در باستان این را « بہرام روز » میگفتند ، و اکنون سہ شنبہ نام دارد ، روزیست فیروز و یژہ ، درین سالِ فرخ فال ، کہ دو یمین روز است از فروردین ، و روزِ بست و یکم از مارچ ، و روز بست

و دوم از شوال. بارے نخست بر آن سرور شاه نشان، که امروز بختن اندام آبروی گرمابه افزود، مبارك. و سپس بر غالب سخندان، که عافیت جوی و دعاگوی این درگاه ست، همایون.

همانا درین روزگار خسرو ستارگان، که مهر منیرش دانی، در بره. و از سوی فراز نخستین سیارگان، که زحلش خوانی، در ترازو. سعد اکبر به قوس. و سعد اصغر به ثور. آن دو نیز به بیت الشرف خوشنود و شاد. و این دو اختر بکاشانه‌های خویشتن آباد. گمان ندارم که از خسروان پارس و سلاطین عرب هیچکس را چنین طالعه بهر جلوس اتفاق افتاده باشد، که حضرت ولی نعمت را برای غسل صحت دست بهم داده است. خرد تا گفتار مرا شنود، چشمک زد، و به پیغمبره سرود که: «ای در درخشانی انجم و آفتاب چون کودکان در بال افشانی کرمکهای شب تاب نگران، از حلقه اختر شماران بدر آی. و بدبستان حکمای روحانی رمزی از حکمت ایمانی بشنو. تا بدانی که بدین امیر مسند سریر سلطان نظیر عمر جاودانی و دوام لذتهای روحانی بخشیده اند.» گفتم: «تا برهان نباشد کالبد سخن را جان نباشد. مرا بیخبر مپندار. و اگر حجتی داری ببار.» گفتم: «برهان ازین ارجمند تر، و حجتی ازین خرد پسند تر، چه خواهد بود، که چون آفریدگان را در آن جهان عمر دو باره دهند، دیگر بیم مرگ برخیزد. و به بانگ صور از خواب فنا جستگان در آن گیتی جاوید پایند. مگر صحت خداوند ازین رنجوری هولناک بدان نماند، که پنداری عمر دوباره یافت؟ پس اقتضای دوباره زیستن تغیر چرا پذیرد. و چون هستی یافتگان آن جهان در آن جهان جاودان زنده مانند، آنکه درین گیتی حیات ثانی پذیرفته باشد، هم درین گیتی همیشه زندگانی چون نکند. این عمر عزیز که بخدایگان داده اند، عمر خضر و الیاس نباشد، که یکے را بشمردن ریگ صحرا، و دگرے را به پیمودن آب دریا

گردد . انشاء اللہ العظیم جناب عالی ، تا جہانست ، پرویز بزم ، تہمتن رزم ، دشمن گداز ، دوست نواز ، بلب در سخن اختر فشان ، و بکف در کرم گوہر فشان خواہند زیست » .

قطعہ تاریخ غسلِ صحت ، و قصیدہ تہنیت کہ پیش ازین فرستادہ ام ^(۱) ، نظمے است شاعرانہ . و این نگارش نثریست عارفانہ . قانونِ حکمت و شریعت

(۱) قطعہ تاریخ غسل عریضہ نمبر (۲۸) کے حاشیہ میں درج کیا جا چکا ہے . قصیدہ تہنیت مثل میں شامل نہیں . لیکن اردو دیوان غالب مع شرح نظامی (مطبوعہ نظامی پریس بدایون سنہ ۱۹۲۲ع) کے صفحات ۲۴۴-۲۴۷ پر ایک قصیدہ پایا جاتا ہے ، جو نواب سعید الدین احمد خان طالب مرحوم جاگیردار ریاست لوہارو سے رسالہ کمال دہلی کو حاصل ہوا ، اور اوسکی اشاعت جنوری سنہ ۱۹۱۰ع سے مولانا نظامی نے نقل کیا . مولانا کے خیال میں یہ قصیدہ نواب سید کلب علیخان بہادر خلد آشیان کے غسلِ صحت کی تہنیت میں لکھا گیا تھا . لیکن میری نزدیک یہ مرزا غالب کا محولہ بالا قصیدہ ہے . اسلئے کہ اسمین جشن کے موقع پر عید ، نوروز ، اور ہولی کا جمع ہونا تحریر کیا گیا ہے . اور منشی امیر احمد امیر مینائی کے قطعہ تاریخ (انتخاب یادگار ، ص ۵۰) سے معلوم ہوتا ہے ، کہ تیوہاروں کا یہ اجتماع نواب فردوس مکان کے غسلِ صحت کے وقت ہوا تھا . ان کے قطعہ کا آخری مصرع ہے : » مہینا عید کا نوروز کا دن غسلِ صحت ہے « . مرزا صاحب کا قصیدہ حسب ذیل ہے :

مرحبا سال فرخی آئین !	عید شوال ، و ماہ فروردین
شب و روز ، افتخار لیل و نہار	مہ و سال ، اشرف شہور و سنین
گرچہ ہی بعد عید کے نوروز	لیک بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
سو اس اکیس دن میں ہولی کی	جا بجا مجلسین ہوئیں رنگین
شہر میں کو بکو عبیر و گللال	باغ میں سو بسو گل و نسیرین
شہر گویا نمونہ گلزار	باغ گویا نگارخانہ چین
تین تیوہار ، اور ایسی خوب	جمع ہرگز ہوی نہونگی کہین
پھر ہوئی ہی اسی مہینہ میں	منعقد محفل نشاط قرین
محفل غسلِ صحت نواب	رونق افزای مسند تمکین
بزمگہ میں ، امیر شاہ نشان	بزمگہ میں ، حریف شیر کہین
پیشگاہ حضور ، شوکت و جاہ	خیر خواہ جناب ، دولت و دین
جن کی مسند کا آسمان گوشہ	جن کی خاتم کا آفتاب نگین
جن کی دیوار قصر کے نیچی	آسمان ہی گدای سایہ نشین
دھر میں اس طرح کی بزم سرور	نہ ہوئی ہو کبھی بروی زمین
انجم چرخ ، گوہر آگین فرش	نور بے ماہ ، ساغر سیمین
راجہ اندر کا جو اکھاڑا ہو	ہی وہ بالای سطح چرخ برین
وہ نظرگاہ اہل وہم و خیال	یہ ضیائش چشم اہل یقین
وان کہان یہ عطا و بذل و کرم	کہ جہان گدیہ گر کا نام نہیں

(باقی)

را جامع . ہم از رویِ نقلِ حق ، و ہم از رویِ عقلِ راست . بقایِ خداوند
بعمرِ تازہ جاودانی ، و نشاطِ بی اندازہ پیشکارِ این حیاتِ ثانی باد ! چارِ شنبہ
۲۳ شوال سنہ ۱۲۸۱ ، و ۲۲ مارچ سنہ ۱۸۶۵ (مہرِ غالب) (۱) .

<p>(بقیہ)</p> <p>یان زمین پر نظر جہانتک جاؤ نغمہ مطربان زہرہ نوا اوس اکھاڑی مین جو کہ ہی مظنون سرور مہر فر ہوا جو سوار سب تو جانا کہ ہی پری توسن نقش سم سبند سی یک سر فوج کی گرد راہ مشک فشان بس کہ بخشی ہی فوج کو عزت موکب خاص یون زمین پر تھا چھوڑ دیتا تھا گور کو ہیرام اور داغ آپ کی غلامی کا بندہ پرور ! ثنا طرازی سی آپ کی مدح اور میرا منہ اور پھر اب کہ ضعف پیری سی پیری و نیستی ، خدا کی پناہ ! صرف اظہار ہی ارادت کا مدح گستر نہیں ، دعا گو ہی ہی دعا بھی یہی کہ دنیا مین</p>	<p>ژالہ آسا بچھی مین در ثمین جلوہ لولیان ماہ جین یان وہ دیکھا بہ چشم صورت مین بہ کمال تجمل و تزئین اور بال پری ہی دامن زین بنگیا دشت دامن گل چین رہ روون کی مشام عطر آگین فوج کا ہر پیادہ ہی فرزین جس طرح ہی سپہر پر پروین ران پر داغ تازہ دیکر وہین خاص ہیرام کا ہی زیب سرین مدعا عرض فریب شعر نہیں گر کہون بھی تو آئی کسکو یقین ہو گیا ہون نزار و زار و حزین دست خالی و خاطر غمگین ہی قلم کو جو سجده ریز زمین غالب عاجز نیاز آگین تم رہو زندہ جاودان ، آمین !</p>
---	---

(۱) اس نثر کی رسید مین ۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ ھ مطابق ۳ اپریل سنہ ۱۸۶۵ ع کو نواب صاحب فی تحریر فرمایا : « نثر نثرہ نثار آپ کی آئی . جشنِ صحت کی مسرت بڑھائی . زبانِ خامہ کو مجالِ صفت نہیں . خامہٴ زبان کو یارایِ مدحت نہیں . سچ یہ ہی ، کہ آپ کی ذات ہر کمال مین فرد کامل ہی . ہر فقرہ مین قوتِ سبحانی حاصل ہی . انصاف کی تو یہ بات ہی ، کہ یہ تحریر نہیں کرامات ہی . اس جشن مین اگرچہ بظاہر آپ شریک نہیں ہوی ، مگر میری نزدیک شریک غالب رہی . اللہ تعالیٰ صحت اور قوت عطا فرماؤ . مشتاقون کو لطفِ مجالست ہاتھ آئی . دست دعا بلند ہی . نویدِ صحت کی طبیعت آرزومند ہی . حال اپنا اکثر لکھتی رہی . زیادہ شوق ہی . » اخبار الصنادید (ج ۲ ، ص ۱۲۳) سی معلوم ہوتا ہی کہ حسب تجویز صاحبزادہ سید کاظم علیخان بہادر عرف چھوڑ صاحب باغِ بیظیر مین یہ جشن منایا گیا تھا .



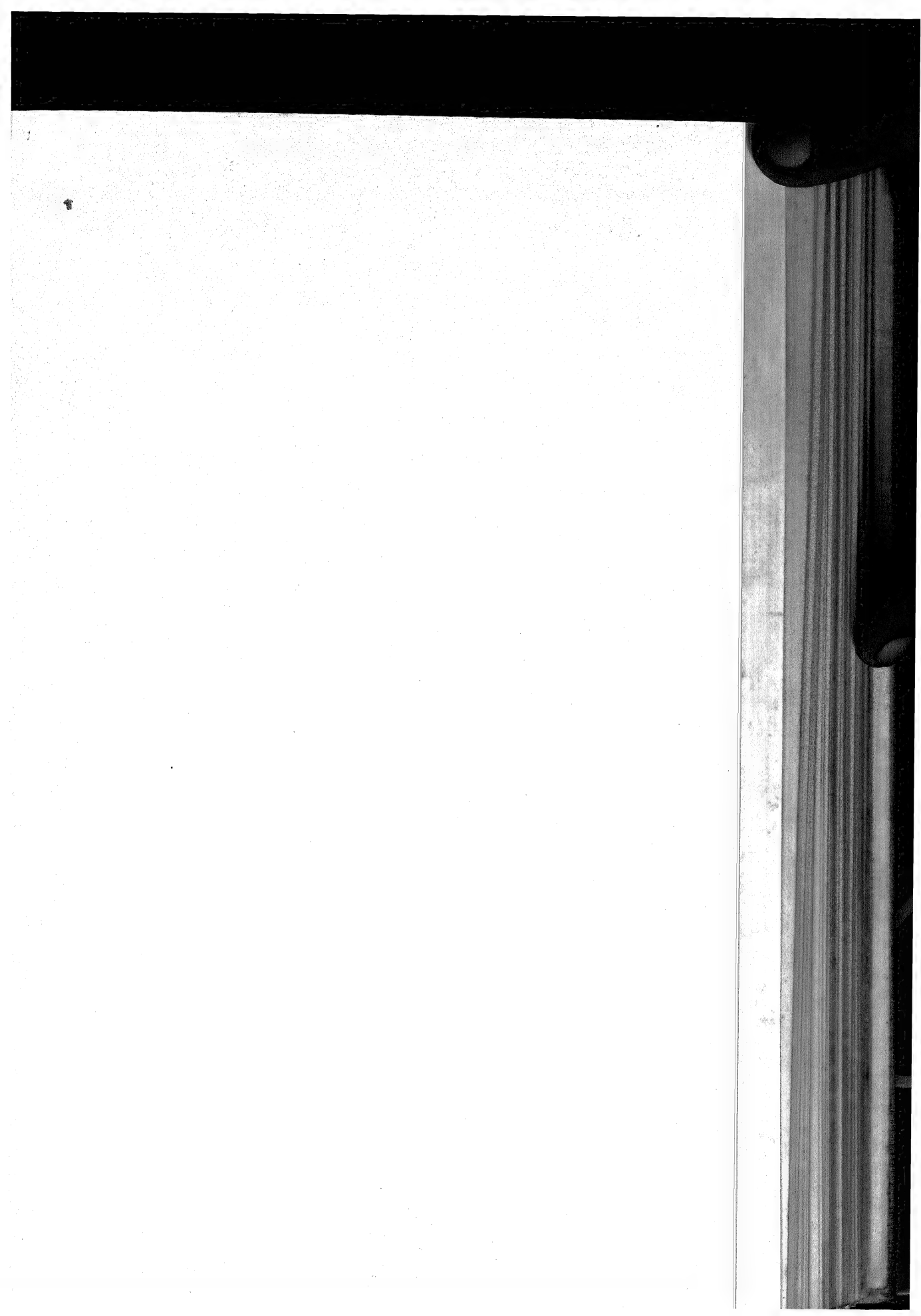
بمحمضور نوابصاحب والا مناقب عالیشان، قلم فیض و عمان احسان، امیر المسلمین نواب کلب علیخان بہادر دام اقبالہ مقبول باد^(۱)

(نواب سید محمد کلب علیخان بہادر خلد آشیان نواب فردوس مکان کی فرزند اکبر تھی۔ آپ جنابعالیہ فیروز النساء بیگم صاحبہ ملقب بہ نواب بہو بیگم دختر سید عبد العلی خان بہادر، خلف نواب سید غلام محمد خان بہادر کی بطن سی ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۹ اپریل سنہ ۱۸۳۵ع کو اتوار کی دن صبح کیوقت متولد ہوئی۔ سنہ ۱۸۶۴ع میں گورنر جنرل کی منظوری سی ولیعہد ریاست اور ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ع مطابق ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ کو جمعہ کی دن ۳۰ سال کی عمر میں مسند نشین ہوئی۔ ۱۵ محرم سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۰ جون سنہ ۱۸۶۵ع کو مسٹر جان انگلس ایجنٹ ریاست وکشنر روہیلکھنڈ فی رامپور آکر باضابطہ رسم مسند نشینی ادا کرائی۔ ماہ رجب سنہ ۸۲ھ مطابق دسمبر سنہ ۶۵ع میں ملکہ معظمہ کیچانب سی خلعت آیا۔ اور اسی مہینے میں جشن جلوس منایا گیا۔ آپ بڑی حاتم دل، پابند شرع، بامروت، اور خلیق تھی۔ باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتی، اور غیر شرعی آمدنی سی خزانہ کی دولت کو پاک رکھتی تھی۔ خود صاحب علم تھی۔ فارسی خلیفہ غیاث الدین عزت صاحب غیاث اللغات سی حاصل کی، اور علوم حکمیہ مولوی فضل حق خیرآبادی اور مولوی عبد الحق خیرآبادی سی پڑھی۔ انکا دربار اہل فضل و کمال سی بھرا رہتا تھا۔ مشرقی علوم و صنائع کا شاید ہی کوئی ایسا ماہر ہو، جو انکو خوان جود و کرم کی زلہ ربائی نکرتا ہو۔ ان میں علما، شعرا، ادبا، خطاط، صحاف، طبخ، اور دیگر تمام ہنروں کی ماہرین شامل تھی۔ علمی مباحثوں کا بہت شوق تھا۔ روزانہ دربار میں کسی نہ کسی علمی یا ادبی مسئلہ پر اہل دربار طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ آپ خود برابر کا حصہ لیتی، اور اسطرح اپنی معلومات کی دائرہ کو وسیع سی وسیع تر بناتی رھتی تھی۔ کتابیں جمع کرنی اور اونھیں پڑھنی کا بھی بیحد شوق تھا۔ اوس عہد میں جسقدر نایاب اور نادر کتابیں مہیا کیگئی ہین، وہ اپنی اہمیت اور قیمت کی لحاظ سی مستقل کتابخانہ کی حیثیت رکھتی ہین۔ چونکہ فارسی ادبیات سی زیادہ تعلق خاطر تھا، اسلئے جب کوئی نئی فارسی کتاب داخل کتابخانہ ہوتی اوس کی سر ورق پر اپنی قلم سی تاریخ آمد وغیرہ لکھتی، اور خود مطالعہ کر لیتی کی بعد کتابخانہ کی زینت بنی کی اجازت دیتی تھی۔ اردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی، اور نواب تخلص فرماتی تھی۔ فارسی کلام مرزا محمد تقی خان سپہر ملقب بلسان الملک مستوفی اول دیوان ہمایون اعلیٰ سلطنت ایران مولف ناسخ التواریخ کی نظر سی گزرا تھا۔ اردو کلام منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی دیکھا کرتے تھے۔ ایک فارسی نثر مرزا غالب کو بھی اصلاح کیواسطی بھیجی تھی۔ مرزا انکو طرز نگارش کی بیحد مداح تھے۔ تصنیفات میں چار اردو کی دیوان، دیوان فارسی، تاریخ شاہان سلف، انتخاب بوستان خیال اور متعدد نثرین ہین۔ نوابصاحب کو اخبار بینی کا بھی شوق تھا۔ اخبار دہدہ سکندری، جو رامپور کا پہلا اخبار ہی، انہی

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب عرائض کی لفافون پر لکھا کرتے تھی۔ میں فی عنوان میں تبرکاً نقل کردی ہی۔



شيه مبارك جناب نواب سيد محمد كلب عليخان بهادر خلد آسيان طاب ثراه



کی ایما سی ۱۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع سی ہفتہ وار شائع ہونا شروع ہوا۔ تعمیر کا بھی شوق تھا، اور سابق جامع مسجد اور متعدد محلات اون کی اس شوق کو رہین منت تھی۔ آپ فی بائیس سال سات ماہ کی حکومت کو بعد ۵۳ سال ۶ ماہ ۷ روز کی عمر میں بدھ کو دن ۳ بجی سہ پہر ۲۷ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۰۴ ھجری مطابق ۲۳ مارچ سنہ ۱۸۸۷ ع کو انتقال کیا۔ امیر مینائی فی خوابگاہ حامی اسلام امیر المومنین، سی تاریخ وفات نکالی ہوئی۔

(۴۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض باد۔ نواز شنامہ مع ہندوی صدر رویہ عز و رود لایا۔
اپریل سنہ ۱۸۶۵ کی تنخواہ کا رویہ معرض وصول میں آیا۔ زیادہ حد ادب۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
عنایت کا طالب غالب۔ ۶ مئی سنہ ۱۸۶۵ عیسوی (۱)۔

سر تا سر دھر عشرتستان تو باد صد رنگ گل طرب بدامان تو باد
عید است، و بہار خرمی ہا دارد جان من و صد چون من بقربان تو باد
عنایت کا طالب غالب۔ شنبہ صبح روز عید ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۱ ھجری
نبوی ۴ (۲)۔

(۱) ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ ھجری مطابق ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ ع کو جمعہ کو دن نصف النہار کو وقت نواب فردوس مکان فی انتقال کیا۔ یہ خبر وحشت اثر دلی پہنچی، تو میرزا صاحب فی نواب سید کلب علیخان بہادر خلد آشیان کی نام ۲۷ ماہ اپریل کو ایک عریضہ لکھا۔ اصل تحریر مثل میں موجود نہیں۔ میرزا تفتہ کی نام کی مکتوب سی، جو ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۵ ع کو لکھا گیا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ عریضہ تعزیت وفات اور تہنیت جلوس پر مشتمل تھا۔ فرماتے ہیں: «رامپور سی اپریل کو مہینے کا روپسہ، اور تعزیت و تہنیت کی خط کا جواب آگیا۔ آئندہ جو خدا چاہی، (اردوی معنی لاہور ایڈیشن، سنہ ۱۹۲۶ ع، صفحہ ۳۵۹)۔ نواب خلد آشیان فی یکم مئی کو اس عریضہ کی جواب میں تحریر فرمایا: «..... صحیفہ شریفہ مورخہ ۲۷ ماہ گذشتہ اسمی مخلص وصول الطاف آوردہ بما فیہا مطلع نمود۔ مشفقاً! آنچہ مشاہرہ آن کرمفرما از عہد نواب صاحب و قبلہ فردوس مکان مقرر است انشاء اللہ تعالیٰ بدستور جاری ماندہ، حسب ضابطہ بسامی خدمت رسیدہ خواہد ماند۔ اسکو بعد سرکار فی ماہ اپریل کی تنخواہ کی ہندوی کا ذکر کیا ہے۔ میرزا صاحب کا عریضہ اسمی فرمان کی رسید ہے۔

(۲) یہ رباعی ایک علحدہ ورق پر لکھی ہوئی مکتوب نمبر ۴۳ کیساتھ منسلک ہے۔ لیکن از روی تاریخ اسکو دو تین دن بعد دلی سی روانہ ہونا چاہیے۔ اسلئے کہ ۶ مئی کو ذی الحجہ کی ۸ تاریخ ہوگی اور یہ ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو لکھی گئی ہے، جو ۸ مئی کی مطابق ہوگی، بنا برین ۶ تاریخ کی خط کیساتھ روانہ نہیں ہو سکتی۔

(۴۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . تہنیت نامہ ارسال کر چکا ہوں . جواب
پا چکا ہوں . قصیدہ کا لفافہ ارسال کیا ہے . یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا (۱) .

حضرت فردوس مکان سپرہ آستان کا معمول تھا کہ محرم سے دو تین

(۱) قصیدہ تہنیت مثل مین موجود نہیں . لیکن میرزا صاحب نے اسکی ایک نقل خواجہ غلام غوث خان
بیخبر کو بھیج دی تھی ، جو عود ہندی (صفحہ ۱۷۱) مین ، خواجہ صاحب کے نام کے مکتوب
کیساتھ درج ہے . فرماتی ہیں : والی رامپور کو خدا سلامت رکھے . اپریل مئی ان
دونوں مہینوں کا رویہ موافق دستور قدیم آیا . جون ماہ گذشتہ کا رویہ خدا چاہی تو
آجائے . آج جمعہ ۷ جولائی ہے . معمول یہ ہے کہ دسویں بارہویں کو رئیس کا خط مع ہندوی
آیا کرتا ہے . مین نے قصیدہ تہنیت جلوس بھیجا . اوسکا جواب آگیا . اب مین نظم و نثر کا
مسودہ نہیں رکھتا . دل اس فن سے نفور ہے . دو ایک دوستوں کے پاس اوسکی نقل ہے . اونکو
اسوقت کہلا بھیجا ہے . اگر آج وہ آگیا کل ، اور اگر کل آیا پرسوں بھیج دوں گا . اسکی بعد
قصیدہ شروع ہوتا ہے . چونکہ اسکی ساتھی کوئی نیا خط نہیں ہے اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ
خط کی روانگی کے قبل ہی قصیدہ کی نقل موصول ہوگئی ہوگی . اور خط اور قصیدہ دونوں
ساتھ بھیجی گئی ہونگی . قصیدہ یہ ہے :

تجلی کہ ز موسی رہود ہوش بطور	بہ شکل کلب علی خان دگر نمود ظہور
خجستہ سرور سلطان شکوہ را نازم	کہ رشک بر کلاش دارد افسر فقہور
ہوای لطف وی از جان خور برد سوزش	نگاہ قہر وی از روی مہ رباید نور
دم نگارش وصف کلام شیرینش	چو خیل مور دود بر ورق حروف سطور
فنائی رزمگمش شاہراہ قہر و غضب	بساط بزمگمش کارگاہ سور و سرور
بخوان شرع بہین ہمنوالہ شبلی	بہ بزم عشق مہین ہم پیالہ منصور
ز روی رابطہ حسن مہتاب جمال	بحسب ضابطہ جاہ آفتاب ظہور
بحکم مرتبہ ، او حاکم و فلک محکوم	ز راہ قاعدہ ، شرع امرست او مامور
چو آب سیل روانی کہ ایستد بمغاک	بود ہمیشہ بہ خنجان وی شراب طہور
زہی وزیر و خہی شہریار دانادل	تو شاہ کشور حسن و خرد ترا دستور
بنای منظر جاہ ترا زحل معار	ثواب کرۂ چرخ ہشتمی مزدور
ثنا گر تو سکندر بہ بارجای جلال	فقا خور تو ارسطو بدرسگاہ شعور
برای یزم نشاط تو شمع چون ریزند	نہ پیہ گاؤ بکار آورند و نہ کافور
ز فیض نسبت خلق تو عنبر سارا	بجای موم بر آید ز خانہ زنبور
بدین خرام و بدین قامت و بدین رفتار	ز بہر فاتحہ آئی اگر تو سوی قبور
جہان جانی و جان جہان ، عجب نبود	کہ از ورود تو ہر مردہ رقصد اندر گور
بہ پیشگاہ تو زانوی ہمی زند انصاف	کہ ای برحم و کرم در جہانیان مشہور ! (باقی)

مہینے پہلے سلام پانچ ساتھ^(۱) لکھتے تھے، اور فرداً فرداً میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔ جب وہ فراہم ہو چکے، تو محرم سے دو چار دن پہلے میں اصلاح دیکر بھیج دیا کرتا تھا۔ ابکی برس ایک ہی سلام بھیجنے پائے۔ بس آج وہ سلام اس مراد سے حضور میں بھیجتا ہوں کہ حضور کے حکم سے حضرت کے دیوان میں شامل ہو جائے۔ زیادہ حد ادب۔

بر آر کام دل بدسگال از ساطور
توئی بعلم کشائندہ عقود صدور
چنانکہ از لب داؤد استعاز زبور
عیان چو شمع فروزندہ در شب دیجور
بہ گنج خانہ گنجہ نظامیش گنجور
رسیدن تو بدین اوج بعد آن مغفور
تو باش والی روی زمین قرون و دهور
ولی بعرض ثنا و دعا نیم معذور
نبودی بغم دوری در تو صبور
بغیت است مرا دعوی دوام حضور
مباد رنجہ شوی از نظارہ رنجور
قبول کردن تسلیم من خوش است از دور
کہ باد سعی دعاگوی در دعا مشکور
رباب و ربط وقانون و ز بمحفل سور
نسیم عطر فروش از شمیم طرہ حور
عدو ز بیم تو نالندہ چون خر طنبور

(بقیہ) در انتقام کشتی شیوہ کرم مگزار
توئی بفضل فزائندہ عروج علوم
صریر خامہ من بین کہ میرباید دل
سواد صفحہ من بین و تابش معنی
امیر زندہ دل، آن والی ولایت نظم
غروب مہر و طلوع مہ دو ہفتہ بود
چو او بزیر زمین رفت و آن ولایت یافت
بہ انجمن نرسیدم ز ناتوانائی
بخاک پای تو گر دستگاه داشتی
من آن کم کہ از افراط ورزش اخلاص
توئی رحیم دل و من سقیم، دوری بہ
نظر بخشگی و پیری و تہیدستی
شعار غالب آزادہ جز دعا نبود
بہ دہر تا بود آئین کہ در نوا آرند
بہ بزم عیش تو ناہید باد زمزمہ سنج
محب ز لطف تو بالندہ چون نوا از ساز

نواب خلد آشیان فی ۱۶ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۵ ع کو اس قصیدہ کے متعلق تحریر فرمایا: دو قطعہ سامی صحیفہ لطف آگین، اول مع قصیدہ تہنیت مسند نشینی راقم بر ریاست موروثی ملک رامپور، وثانی مع سلام من تصانیف جناب مغفرت مآب نواب صاحب وقبلہ فردوس مکان، در اسعد ازمہ یاسمین ریز دامن وصول فرحت شول گشتہ جذبا قصیدہ کہ لالی مدحت مضامین برجستہ و معانی دل نشستہ اش را برشتہ ترقیم کشیدن آب دریا بکیل پیمودن است۔ و ششم از توصیف فصاحت و بلاغت آن بحیطہ تحریر در آوردن ثواب و سیارہ را بہ پنج انگشت شردن۔ درینولا زبانی نواب مرزا عزم سامی باین طرف مسموع گشتہ، موجب کمال مسرتہاست۔ چرا کہ راقم نیز متغنی ملاقات شریف است۔ او تعالیٰ شب یلدای فراق را بزودی ہرچہ تمامتر بایام وصال مبدل گرداند۔ یہ خط میرزا صاحب کو ۱۷ جون کو موصول ہوا۔ ۱۸ جون کو اوانہون نے اسکا جواب تحریر کیا۔ یہ جواب نمبر (۴۷) پر درج ہوگا۔

(۴) یہ مرزا صاحب کے املا کے مطابق ہے۔ صحیح رسم خط "سات" ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس دولت و عز و جاہ روز افزون
عنایت کا طالب غالب . شنبہ یکم محرم الحرام سنہ ۱۲۸۲^(۱) .

(۴۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . حق تعالیٰ جلّ جلالہ و عَمّ نوالہ جس گروہ
پر مہربان ہوتا ہے ، وہاں حاکم عادل رحیم بھیجتا ہے ، کہ بقوتِ عادلہ کفر
و بدعت کی جڑ اوکھاڑ ڈالے ، اور بصفتِ رحم رعایا کو پالے . مصداق اسکا
ذاتِ قدسی صفاتِ جنابِ عالی ہے . کہ قمار خانے کی بنا مٹا ڈالی ہے . زہے
قانونِ سیاست ! غلہ کا محصول معاف کر دیا ہے . روپیہ رعیت پر تشار کیا ہے .
زہے آئینِ ریاست ! رباعی

نواب کہ شد ز شوکتِ اقبالش بخشیدنِ باجِ غلہ از اقبالش
فارغ شد ہر کسی و روداد^(۲) فراغ ہم فارغ و ہم فراغ باشد سالش^(۳)
۱۲۸۱ھ

پیر و مرشد ! حضرت فردوس مکان کا دستور تھا ، کہ جب مین
قصیدہ بھیجتا ، اوسکی رسید مین خط تحسین و آفرین کا ، شرم آتی ہے کہتے

(۱) لفافہ پر ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۵ درج ہو .

(۲) اصل خط مین (روداد) بحذف دال ہو .

(۳) میرزا صاحب نے نواب خلد آشیان کی جود و کرم کی تذکرہ مین اس واقعہ کو متعدد مقامات پر نقل
کیا ہے . حکیم غلام رضا خان کو لکھتے ہیں : نواب صاحب حال بمقتضای « الولد سر
لایہ » حسن اخلاق مین نواب فردوس آرامگاہ کے برابر ، بلکہ بعض شیوہ و روش مین اون سی بہتر
ہیں . بمجرد مسند نشینی کے غلہ کا محصول یک قلم معاف کیا . علی بخش خان خانسامان کو ۳۰ ہزار
روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخش دیا (اردو معلیٰ ، ص ۵۲) . میرزا نفتحہ کے نام کے خط مین
قدری تفصیل کی ہے . فرماتے ہیں : نواب صاحب از روی صورت روح مجسم اور باعتبار
اخلاق آیت رحمت ہیں . خزانہ فیض کے تحویلدار ہیں . جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا
لایا ہے ، اوسکی پٹنی مین دیر نہیں لگتی . ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلہ کا محصول معاف
کر دیا . ایک اہل کار پر ساٹھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا . منشی نولکشور
صاحب کی عرضی پیش ہوئی . خلاصہ عرضی کا سن لیا . واسطی منشی صاحب کے کچھ عطیہ
بتقریب شادی صبیہ تجویز ہو رہا ہے . مقدار بچہ نہیں کھلی » (ایضاً ، ص ۹۸ - ۹۹) . تخریب
قارخانہ اور بخشش محصول غلہ کا ذکر اخبار الصنادید (ج ۲ ، ص ۱۷۹) مین بھی کیا گیا ہے .

ہوے مگر کہے بغیر بتی نہیں، دو سو پچاس^(۱) کی ہنڈوی اوس خط میں ملفوف عطا ہوا کرتی تھی۔ دو قصیدہ مدحیہ میرے دیوانِ فارسی میں مرقوم، اور وہ دیوان حضرت کے کتابخانے میں موجود ہے۔ خطون کی تصدیق از روی دفتر ہوسکتی ہے۔ یہ رسم بری نہیں ہے۔ اگر جاری رہے تو بہتر ہے۔ زیادہ حدِ ادب۔ التفات کا طالب غالب۔ پنجشنبہ ۱۹ محرم سنہ ۱۲۸۲۔

(۴۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ نوازشنامہ مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے عزِ ورود لایا۔ مئی سنہ ۱۸۶۵ کا مشاہرہ معرضِ وصول میں آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار التفات کا طالب غالب۔ ۱۵ جون سنہ ۱۸۶۵ عیسوی۔

(۴۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ روز پنجشنبہ ۱۵ جون کو ایک عرضداشت روانہ کرچکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ آج پہنچے گی۔ کل ۱۷ جون کو فرح بخش و روح افزا نوازشنامہ پہنچا^(۲)۔ قصیدہ کا پہنچنا اور اوسکا مقبول و منظور ہونا دریافت کر کے، اپنے بخت و قسمت پر مین نازان ہوا^(۳)۔ اب عرض یہ ہے کہ حسبِ الحکم حضور کے یہ قصیدہ میرے دیوانِ فارسی میں، جو کتابخانے میں موجود ہے، درج کیا جائے۔ اور سلام حضرت فردوس مکان کا اونکے دیوانِ اردو میں لکھ دیا جائے^(۴)۔

(۱) یہاں میرزا صاحب نے صرف حبابی رقم لکھی ہیں۔

(۲) محولہ بالا فرمان کا اقتباس عریضہ نمبر (۴۴) کے حاشیہ میں دیا جا چکا ہو۔

(۳) یہ قصیدہ خط نمبر (۴۴) کے حاشیہ میں درج ہو چکا ہے۔

(۴) میرزا صاحب کی مذکورہ خواہش نقشہ تکمیل رہی۔ اگر خواجہ غلام غوث خان بیخبر اسکی ایک نقل نہ منگا لیتو تو دیگر گم شدہ قصائد و قطعات کی طرح اسکا بھی صرف ذکر باقی ہوتا۔

حضرت کی خدمت میں نہ آؤنگا تو اور کہاں جاؤنگا۔ وہ آگک برس رہی ہے، کہ طیور کے پر جل رہے ہیں۔ بعد آگک کے پانی برسے گا۔ سفر خصوصاً بوڈھے رنجور آدمی کو دونوں صورت میں متعذر۔ آفتاب میزان میں آیا، اور ہنگامہ آتش و آب رفع ہوا، اور میں نے احرام بیت المعمور رامپور باندھا۔ انشاء اللہ العلیٰ العظیم^(۱)۔

پیر و مرشد! از راہِ خیر خواہی ایک امر عرض کرتا ہوں۔ محمد علیخان ابن وزیر محمد خان^(۲) رئیس ٹونک نے بعدِ مسند نشینی گورمنٹ کو «یمین الدولہ» اور «دوجزو ملک اور جنگ» لکھکر دیئے، اور وہاں سے وہ اونکو عطا ہوئے۔ حضور کے اجدادِ امجاد نے سلاطینِ بابرہ کا خطاب نہ قبول کیا۔ مگر حضرت کے جدِ امجد کو احمد شاہِ درانی^(۳) نے مخاطب بہ «مخلص الدولہ» فرمایا^(۴)۔ حضرت اگر مناسب جانیں، تو اوس خطاب کو مع دو جزو «شمش الملک و بہرام جنگ» جنابِ ملکہ معظمہ سے بذریعہ گورمنٹ

(۱) سفر کی تفصیل کیلئے دیاچہ ملاحظہ ہو۔ یہاں اسقدر لکھ دینا کافی ہوگا، کہ میرزا صاحب ۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ع کو دلی سے عازم رامپور ہوئے۔ اور ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۶ع کو واپس دلی پہنچی (اردو معنی، ص ۲۴۳، مکتوب بنام حکیم سید احمد حسن مودودی، مورخہ ۱۷ جنوری ۱۸۶۶ع)۔

(۲) نواب محمد علی خان ریاست ٹونک کو نواب تھو: سنہ ۱۸۳۴ع میں گدی پر بیٹھو۔ سنہ ۱۸۶۷ع میں لاوا میں قتل عام کرائی کے الزام میں حکومت ہند نے انہیں معزول کردیا۔ سنہ ۷۰ع میں ریاست پولیشکل ڈپارٹمنٹ کے زیر انتظام آگئی۔ اور اونکو صاحبزادہ نواب سر حافظ ابراہیم علی خان بہادر نواب بنا دی گئی۔

(۳) احمد شاہِ درانی ضلع ہرات کا باشندہ اور ابدال نامی قبیلہ کا ایک فرد تھا۔ ابھی یہ بچہ ہی تھا کہ نادر شاہ اسکو ایران پکڑ لیگیا، اور اپنی خدمت گرز برداری پر مقرر کیا۔ لیکن اس نے رفتہ رفتہ فوج کو بڑی عہدہ تک ترقی کر لی۔ نادر شاہ نے ۱۲ مئی سنہ ۱۷۴۷ع کو وفات پائی تو اس نے بغاوت کردی، اور تھوڑی عرصہ میں افغانستان، سندھ اور لاہور کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اسنو ہندوستان پر متعدد حملے کئے ہیں۔ لیکن اسکی شاندار ترین جنگ سنہ ۱۷۶۱ع میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے عظیم الشان لشکر سے واقع ہوئی، جس میں یہ کامیاب ہوا، اور بعد فتح شاہ عالم کو تخت و تاج ہند سوئے کر افغانستان چلا گیا۔ احمد شاہ نے ۲۶ سال حکومت کر کے سنہ ۱۱۸۲ھ مطابق سنہ ۱۷۷۲ع کو ۵۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۴) احمد شاہ کے عطا کردہ خطابات کے سلسلہ میں اخبار الصنادید، ج ۱، صفحہ ۶۶۷ ملاحظہ ہو۔

اپنے واسطے لین^(۱)۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
ترقی دولت کا طالب غالب۔ یکشنبہ ۱۸ جون سنہ ۱۸۶۵ ع۔

(۴۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشور عطوفت کے ورود نے معزز فرمایا۔
جون سنہ ۱۸۶۵ کی تنخواہ کا سو روپیہ از روی ہندوی معرض وصول
میں آیا۔ زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
عنایت کا طالب غالب۔ معروضہ دہم جولائی سنہ ۱۸۶۵۔

(۴۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ میری عرضداشت کا جواب آچکا ہے۔
بندہ ہندوی کی رسید بھجوا چکا ہے۔ یہاں خلق کو مینہ درکار ہے، اور ہوا
شرارہ بار ہے۔ دھوپ کی تیزی سے آدمی کے تیور، اور پہاڑ کے پتھر جلے
جاتے ہیں۔ پانی جگر گداز۔ ہوا جانستان۔ امراض مختلفہ کا ہجوم جہاں
تہاں۔ جز اعضای انسان، کہ وہ پسینے میں تر ہین، طراوت و رطوبت کا
کہین پتا نہیں۔ یا لو چلتی ہے، یا مطلق ہوا نہیں۔ ان سطور کی تحریر سے مدعا
یہ ہے، کہ مجھے ہر وقت یہی خیال رہتا ہے، کہ حضرت کا مزاج کیسا ہے۔
اس خط کا جواب جس قدر جلد عطا ہوگا، دعا گو پر احسان آپ کا ہوگا۔
زیادہ حد ادب۔

(۱) میرزا صاحب کو اس خیر خواہانہ عریضہ کے جواب میں نواب صاحب نے تحریر فرمایا: استحصال
الفاظ خطاب دستور این ریاست نبوده است۔ وحسب الترقیم قصیدہ وسلام مذکور در دیوانہا
مندرج کنایہ خواہد شد۔ ۲۰ صفر سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق ۱۵ جولائی سنہ ۱۸۶۵ ع۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
آپ کی سلامت ذات اور اپنی نجات کا طالب غالب۔ ۲۳ جولائی سنہ ۱۸۶۵ء۔

(۵۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض آنکہ منشورِ عطوفت عز و رود لایا۔ تنخواہ
جولائی سنہ ۱۸۶۵ء حال کاروپہ از روی ہندوی ملفوفہ معرض وصول میں آیا۔
اگرچہ یہاں مینہ اسقدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمیندار حاصل
فصلِ ربیع سے ہاتھ دھولین۔ مگر چونکہ بفرمانِ ازلی میرے رزق کی برات
آپ پر ہے، اور آپ کے ملک میں بارش خوب ہوئی ہے، ابرِ رحمت کے
شکریہ میں ایک قطعہ ملفوف اس عرضی کے بھیجتا ہوں۔ بنظرِ اصلاح نظم
و اصلاح حال ملاحظہ ہو۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب۔ جمعہ ۱۱ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ء^(۱)۔

(قطعہ)

- ❖ مقامِ شکر ہے اے ساکنانِ خطہ خاک!
- ❖ رہا ہے زور سے، ابرِ ستارہ بار، برس
- ❖ کہاں ہے ساقیِ مہوش؟ کہاں ہے ابرِ مطیر؟
- ❖ بیار، لامی گلنار گون، بیار، برس

(۱) اس عریضہ کے جواب میں نواب خلد آشیان نے ۱۶ اگست سنہ ۱۸۶۵ء مطابق ۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۲ھ کو تحریر فرمایا: ... صحیفہ لطف آگین بخلاصہ کی بارش بارانِ رحمت دران نواح واستدراکِ خیریت مزاج راقم مع قطعہ دعائیہ غازہ آرای چہرہ وصول نشاط شول گردیدہ بما فیہا مطلع نمود۔ وترسیل قطعہ مذکور از مزید الطاف فرمایا متصور شد۔ مشفقاً! سابق ازیں فی الحقیقہ طبیعت راقم بعارضہ تبخیر... کسلمند شدہ بود۔ لیکن حالا بنیاتِ الہی مزاجِ خلص خوش و خرم است۔ ہندوی مبلغ دو صد روپیہ برای آن مشفق، کہ بتقریب صحت از عارضہ لاحقہ بدیگر صاحبان مستحقین نیز ازیں سرکار عنایت شدہ بودند، معطوف رقیمۃ الوداد ہذا بطریق عنایات سمت تبلیغ یافتہ ... میرزا صاحب کا یہ قطعہ دعائیہ ہنوز شائع نہیں ہوا ہے۔

- * خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گوہر افشانی *
- * در حضور پر، اے ابرا! بار بار برس *
- * ہر ایک قطرہ کے ساتھ آئے جو ملک وہ کہے *
- * امیرِ کلبِ علی خان جٹین ہزار برس *
- * فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہیں *
- * کئی ہزار برس بلکہ بیشمار برس *
- * جنابِ قبلہ حاجات اس بلاکش نے *
- * بڑے عذاب سے کاٹے ہیں پانچ چار برس *
- * شفا ہو آپ کو غالب کو بندِ غم سے نجات *
- * خدا کرے کہ یہ ایسا ہو سازگار برس *

(۵۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ کل برخوردار نواب مرزا خان داغ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ حضرت کا مزاجِ اقدس ناساز ہو گیا تھا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے افاقہ ہے۔ نواب مرزا نے مجھ پر ستم کیا، کہ پہلے سے یہ حال نہ رقم کیا۔ جو دعا جب کرتا اب بھی وردِ شب و روز ہے۔ مگر یہ خیال، کہ حضور کو یہ خیال گزریگا کہ غالب رسمِ عیادت بجا نہ لایا، سخت جگر سوز ہے۔ اب اس خط کے جواب میں نویدِ عافیت کا امیدوار، اور یہ سونچکر کہ آج کے آٹھویں دن جواب آئیگا، بیقرار ہوں۔

ایک عبارت کا ایک جزو بطریقِ خط ایک انصاف دشمن کو لکھکر چھپوا دیا ہے۔ پارسل اوسکا نواب مرزا کو ارسال کیا ہے۔ پانچ رسالے وہ میرِ یطرف سے نذر گزرانین گئے۔ حضرت قبولِ نذر کو میرا عز و شرف

جانین کے (۱)۔

تم سلامت رہو ہزار برس دولت و عز و جاہ روز افزون
دعا گو غالب . ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ .

(۵۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . داستانِ حمزہ قصہ موضوعی ہے . شاہ عباس
ثانی (۲) کے عہد میں ایران کے صاحب طبعوں نے اسکو تالیف کیا ہے . ہندستان
میں «امیر حمزہ کی داستان» اسکو کہتے ہیں . اور ایران میں «رُموزِ حمزہ»
اسکا نام ہے . دو سو کئی برس اسکی تالیف کو ہوئے . اب تک مشہور ہے ،
اور ہمیشہ مشہور رہیگا .

آپ کے اس تکیہ دارِ روزینہ خوار فقیر نے آپ کی مدح میں ایک
قصیدہ لکھا ہے . مشتمل اس الزام پر کہ تشبیب کے ایات اور مدح کے اشعار

(۱) اس سے «نامۂ غالب» مراد ہو . میرزا صاحب فی برہان قاطع کی بعض اغلاط پر ایک رسالہ مسمیٰ بقاطع
برہان سنہ ۱۸۶۰ ع میں تصنیف کیا تھا ، جو نواب فردوس مکان کی امداد سے طبع ہو کر شائع ہوا .
تقلید آبا کو حامیوں نے اسکی تردید میں متعدد کتابیں لکھیں . ان میں سے ایک کا نام ساطع برہان تھا . اس
کو مصنف کے متعلق مرزا صاحب سیاح کو لکھتے ہیں : «وہ جو ایک اور کتاب کا تمہنی ذکر لکھا ہو ،
وہ ایک لڑکے پڑھانیوالی ملاؤ مکتب دار کا خط ہے ... رحیم بیگ اس کا نام ، میرٹ کا رہنے والا .
کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے . باوجود نابینائی کے احقر بھی ہے ، (اردو معلیٰ ، صفحہ ۲۷ و ۳۱) .
مولوی عبد الرزاق شا کر کو لکھا ہے : «رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے . دس برس سے اندھا
ہو گیا ہے . کتاب پڑھا نہیں سکتا . سن لیتا ہے . عبارت لکھ نہیں سکتا . لکھوا دیتا ہے . بلکہ اس
کو ہموطن ایسا کہتے ہیں کہ وہ قوت علی بھی نہیں رکھتا . اوروں سے مدد لیتا ہے . اہل دہلی کہتے ہیں
کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اسکو تلمذ نہیں ہے . اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو اون کا شاگرد بتاتا
ہے . میں کہتا ہوں کہ واٹ اوس ہیچ پوچ پر جسکو صہبائی کا تلمذ موجب عز و وقار ہو ، (عود ہندی ،
صفحہ ۱۶۱) : اس کتاب کے جواب میں مرزا صاحب فی نامۂ غالب لکھا ، اور اسکو ۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع
سے قبل طبع کرا کے نواب خلد آشیان کی خدمت میں بطریق ارمغان پیش کیا . یہ رسالہ عود ہندی ، صفحہ
۱۴۱ تا صفحہ ۱۵۵ میں بھی شائع ہو چکا ہے .

(۲) شاہ عباس ثانی صفوی خاندان کا آٹھواں بادشاہ تھا . اسے سنہ ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ ع) سے سنہ ۱۰۷۷ھ
(۱۶۶۶ ع) تک ایران پر حکومت کی .

مین حمزہ و اولاد حمزہ و زمردشاہ وغیرہ یا انکے معاملات و حالات کا ذکر درمیان آئے۔ سو وہ قصیدہ آج اس خط کے ساتھ ارسال کرتا ہوں۔ امید ہے کہ حضرت اسکو پڑھکر محظوظ ہوں۔ خدا آپکو قیامت تک سلامت رکھے۔ مگر جب تک امیر حمزہ کا قصہ مشہور رہیگا، یہ قصیدہ بھی شہرت پزیر رہیگا^(۱)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہوں دن پچاس ہزار نجات کا طالب غالب۔ ۲۱ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵۔

یا وہاب

زہے دو چشم تو در معرض سیہ کاری
زہے بزور بدیع الزمان گشتی گیر
زہے خیال تو آدم ربا چو تندک دیو
ز غمزہ تو چگویم کہ آن بود ز عمَر^(۲)
اگر تو نیستی از ساحران اتريا
بدین جمال کہ داری عجب مدار اگر
بمہر روی تو گردیدم آفتاب پرست
سپس بمذہب تورج کہ بودہ ماہ پرست
توئی بمعنی اصلی، و بود نورالدھر
چکد ز زلف تو خون دلم بدانگونہ
فغان ز بار غم دھر، کان بسنجیدن
بہ پیش چرخ مشعبد چہ ہوشیار و چہ مست
ز روی، ریش تراشد ہمی بہ بیہوشی
خصوصتے بمن افتادہ زال دنیا را

چو بختیارک و بختک ہر دم آزاری
کہ کوسار چون نارنج تر یفشاری
دماغ اہل نظر قاف اوست پنداری
دلیر و چست و ہنرمند تر بیاری
چرا بلہو ہمی آتش از ہوا باری
کند چکیدہ قدرت ترا پرستاری
نہ ایرجم کہ عبث تن دہم بدین خواری
ترا پرستم ازین رو کہ ماہ رخساری
ہمین بنام، کہ معنی نہداشت، پنداری
کہ ریزد از لب زنگی در آدمی خواری
عمود خسرو ہند است در گرانباری
کہ این بعریدہ ہمچون عمَر ز طراری
ز فرق، تاج رباید ہمی بہشیاری
کہ «دُم خیشہ» بود در فنون مکاری

(۱) اس قصیدہ کی صرف چند اشعار تذکرۃ انتخاب یادگار مین بذیل ذکر غالب شائع ہوئے ہین۔

(۲) میرزا صاحب نے اس نام کا املا اور تلفظ دونوں غلط لکھے ہین۔ یہ نام «عمرو» بسکون میم و زیادہ

واو بعد را ہی۔

بجیش عشق منم سر برهنه تپشی
 نهیب قتنه به الجوب شش گری ماند
 شدست لاغری من گلیم غیبی من
 منم که فکر من اندر زمین شعر و سخن ق
 چه اوفتاده که یارب کنون چو ارنائیس
 چنان بخوردن غم عادی که چون عادی
 نهاده همنفسان نام من ملک قاسم
 رسیده بخل بفکر من از عمر میراث ق
 دروغ گفته ام آن فکر نیز زنبیل است
 چو حمزه را بجهان بعد مرگ مهر نگار
 نماند در نظر دزد کهنه اسلوبی
 دل است حمزه و لب در فسونگری عمر است
 شد آن که بود کلام طلسم گوهر بار
 چو حمزه، کش بعقابین در کشید فلک،
 بقاست قرض و منم حمزه و زهر منتد
 چو ساحران همه را شغل آتش افشانی
 ز زهر مهره نشد زهر حمزه به، آن به
 مگر بفضل وی آیم برون ز بند بلا
 امیر کلب علیخان بهادر آن که بود
 درش نوازش طبل سکندری دارد
 بود پلارک افراسیا بیش در کف

که موی سر سرم کرده است دستاری
 که بود هر لکدش را جراحت کاری
 که باشم، و توام از حاضران نه انگاری
 ق همیگزشت ز اشقر به تیز رفتاری
 بخاک و خون تپدم تن همی به ناچاری
 نبوده هیچگم سیریم ز پُر خواری
 ز خون دیده بود بسکه جامه گناری
 ق که هیچگه ندهد در سخن مرا یاری
 که گم شود ز عمر در دم گرفتاری
 ز تیغ و تاج و نگین روی داد بیزاری
 جز آن که باز کشاید دکان عطاری
 بدا^(۱) لبی که زدل نبودش مددگاری!
 هماره^(۲) نهر ز آب گهر دران جاری
 به دام و ام، نفس میکشم بدشواری
 چهل خلیفه تقاضائیان بازاری
 چو اژدها همه را ذوق آدم اوباری^(۳)
 که نوشداروی نوشیروان چنگ آری
 چنانکه حمزه به نیروی پیر فرخاری
 عدیل حمزه در اسپبیدی و سالاری
 خه بلندی آوازه جهانداري!
 که هیچگه نشود چون هلال زنگاری

(۱) بدا مثل خوشا، بسیار بد. منه

(۲) هماره مخفف همواره. منه

(۳) آدم اوباری، اوباریدن بمعنی ناخائیده فرو بردن. اوبار صیغه امر و در آخر تختانی، مردم آزاری مثله. منه

چگویم از نطّر لشکرِ ظفر پیکر
همه مقابلِ مقابلِ به ناوک اندازی
بیا به بین که در اردوی این امیرِ کبیر
چو قندر آن که جلودارِ حمزه بود اینک
سزد که فخر بر اقبالِ خود کند لندور
مپرس بر درش از هستیِ زمره شاه
شنیده که خداوندِ باختر چون بود
گزشت آن که «چه تقدیر کرده ام» می گفت
کنون بعجز «چه تقصیر کرده ام» گوید
رموزِ حمزه فروهل^(۱) خمش نشین غالب
ز تست رونقِ گیتی به دانش آرائی
قصیده تو و لے کاسه گدائی تست
غمین مباش که از گنج خانه نواب
بوقتِ گدیه گذار ادعاست دست آوین
چراغِ دوده سرور علی محمد خان
ز رویِ کلبِ علی خان همیشه روشن باد

که در شمار نیاید همی ز بسیاری
همه مسامح خسرو به طاقت اظهاری
سپرده اند علشاه را علمداری
رسیده است بخاقانِ چین جلوداری
ازین که یافته توقیعِ گرز برداری
مگر یکے بود از کافرانِ زنهاری
کنون به بندگیِ خواجه گشت اقراری
بمقتضایِ غلطِ فهمی و غلط کاری
ز بندگانِ خدا چون بوی رسد خواری
چرا مرا بسخنهایِ هرزه آزاری
ز تست زینتِ معنی به نعرِ گفتاری
ستوه آمده باشی ز رنجِ ناداری
خود آن قدر که بدل داشتی بدست آری
بر آر دست بدرگاهِ حضرتِ باری
گزینِ همالِ تِمر^(۲) در فنِ سپهداری
چنانکه تابشِ مهر از سپهرِ زنگاری

(۵۳)

حضرت ولی نعمت آیه رحمت سلامت .

بعد تسلیم عرض یہ ہے . فقیرِ تکیہ دار ، روزینہ خوار ، غالبِ خاکسار
حیران ہے کہ شکر بجا لائے آپکی عنایت کا ، یا ذکر کرے آپکی کرامت اور
ولایت کا . آپ بے شبہ رونقِ مسندِ علم و یقینِ ہین . تکلف بر طرف

(۱) فروهل بمعنی بگزار . ازینجا التزام موقوف است . منہ

(۲) گزین بجای گزیده مستعمل اہل زبان . تمر بہ تختائی مکسور ومیم مضموم در ترکی فولاد را گویند .
وامم شاہو است از اولاد النقوا . واینکہ تیمور نویسند طرزِ املاست اعراب بالحرروف . مہ

امیرالمسلمین ہین . یہ نہ فقط از روی ارادت ہے . بلکہ یہاں مشاہدہٴ خرقِ عادت ہے . ان دنوں میں متفرقات کے قرضدار^(۱) سرگرم تقاضا بلکہ آمادہٴ شور و غوغا تھے . دو سو روپیہ کی ہنڈوی صراحیِ آبِ حیات ہو گئی . دامِ مرگ سے نجات ہو گئی . لطف یہ کہ آج بروزِ دو شنبہ ۲۱ اگست کو نو بجے اولِ روز ایک قصیدہ کا لفافہ بھیجا گیا . اوسی دن بارہ پر تین بجے یہ کرشمہٴ کرامت دیکھا گیا . قصیدہ کے لفافہ میں ایک عرضداشت ہے . اوس سے قصیدہ کی حقیقت ، اور خود اوس نظم سے طرزِ نگارش کی جدت ظاہر ہو جائیگی . حضرت کے انبساطِ خاطر کی واسطے یہ ایجاد ہے . مجھے ہر طرح کی نظم و نثر سے آپکی خوشی اور خوشنودی مراد ہے . انجامِ قصیدہ میں جو قرض کے گلے پائے جائیں ، اوس مجموع میں سے اہلِ بازار منہائی کئے جائیں . کوٹھی والے ساھوکار «چہل خلیفہ» گئے جائیں .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
ترقیِ عمر و دولتِ خداوند کا طالب غالب . نگاشتہٴ دو شنبہ ۲۱ ، اور روان
داشتہٴ سہ شنبہ ۲۲ اگست سنہ ۱۸۶۵ .

(۵۴)

حضرت ولیِ نعمت آیہٴ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیمِ معروض ہے . میں طیب نہیں ، مگر تجربہ کار ہوں . ستر برس کا آدمی ہوشیار ہوں . اور سے یہ کہا نہیں جاتا . حضرت پر بغیر ظاہر کئے رہا نہیں جاتا . خدا جانے اور طیب کیا سمجھے ہونگے کہ کیا تھا . میرے نزدیک بہ اشتراکِ معدہ و قلب یہ مرض طاری ہوا تھا . اب آپ کو حفظِ صحت کی واسطے گاہ گاہ نارجیلِ دریائی و جدوار کا استعمال ضرور ہے .

(۱) میرزا صاحب نے یہاں لفظ قرضدار بجائے قرضخواہ استعمال کیا ہے . یہ استعمال عامیانہ ہے . اسلیٰ امی اونکی پریشانی اور ضعفِ دماغ پر محمول کرنا چاہی . سند بنانا درست نہیں ہوگا .

اور معجونِ طلائیِ عنبری تقویتِ قلب میں مجوزہ حکیم بیر علیخان مغفور ہے۔ ورقِ طلا، عنبرِ اشہب، عرقِ کیوڑہ، قند۔ کثرتِ اجزا اس ترکیبِ خاص میں ناپسند۔ کثیر الاجزا اور معجونین ہیں۔ مفرحِ بوعلی سینا، خمیرہ مروارید، خمیرہ گاؤزبانِ عنبری، ماء اللحم غیر مُنشی، جس میں طیور کے گوشت اور ادویہ مفرح و مقوی حرارت و برودت میں معتدل^(۱)۔ گاہ گاہ سکتجین و گلاب پی لیا کیجئے۔ غذا میں گوشتِ طیور اکثر۔ بیضہ نیم برشت اکثر۔ لیکن یہ خیال رہے، کہ بیضہ مرغ و لحمِ طیور ایک جلسہ میں تناول فرمائیں۔ بکری کے گوشت کیساتھ بیضہ مرغ جائز اور لذیذ اور مرغوب۔ پودینہ کا عرق، چھوٹی الائچی کا عرق ہمیشہ دواخانے میں موجود رہے۔ عطریات کے استعمال میں مبالغہ۔ بعدِ غذا مباشرت سے پرہیز۔ شوربایِ پاچہ گوسفند مائدہ خاص پر موجود رہے۔ بحسبِ رغبتِ طبیعت نوشجان فرماتے رہیے۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون سلامت و صحت کا طالب غالب۔ نگاشتہ سہ شنبہ، و روان داشتہ سہ شنبہ^(۲)۔

(۵۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ شرف افزا عطوفت نامہ عز و ورود لایا۔ اگست ۱۸۶۵ کی تنخواہ کا سو روپیہ از رویِ ہندویِ ملفوفہ معرضِ وصول میں آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون نجات کا طالب غالب۔ دو شنبہ ۱۱ ستمبر سنہ ۱۸۶۵۔

(۱) یہاں کوئی ایک لفظ ساقط معلوم ہوتا ہے۔

(۲) اس عریضہ کے جواب میں ۶ ربیع الثانی سنہ ۸۲ ھ مطابق ۲۹ اگست سنہ ۶۵ ع کو نواب خلد آشیان نے تحریر فرمایا: ”سہ قطعہ مفاوضہ لطف آگین، اول مع قصیدہ نادرہ کہ مضامینش مملو ہزاران در غرر معانی بود، و ثانی مشعر رسید ہندوی مبلغ دوصد روپیہ، و ثالث محتوی بر نسخہ های معجون وغیرہ براہ محبت معنوی متواتر یاسمین ریز گریبان وصول نشاط شمول گشتہ حالا مزاج رقم برجہ خوش و خورم است۔“

(۵۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں۔ مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔ لازم تھا کہ تعزیت نامہ بزبانِ فارسی و عبارتِ بلیغ لکھوں۔ آپکے قدموں کی قسم دل نے قبول نکیا۔ آرائشِ گفتار نظماً او ثراً واسطے تہنیت کے ہے۔ کہ دل کثرتِ نشاط سے گل کی طرح کھل رہا ہے۔ طبیعت راہ دیتی ہے۔ الفاظ ڈھونڈھے جاتے ہیں۔ معنی پیدا کئے جاتے ہیں۔ اب میں نیم مردہ، دل پڑمردہ، خاطر افسردہ، جس باب میں لفظ و معنی فراہم کیا چاہوں، وہ سراسر طبع کے خلاف۔ جس بات کا تصور ناگوار ہو، اوسکے تذکرے سے جی کیون نہ بیکرار ہو۔ یہ میری قسمت کی خوبی ہے، کہ ہنوز تہنیت اور مدح کا حق ادا نہوا تھا کہ مرثیہ لکھنا پڑا۔ اگر ایک بات میرے خیال میں نہ آئی ہوتی، تو مجھے زندگی دشوار تھی۔ یعنی حضور کو ابتدائی جلوس میں وہ رنج پہنچا، کہ اوس سے زیادہ تصور میں نہیں آتا۔ پس وسادہ نشینی کی بدایت اور غمگینی کی نہایت یہ چاہتی ہے کہ اب مدة العمر ابداً موبداً حضرت کو کوئی غم نہو۔ ہمیشہ جہاندار و جہانستان و شاد و شادمان رہیں^(۱)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برسکے ہوں دن پچاس ہزار
آپ کے قدمبوس کا طالب غالب . ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۵ .

(قطعہ تاریخِ رحلتِ سکندر زمانی بیگم)

دریغا کہ ماند تہی قصرِ دولت ز خاتونِ نامی سکندر زمانی
»چوسَیَّارِ روضہ« بود سالِ فوتش سپس اسمِ وے باد جنت مکانی

۱۲۸۲

(۱) سکندر زمانی بیگم نواب خلد آشیان کی بیوی تھیں۔ انکی والد صاحبزادہ سید امداد اللہ خان ولد صاحبزادہ سید کفایت اللہ خان ولد نواب سید نصر اللہ خان بہادر، اور والدہ آفتاب بیگم بنت صاحبزادہ سید کریم اللہ خان خلف نواب سید فیض اللہ خان بہادر تھیں۔ سنہ ۱۲۶۲ ہجری میں انکے ساتھ نواب خلد آشیان کی شادی ہوئی۔ نواب سید مشتاق علی خان بہادر عرش آشیان انہیں کو بطن سے تھو (انتخاب یادگار، ص ۲۲۵، و اخبار الصنادید، ج ۲، ص ۲۳۰)۔

(۵۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . ہر چند آبدار خانے کے ساتھ ہونے سے پانی کی طرف سے خاطر جمع ہے ، کہ حضور جو پانی ہمیشہ پیتے تھے وہی پیتے ہونگے . مگر ہرج سفر اور اختلاف ہوا کا خیال ہے . توقع رکھتا ہوں کہ نویدِ صحت و اعتدال مزاج اقدس سے عزِ اطلاع پاؤں . بُعد اگرچہ بہت نہیں ، لیکن طبع پر گران ہے . چشمِ شوق ورودِ موکبِ عالی کی نگران ہے . بقولِ استاد بہ تغیرِ لفظ « جو تم پھر آؤ تو حضرت پھرین ہمارے دن » . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار دوامِ بقایِ حضور کا طالب فقیر غالب . چہار شنبہ ۸ نومبر سنہ ۱۸۶۵^(۱) .

(۵۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . مراد آباد پہنچا ، بعد پالکی کے اوتر آنے کے پل کا ٹوٹ جانا ، گاڈی اسبابِ یہانتک کہ رختِ خواب کا مع آدمیوں کے

(۱) یہ خط میرزا صاحب نے رامپور سے لکھا ہے . اس زمانہ میں نواب خلد آشیان دورہ پر تشریف لی گئے تھے . میرزا صاحب نے شمشاد علی بیگ رضوان کو لکھا ہے : « آج شنبہ ۴ نومبر کی ہے . پرسون نواب صاحب دورہ کو گئے ہیں . فرما گئے ہیں کہ دو ہفتہ میں آؤنگا . آکر چار روز یہاں رہیں گے . پھر نمائشگاہ بریلی کی سیر کو جائیں گے » (اردو معلیٰ ، ص ۳۲۰) . حکیم غلام نجف خان کے نام کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ نومبر کی صبح تک واپس تشریف نہیں لائے تھے . فرماتی ہیں : « نواب صاحب دوری سے یا آج شام کو یا کل آجائیں گے . جشنِ جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں » (ایضاً ، ص ۲۳۱) . مولانا حالی مرحوم نے یادگار غالب (ص ۴۲ ، نامی پریس) میں لکھا ہے : « چند روز بعد نواب کلب علیخان مرحوم کا نواب لفٹنٹ گورنر سے ملنے کو بریلی جانا ہوا . انکی روانگی کے وقت مرزا بھی موجود تھے . چلتے وقت نواب صاحب نے معمولی طور پر مرزا صاحب سے کہا 'خدا کی سپرد' . مرزا نے کہا 'حضرت خدا نے تو مجھے آپ کی سپرد کیا ہے . آپ پھر الٹا مجھ کو خدا کی سپرد کرتے ہیں' . صاحب اخبار الصنادید (ج ۲ ، ص ۱۲۷) نے بھی اس لطیفہ کو نقل کیا ہے . اور بہ تتبع حالی لطیفہ کا زمانہ وقوع روانگی بریلی بتایا ہے . لیکن میری ناقصِ رائے میں دورہ مذکور ہر جاتی وقت یہ لطیفہ کہا گیا ہوگا . واللہ اعلم .

اوسی زمہریر کے میدان میں رہنا، بغیر جاڑے کے کچھ نہ کھانا، خیر جو اونپر گری وہ جانیں۔ میں مراد آباد کی سر امین ایک چھوٹی سی حویلی میں ٹہرا۔ بھوکا پیاسا کل اوڑھکر پڑھا۔ یہ شعر اپنا پڑھ کر صبح کی۔

* گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے *

* تب امان ہجر میں دی برد لیالی نے مجھے *

صبح کو خستہ و رنجور اوٹھا۔ صاحبزادہ ممتاز علیخان بہادر^(۱) کے بھیجے ہوئے دو فرشتے آئے، اوٹھا کر سعید الدین خانصاحب^(۲) کے ہاں لیگئے۔ صاحبزادہ صاحب نے وہ تعظیم و تکریم اور سعید الدین خانصاحب نے وہ تکریم و تعظیم کی کہ میری ارزش سے زیادہ تھی۔ ناگاہ مولوی محمد حسن خان بہادر صدرالصدور^(۳) آئے، اور مجھے اپنے گھر لیگئے۔ پانچ دن وہاں رہا۔ بھائی نواب مصطفیٰ خان بہادر^(۴) وہیں مجھ سے آکر ملے۔ دوسرے دن وہ رہگرای

(۱) صاحبزادہ ممتاز علیخان بہادر کی متعلق صاحب انتخاب یادگار (ص ۳۹۰) کہتی ہیں: "نیر، صاحبزادہ محمد ممتاز علیخان ولد صاحبزادہ محمد اعجاز علیخان ولد صاحبزادہ نیاز علیخان ولد صاحبزادہ حسن علیخان ولد جناب مستطاب نواب محمد فیض اللہ خانصاحب بہادر عرش منزل طاب ثراہم۔ ستائیس برس کا سن ہی۔ میر احمد علی رسا کی شاگرد ہیں۔ یہ صاحبزادی نہایت اہلیت شعار ہیں۔ خوش خلق و خوش اطوار ہیں۔ یہ اونکا کلام ہی:

شوق ہر چند یہ کہتا تھا کہ بوسی لیجی پر ترا نقش قدم مجھسی مٹایا گیا،

صاحبزادہ صاحب کو نواب سعید الدین احمد خانصاحب فاروقی کی صاحبزادی منسوب تھیں۔ اس تقریب سے مراد آباد میں سکونت پزیر ہو گئی تھی۔ اور وہیں انتقال کیا۔

(۲) نواب محمد سعید الدین احمد خانصاحب نواب محمد الدین احمد خانصاحب کی بیٹی اور نواب مجید الدین احمد خانصاحب عرف نواب مجو خان مراد آبادی کی چھوٹی بھائی تھی۔ ان کو آباء و اجداد میں سے ایک بزرگ قاضی عصمت اللہ فاروقی تھی۔ یہ نواب عصمت اللہ خان بہادر کی لقب سے مفتخر اور عہد عالمگیری میں مختلف صوبوں کی گورنر رہ چکی تھی۔ خود نواب مجو خان بھی بہت بڑی جاگیر کی وارث تھی۔ لیکن غدر سنہ ۵۷ ع میں ہجرم بغاوت انہیں پھانسی دیدی گئی، اور اوسوقت سے اس خاندان پر زوال آگیا۔ مراد آباد میں اس خاندان کی اخلاف اب بھی موجود ہیں۔ نواب سعید الدین خانصاحب کی ایک تصنیف "لب لباب رمل" کتابخانہ ریاست میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ بڑی اہتمام سے لکھا گیا ہے۔ اسلو خیال ہوتا ہے کہ خود مصنف نے تیار کرایا ہوگا۔ اس کی دیباچہ میں انہوں نے اپنی خاندان کی ابتدائی تاریخ اور بعد ازاں سنہ ۵۷ ع میں اسکی بربادی پر ایک مختصر نوٹ لکھا ہے۔

(۳) محمد حسن خانصاحب صدرالصدور مراد آباد کو متعلق کچھ معلوم نہوسکا۔

(۴) نواب مصطفیٰ خان بہادر فرزند عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خان بہادر، جہانگیر آباد کے (باقی)

دارالسرور رامپور، اور مین جادہ نور دِ ستم آبادِ دہلی ہوا۔ دو شنبہ ۲۰ شعبان ۱۲۸۲، ۸ جنوری ۱۸۶۶ در غمکدہ پر پہنچا۔ حضور کے اقبال کی تائید تھی۔ ورنہ مین اور جیتا دلی پہنچتا^(۱)۔

* مغلوبِ غلبۂ غم دل غالبِ حزن *
* کاندہ تنش ز ضعف توان گفت جان نبود *
* از رامپور زندہ بدہلی رسیدہ است *
* ما را بدین گیاہِ ضعیف این گمان نبود^(۲) *

(بقیہ) جاگیر دار اور بڑی صاحب علم و خوش گفتار شاعر تھی۔ اردو مین شیفٹہ اور فارسی مین حمرتی تخلص کرتی تھی (اردو معلیٰ، ص ۱۰۱)۔ ابتداء حکیم مومن خان سی مشورۂ سخن رہا۔ ان کے انتقال کے بعد میرزا صاحب سی اصلاح لیو لگی تھی۔ انھوں نے اردو شعرا کا ایک قابلِ استناد تذکرہ "گلشنِ بیخار" فارسی زبان مین تصنیف کر کے خود شایع کیا ہو۔ آشوبِ غدر مین شیفٹہ بھی مشتبہ قرار دی گئی تھی۔ لیکن آخر کار بری ہو گئی۔ میرزا صاحب سی ان کی بہت مخلصانہ روابط تھی۔ چنانچہ جب میرزا صاحب قاربازی کے الزام مین قید کی گئی تھی تو انھوں نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ حبسیہ مین میرزا صاحب نے اس خلوص کا اس طرح اعتراف کیا ہو:

خود چرا خون خورم از غم کہ بہ غمخواری من رحمت حق بہ لباسِ بشر آمد گوئی
خواجہ ہست درین شہر کہ از پرسش وی بایۂ خویشتم در نظر آمد گوئی
مصطفیٰ خان کہ درین واقعہ غمخوار منست نگر بپریم، چہ غم از مرگ، عزادار منست

شیفٹہ نے ۶۳ سال کی عمر مین سنہ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) کو وفات پائی۔

(۱) میرزا صاحب کو یہ مصیبت رامپور سی واپسی کیوقت برداشت کرنی پڑی تھی۔ وہ سنیچر کے دن ۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ع کو دلی سی روانا ہوئی۔ اور بعد قطع منازل ستہ پنچشنبہ ۱۲ اکتوبر کو رامپور پہنچی۔ باقر علیخان اور حسین علیخان اس مرتبہ بھی ساتھ تھے۔ نواب خلد آشیان نے اپنا مہمان خاص بنایا۔ جرنیلی کی کوٹھی اقامت کیلئے عطا فرمائی اور تعظیم، تواضع، اخلاق، کسی بات مین کمی نہ کی۔ آخر مین کھاڑ کی، اور گھوڑوں اور بیلوں کے گھاس دانے کی نقدی مقرر کر دی تھی۔ جشنِ تخت نشینی کے بعد میرزا صاحب نے دونوں لڑکوں کو روانا کر دیا۔ سرکار نے وقتِ رخصت ایک ایک دو شالا مرحمت کیا۔ میرزا صاحب خود جمعرات کے دن ۲۲ دسمبر کو رامپور سی روانا ہوئے۔ لیکن سوہ اتفاق سی عرض راہ مین بیمار ہو کر مراد آباد مین ۵ دن ٹھہرنا پڑا۔ اسلئے ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۶ع کو دن کے گیارہ بجے دلی پہنچی۔ اس سفر مین اونکی دلی سی باہر رہنے کی کل مدت تین ماہ ہوتی ہو۔ مزید تفصیل دیا چہ مین ملاحظہ ہو۔

(۲) میرزا صاحب نے یہ قطعہ سفر کلکتہ کے سلسلہ مین لکھا تھا۔ رای چھج مل کھتری کو سفر مذکور کے واقعات پر مشتمل ایک خط لکھا ہو، جو پنج آہنگ کے ص ۱۰۰ پر درج ہو۔ اوس خط مین یہ قطعہ موجود ہو۔ لیکن وہاں بجای "غلبۂ غم" (سطوتِ غم) اور بجای مصرع ثالث (گویند زندہ تابہ بنارش رسیدہ است) تحریر ہو۔

تم سلامت رهو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔ چار شنبہ ۲۲ شعبان و ۱۰ جنوری سالِ جشنِ حضور^(۱)۔

(۵۹)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ والا کے مشاہدہ نے مجھ کو میری
حیات پر یقین عنایت کیا۔ اس سفر کا حال کیا عرض کروں۔ دلی سے
رامپور تک ذوقِ قدمبوس میں جو انا نہ گیا۔ اختلافاتِ آب و ہوا و تفرقہ
اوقاتِ غذا کو ہرگز نمانا۔ اور رنجِ راہ کو ہرگز خیال میں نہ لایا۔ وقتِ
معاودتِ اندوہِ فراق نے وہ فشار دیا، کہ جوہرِ روح گداز پا کر ہر بنِ موسے
ٹپک گیا۔ اگر آپ کے اقبال کی تائید نہوتی، تو دلی تک میرا زندہ پہنچنا
محال تھا۔ جاڑا، مینہ، قبض و انقباض، فقدانِ جوع، فاقہ ہایِ متواتر،
منزلہایِ نامانوس، ہاپوڑ تک آفتاب کا نظر نہ آنا، شب و روز ہوا کی زمہریر
کا جانگزا رہنا۔ بارے ہاپوڑ سے چلکر نیر اعظم کی صورت دکھائی دی۔
دھوپ کھاتا ہوا دلی پہنچا۔ ایک ہفتہ کوفتہ و رنجور رہا۔ اب ویسا پیر
و ناتوان ہوں جیسا کہ اس سفر سے پہلے تھا۔ خدا وہ دن کرے کہ پھر اوس
در پر پہنچوں^(۲)۔

تم سلامت رهو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب۔ ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۶۶۔

(۱) لفافہ پر ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۶ تحریر ہے۔

(۲) نواب خلد آشیان کو میرزا صاحب کی مصائب سفر کی روداد نواب مصطفیٰ خان بہادر کی زبانی معلوم
ہوئی، تو اونہوں نے ۱۷ شعبان سنہ ۸۲ھ مطابق ۵ جنوری سنہ ۶۶ع کو مراد آباد کے پتہ پر میرزا صاحب
کو تحریر فرمایا: "زبانی نواب مصطفیٰ خان بہادر کی دریافت ہوا، کہ مراد آباد میں کچھ طبیعت آپکی
علیل ہوگئی ہو۔ باستماع اس امر کی باعث کمال تردد کا ہوا۔ اسواسطی حوالہ خامہ محبت نگار کی ہوتا
ہو کہ خیریت مزاج سے مطلع کیجی۔ اور اگر ہنوز طبیعت مائل باعتدال نہو، اور آپکا ارادہ قیام مراد آباد
کا تا درستی طبیعت ہو، تو آپ رامپور میں تشریف لائی۔ یہاں معالجہ بخوبی عمل میں آئیگا۔"

لیکن فرمان کی اصل مثل میں موجود ہے، اور اوس کے لفافہ پر تحریر ہے کہ "خط ہذا ہرکارہ
برندہ از مراد آباد بجهت تشریف فرما شدن مرزا نوشہ صاحب بہدہلی واپس آورد۔ مرقوم ۲۱ شعبان (باقی)

(۶۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . اپنا حال اس سے زیادہ کیا لکھوں کہ آگے ناتوان تھا ، اور اب نیمجان ہوں . برخوردار نواب مرزا خان اپنے مشاہدہ کے مطابق جو میری حقیقت عرض کرے وہ مسموع و مقبول ہو^(۱) .

حضور اس مطلع کے لفظ و معنی کی حدت و جدت کی داد چاہتا ہوں . ہم در قیام زندہ نیم کز برای خویش آنوقت لای نافیہ ام از دوپای خویش ایک غزل نئی طرز کی نئی بحر میں عرض کرتا ہوں^(۲) . یہ جشنِ حال کی نذر ہے . خدا کرے مقبول ہو . زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار نجات کا طالب غالب . ۲۹ مارچ سنہ ۱۸۶۶ .

بحر ہزج مثنیٰ سالم

فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلاتن

* ای خداوندِ خردمند و جہان داورِ دانا *

* وی بہ نیرویِ خرد بر ہمہ کردار توانا *

(بقیہ) سنہ ۱۲۸۲ ھ . اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو فرمان موصول ہوا . مگر اس عرصہ میں اونکا عریضہ نمبر (۵۸) رامپور پہنچ گیا . اس کے جواب میں سرکار نے ۱۵ جنوری کو تحریر فرمایا : وجوہ کے وقت اطلاع انحراف طبیعت آپکو مرکز اعتدال سے بمقام مرادآباد رقبۃ الوداد اس مضمون سے کہ اگر ارادہ قیام مرادآباد کا واسطی معالجہ کی ہو ، تو رامپور کو معاودت کیجی ، یہاں معالجہ بخوبی عمل میں آئیگا ، ہمدست ہرکارہ کو بھیجا گیا تھا . لیکن آپ وہاں سے روانہ دہلی کو ہو گئے تھے . ہرکارہ خط واپس لایا اور روز سے کمال انتظار وصول معاوضہ خیریت کا تھا . الحمد للہ کہ وصول نیکۃ لطف آگین باعث اطمینان ہوا . میرزا صاحب کا عریضہ نمبر (۵۹) اسی فرمان کا جواب ہے .

(۱) میرزا صاحب نے ۱۲ مئی سنہ ۶۶ ع کو منشی حبیب اللہ خان دکا کے نام ایک خط میں اس سے ملتی جلتی الفاظ میں اپنی حالت بیان کی ہے . فرماتے ہیں : آگے ناتوان تھا . اب نیمجان ہوں . آگے بہرا تھا . اب اندھا ہوا چاہتا ہوں . رامپور کے سفر کا رہ آورد ہی رعشہ و ضعف بصر . جہان چار سطرین لکھیں . اونگاہیان نیڑی ہو گئیں . حرف سو جہتی سی رہ گئی (اردو معنی ، ص ۳۸) .

(۲) یہ غزل کلیات نظم فارسی میں موجود نہیں ہے .

- * ای رفتار و بیدار، بزیائی و خوبی
 * سروِ نوخاسته آسا، مهِ ناکاسته مانا
 * به ادا پایہ فزایا، بنظر عقدہ کشایا
 * بکرم ابرِ عطایا، بغضب برق سنانا
 * بہ نگہ خستہ نوازا، بسخن بذلہ طرازا
 * بہ قلم غالیہ سایا، بہ نفس عطر فشانا
 * شہ نشان کلبِ علیخان کہ توئی یوسفِ ثانی
 * نبود ثانی و ہمتای تو در دہر ہمانا
 * دانم از حال و مآلم خبرے داشتہ باشی
 * سر نوشتِ ازلی گرچہ ندارد خطِ خوانا
 * دشمنم چرخ و تو یینی و نسوزی بعتابش
 * بہ عدو صاعقہ ریزا، بہ محب فیضرسانا
 * جانشینِ تو کند نامِ ترا زندہ بگیتی
 * باد فردوسِ برین جایِ تو فردوسِ مکانا
 * غالب از غم چہ خروشی، بتوزیباست خموشی
 * یا کریمِ ہمہ دان ہیچ مگو ہیچ مدانا

(۶۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . منشورِ مکرمت ظہور مع ہندوی عزِ ورود
 لایا . سو رویہ تنخواہِ اپریل سنہ ۱۸۶۶ کا معرضِ وصول مین آیا . زیادہ
 حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
 عنایت کا طالب غالب . ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۶ عیسوی (۱) .

(۱) اس عریضہ کی لفافہ پر ۱۵ مئی سنہ ۱۸۶۶ تحریر ہیں . غالباً دوسری دن پوسٹ کیا گیا تھا .

(۶۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل ایک عرضداشت مع ایک غزل کے ڈاک میں بھیجی گئی^(۱)۔ شام کو منشورِ عطوفت مع ہندوی تنخواہ مئی سنہ ۱۸۶۶ عزِ ورود لایا۔ سو رویہ معرضِ وصول میں آیا۔ آج صبحدم وقتِ تحریر اس عرضی کے حضرت فردوس مکان کا دیوان پیشِ نظر تھا۔ اوس میں یہ شعر نظر پڑا۔ اوسکے مضمونِ حکیمانہ و عارفانہ نے بڑا مزہ دیا۔ یقین ہے کہ اوسکو پڑھکر حضرت بھی حظ اٹھائینگے۔

✽ وہ جس طرح سے جسے چاہے اوس طرح پالے ✽

✽ کسیکا کچھ نہیں پروردگار پر لینا ✽

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
عرضہ اسد اللہ ترقی خواہ۔ معروضہ دہم جون سنہ ۱۸۶۶۔

(۶۳)

(قطعہ در گزارشِ سپاسِ یاد آوریِ بعالی خدمت جناب مولوی آغا

احمد علی صاحب جہانگیر نگری

✽ مولوی احمد علی احمد^(۲) تخلص نسخہ ✽

✽ در خصوصِ گفتگویِ پارس انشا کردہ است ✽

(۱) میرزا صاحب کا محوۃ بالا خط اور غزل مثل میں موجود نہیں ہیں۔

(۲) مولوی احمد علی احمد تخلص جہانگیر نگر (بنگال) کی باشندی اور مدرسہ کلکتہ کی مدرس تھی۔ انہوں نے میرزا صاحب کی قاطع برہان کی جواب میں "موید برہان" نامی رسالہ تصنیف کیا تھا۔ مذکورہ بالا قطعہ اوسکا جواب ہی (اردو معلیٰ، ص ۴۴)۔ میرزا صاحب نے موید برہان اور چند دیگر رسائل کی جواب میں تیغ تیز نامی رسالہ بھی لکھا ہے۔ اوس میں آغا احمد علی کی باری میں لکھتی ہیں: "عربیت میں امین الدین سی بڑھکر، فارسیت میں برابر، خش و ناسزا گوئی میں کمتر۔ جتنی الفاظ تذلیل کے ہیں، وہ جن چکر میری واسطی استعمال کی، اور یہ نہ سمجھا کہ غالب اگر عالم نہیں، شاعر نہیں، آخر (باقی)

- * کیچ و مکران را کہ در سند است و از ایران جدا *
- * شامل اقلیم ایران بے محابا کردہ است *
- * قوم برلُچ را بایرانی نژادان دادہ خط *
- * ترکِ ترکانِ سمرقند و بخارا کردہ است *
- * در جہان توام بود رویِ وی و پشتِ قلیل *
- * پیشوایِ خویش ہندو زادۂ را کردہ است *
- * ہندیان را در زباندانی مسلم داشتہ *
- * تاچہ اندر خاطرِ والایِ او جا کردہ است *
- * خوش برآمد با ہمہ ہندوستان زایان چہ خوش ! *
- * تکیہ آرے بر ولادت گاہِ آبا کردہ است *
- * ہر کہ بینی با زبانِ مولدِ خود آشناست *
- * سازِ نطقِ موطنِ اجدادِ بیجا کردہ است *
- * خواجہ را از اصفہانی بودنِ آبا چہ سود ؟ *
- * خالقش در کشورِ بنگالہ پیدا کردہ است *

(بقیہ) شرافت و امارت میں ایک پایہ رکھتا ہے۔ صاحب عز و شان ہے۔ عالی خاندان ہے۔ امرای ہند، روسای ہند، مہاراجگان ہند سب اسکو جانتے ہیں۔ رئیس زادگان سرکار انگریزی میں گنا جاتا ہے۔ بادشاہ کی سرکار میں نجم الدولہ خطاب ہے۔ گورنمنٹ کی دفتر میں 'خانصاحب بسیار مہربان دوستان' القاب ہے۔ جس کو گورنمنٹ خانصاحب لکھتی ہے۔ اس کو سڑی اور کتا اور گدھا کیونکر لکھوں۔ فی الحقیقت یہ تذلیل بفحوائ 'ضرب الغلام اہانۃ المولیٰ' گورنمنٹ بہادر کی توهین اور وضع و شریف ہند کی مخالفت ہے۔ میرا کیا بگڑا۔ مولوی نے اپنا باجی پن ظاہر کیا۔ میں نے امین بیدین کو شیطان کے حوالہ کیا۔ اور احمد علی کے الفاظ مذموم سے قطع نظر کیا۔ اور ان کے مطالب علی کا جواب اپنی ذمہ لیا، (تیغ تیز، بحوالہ غالب، ص ۳۴۷)۔ مرزا صاحب کے اس قطعہ کے جواب میں آغا احمد علی کے ایک شاگرد فدا سلہٹی نے اسی زمین میں قطعہ لکھا، جس کا جواب غالب کے دو شاگردوں باقر علی خان باقر اور غفرالدین حسین خان سین نے اسی بحر وقافیہ میں دیا۔ فدا نے ان کے دونوں قطعوں کا جواب الجواب لکھا۔ اور ان سب کو بالترتیب 'تیغ تیز تر' میں شایع کیا۔ کتابخانہ میں یہ کتاب موجود ہے۔ اور اپنی دلچسپی کی بنا پر قابل مطالعہ ہے۔ مولوی احمد علی نے سنہ ۱۲۸۰ھ میں انتقال کیا (تاریخ لطیف مصنفہ مہدیعلیخان تحویلدار کتب خانہ، ص ۱۵)۔ یہ سال فصلی سنہ ۱۲۹۰ھ اور سنہ ۱۸۷۳ع کے مطابق ہوگا (تشریح السنین قلی، ص ۱۷۹، فن ہیئت اردو نمبر ۱)۔

* با قلیل و جامع برهان و لاله ٹیک چند *
 * لابه و سوگیری و لطف و مدارا کرده است *
 * داوریگاهے بنا فرمود و دروی هر سه را *
 * منصف و صدر امین و صدر اعلی کرده است *
 * گر چنین با هندیان دارد تولا در سخن *
 * من هم از هندیام چرا از من تبرا کرده است *
 * کرده است از خوبی گفتار من قطع نظر *
 * ظلم زین قطع نظر بر چشم بینا کرده است *
 * میل او با هر کسی از هند و حیفش خاص من *
 * حیف و میله با دو عالم شور و غوغا کرده است *
 * مطلب از بد گفتن من چیست؟ گوئی، نیکمرد *
 * مزد این کار از حق آمرزش تمنا کرده است *
 * و چنین نبود چنان باشد که در عرض کمال *
 * تا بر آرد نام این هنگامه برپا کرده است *
 * صاحب علم و ادب، وانکه ز افراط غضب *
 * چون سفیهان دقت نقرین و ذم و ا کرده است *
 * در جدل دشنام کار سوقیان باشد، بلے *
 * ننگ دارد علم از کاریکه آغا کرده است *
 * انتقام جامع «برهان قاطع» می کشد *
 * آنچه ما کردیم با وی، خواجه با ما کرده است *
 * من سپاهی زاده ام، گفتار من باید درشت *
 * وای بر وے گر به تقلید من اینها کرده است *
 * زشت گفتم، لیک داد بذله سنجی داده ام *
 * شوخی طبعی که دارم این تقاضا کرده است *

* میکند تائیدِ «برهان»، لیک برهان ناپدید *
 * نیست جز تسلیمِ قولش هرچه انشا کرده است *
 * سستیِ طرزِ خرامِ خامهٔ «برهان» نگار *
 * یا نمیدانست، یا دانسته اخفا کرده است *
 * بهرِ من توهین و بهرِ خویش تحسین جا بجا *
 * هم مرا هم خویش را در دهر رسوا کرده است *
 * آید و بیند همان اندر کتابِ مولوی *
 * هرچه از هنگامه گیران کس تماشا کرده است *
 * لغو و حشو و ادعایِ محض و اطنابِ ممل *
 * مار و موش و سوسمار و گربه یکجا کرده است *
 * بگزر از معنی، همین الفاظِ برهم بسته بین *
 * باده نبود، شیشه و ساغر مهیا کرده است *
 * یاقم از دیدنِ تاریخهایِ آن کتاب *
 * خود بدم گفتم و با حجابِ خود ایما کرده است *
 * غازیانِ همراهِ خویش آورده از بهرِ جهاد *
 * تا نه پنداری که این پیکار تنها کرده است *
 * جوش زد از غایتِ قهر و غضب خون در دلش *
 * تا زبانش را بدین کلپتره^(۱) گویا کرده است *
 * آتشِ خشمی که سوزد صاحبِ خود را نخست *
 * دردش، همچون شر در سنگ، ماوا کرده است *
 * چون نباشد باعثِ تشنیع جز رشک و حسد *
 * باد غالب خسته تر گر خسته پروا کرده است *

(۱) کلپتره بفتح کاف و سکون لام و فتح بای فارسی احقانه کلام.

از جانبِ آمرزشخواہِ جرمِ بیراہہ روی اسد اللہ خانِ غالب دہلوی] (۱)۔

(۶۴)

حضرت ولی نعمت آیۃ رحمت سلامت ۔

بعدِ تسلیمِ معروض ہے ۔ آج شنبہ ۱۰ ماہِ اگست سنہ ۱۸۶۶ کی ہے ۔ فقیر چشمِ براہ تھا ، کہ اب ڈاک کا ہرکارہ آتا ہے ، اور ہنڈوی ملفوفہ نوازشنامہ لاتا ہے ۔ ناگاہ اسوقت ڈاک کا آدمی ایک خطِ برخوردار منشی سیلچندر^(۲) کا لایا ۔ اوس میں مندرج تھا کہ تو نے جون سنہ حال کی تنخواہ کی رسید کیوں نہ بھیجی ۔ اور بعد اسکے یہ لکھا تھا کہ جولائی کی تنخواہ کی چٹھیاں ہوتی جاتی ہیں ۔ اب دو ایکدن میں تیری تنخواہ بھی بھیجی جائیگی ۔ متحیر کہ یا رب میں حسبِ معمول تنخواہ جون کی رسید ارسال کرچکا ہوں ۔ اب دوبارہ رسید کیوں مانگی جاتی ہے ۔ پھر یہ تو گویا پیامِ مرگ تھا کہ جولائی کی تنخواہ اب روانا ہوگی ۔ یا رب ۱۰ کو وعدہ ، ۱۳ ، ۱۴ کو چلے گی ۔ بیسویں تک مجھے پہنچگی ۔ اور میرا حال یہ کہ انگریزی تنخواہ گھر میں اور کچھ قرض کی قسط میں جاتی ہے ۔ حضور کے عطیہ پر میرا اور شاگرد پیشہ کا اور حسین علی کا گزارا ہے ۔ عالم الغیب جانتا ہے جس طرح گزرتی ہے ۔ چار سو ساڑھے چار سو کا قرض باقی ہے ۔ اب کوئی قرض بھی نہیں دیتا ۔ خلاصہ دو عرضیں ہیں ۔ ایک تو یہ کہ میں جون کی تنخواہ کی رسید بھیج چکا ہوں ۔ اگر ڈاک میں تلف ہوگئی ہو تو اور لکھ بھیجون ۔ دوسری یہ کہ اس مہینے کی ، یعنی جولائی کی ، تو تنخواہ خیر ۲۰ ماہِ اگست تک پہنچ جائیگی ۔ آئندہ کو حکم ہو جائے کہ ہر مہینے کی پہلی دوسری کو فقیر کی تنخواہ ، کہ وہ محض صیغۂ خیرات ہے ، بھیجی جایا کرے ۔

(۱) دارالانشاء کے فائل میں یہ قطعہ منسلک اور اسکی لفاظہ پر ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۶۶ ع تاریخ درج ہو ۔ مرزا صاحب نے اسکو اکمل المطالع میں یکرخہ طبع کراکر اپنی احباب کو تحفہ بھیجا تھا ۔ چونکہ یہ بغیر عریضہ کے نوابصاحب کو ارسال کیا گیا تھا ، اسلئے میں متن میں شامل کرنا مناسب خیال کیا ۔

(۲) منشی سیلچندر کیلئے خط نمبر ۱۰۹ کا ذیل ملاحظہ ہو ۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔

(۶۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ پہلے اپنا حال عرض کر لون، تب کچھ اور
مدعا لکھوں۔ غم نے بشمول بڑھاپے کے پست و مضمحل کر دیا ہے۔
حضرت کے قدموں کی قسم! نہ حواس درست، نہ رای صحیح۔ برسوں
سے مکروہات میں مبتلا رہتے رہتے اب طاقت تحمل کی نہی۔ خدا جانے کیا
ہوتا ہے، کیا سمجھتا ہوں۔ کیا کرنا چاہئے، کیا کرتا ہوں۔ کل آخرِ روز
میر منشی حضور کا خط آیا۔ جون کی تنخواہ کی رسید کے نہ پہنچنے کی
اطلاع پائی۔ تہیدستی و قرض کے رنج میں خستہ و آزرده بیٹھا تھا۔ اوسى
وقت عرضی لکھی۔ اگرچہ ڈاک کا وقت تھا، مگر بھیج دی۔ آج آخر
روز توقیع و قیام مع جولائی کی تنخواہ کی ہندوی کے پہنچا۔ ہندوی مختار
کار کو دی، اور یہ عرضی لکھنے بیٹھا۔ لکھکر لفافہ کر رکھتا ہوں۔ کل
صبح دم ڈاک میں بھیج دوں گا۔ اگر عرضی سابق میں کوئی بات گستاخی
و دیوانگی و بدحواسی کی ہو، توفیق کی خطا معاف ہو۔ میر منشی صاحب
کے اگر مخالف طبع کوئی لفظ ہو تو وہ بھی درگزر کریں۔ جون کی تنخواہ
کی رسید کا لفافہ ڈاک میں گم ہو گیا ہوگا۔ اگر میں بھی بھول گیا ہوں تو
بعید نہیں۔ بلکہ اغلب ہے کہ غالب کو سہو ہوا ہو۔ ملازمانِ درِ دولت
پر ظاہر ہو کہ جون کی تنخواہ جولائی میں، اور جولائی کی اگست میں
میں نے پائی۔ آئندہ ہر انگریزی مہینے کی دوسری تیسری کو روانگی ہندوی کا
متوقع ہوں۔ زیادہ حدِ ادب^(۱)۔

(۱) نواب خلد آشیان فی ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۸۳ ھ مطابق ۲۵ اگست سنہ ۱۶۶۷ ع کو جواباً تحریر فرمایا: رسید
ثانی ضرور نہیں ہے۔ اور حسب الایما واسطی بھیجی جاتی ہندوی مشاہرہ آپکو اسطور پر کہ تاریخ
پہلی یا دوسری تک آپکو پاس پہنچ جایا کری، حکم بنام اہالی سرشتہ کی صادر ہو گیا ہو۔

تم سلاہت رھو ہزار برس ہر برسکے ہون دن پچاس ہزار
۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۶ء عفو و رحم کا طالب غالب .

(۶۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت مدظلہ العالی .

بعد تسلیم معروض ہے . توفیق و قیام مع دیباچہ شرح اشعار بدر
چاچی^(۱) عز و رود لایا . کیا عرض کروں کہ کیا عالم نظر آیا . واقعی افتتاح
کلام بطرز میرزا طاہر وحید^(۲) ، اور پھر نگارش مطالب بشیوہ میرزا
جلالای طباطبائی^(۳) ہے . لیکن دونوں صورتوں میں دیباچہ اعجاز خسروی^(۴)
کا رنگ جلوہ گر ہے . پس ناقد بصیر کے نزدیک یہ نگارش ، طاہر وحید
اور جلالا کی عبارت سے بہتر ہے . یہ عرضداشت جلد بھیجتا ہوں ، تاکہ
حضرت پر پہنچنا اوس دیباچہ یا تقریظ کا ظاہر ہو جائے .

برسات ایسی ہوئی ہے کہ مین باون ترین برس سے یہاں رہتا ہوں .

(۱) بدرالدین محمد چاچی ، چاچ (تاشقند) کی رہنی والہ تھی ، سلطان محمد بن تغلق (سنہ ۷۲۵ھ - ۷۵۲ھ) کے
عہد میں ہندوستان آؤ . اور اوسکی مدح سرائی میں اپنی عمر کا بڑا حصہ گزارا . سلطان محمد بڑا علم
دوست بادشاہ تھا ، اوسنی انکی کافی قدر و منزلت کی ، اور "غیرالزمان" خطاب دیا . بدر فی سنہ
۷۵۴ھ (۱۳۵۳ع) میں انتقال کیا . انکی قصائد شہرت عام کے مالک ہیں . لیکن تلمیحات و کنایات کی
افراط کے سبب سی شیرینی غائب ہو گئی ہو .

(۲) میرزا طاہر وحید بن میرزا حسین خان قزوینی مشہور شاعر اور نثر نویس . یہ قزوین میں پیدا ہوا . سنہ
۱۰۵۵ھ (۱۶۴۵ع) میں شاہ عباس صفوی نے اپنا مجلس نویس مقرر کیا ، سنہ ۱۱۰۱ھ (۱۶۸۹ع) میں
وزیر بنایا گیا ، اور ۱۸ سال تک اسی عہدہ پر رہا . یہ فن انشاء میں خاص طرز کا مالک ہو . لیکن
اشعار کی شہرت صرف عہدہ وزارت کی بدولت ہوئی . طاہر کی تاریخ وفات میں اختلاف ہو .
بعض سنہ ۱۱۰۵ھ اور بعض سنہ ۱۱۰۸ھ لکھتے ہیں . لیکن ریو نے لکھا ہو کہ تقریباً سنہ ۱۱۲۰ھ
(۱۷۰۸ع) میں انتقال کیا .

(۳) میرزا جلالائی طباطبائی اصفہان میں پیدا ہوا . سنہ ۱۰۴۴ھ (۱۶۳۴ع) میں ہندوستان آیا ، اور شاہ
جہان کے دربار کا مورخ مقرر ہوا . مگر ابھی ۵ سال کی تاریخ لکھنے پایا تھا کہ حساد نے سازش کی ،
اور کام رک گیا . یہ بھی انشاء میں ایک خاص طرز کا مالک ہو .

(۴) اعجاز خسروی امیر خسرو دہلوی متوفی سنہ ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ع) کی تصنیف ہو . یہ نثر کی ممتاز کتابوں
میں شمار ہوتی ہو ، اور نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع ہو چکی ہو .

عرش آرامگاہ اکبر شاہ^(۱) کے عہد میں ایکبار ایسی برسات دیکھی تھی ، یا امسال نظر آئی ہے ۔ اوراقِ مرسلۂ حضور مومین جامہ میں لپیٹ کر بسیل پارسل ارسال کرونگا ، یا پرسون دو شنبہ کو یا سہ شنبہ کو ۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار ۔
روزِ شنبہ یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ۔ نجات کا طالب غالب^(۲) ۔

(۶۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔
بعدِ تسلیم معروض ہے ۔ منشورِ مکرمت ظہور عزِ ورود لایا ۔ سو روپیہ بابت تنخواہِ ماہِ اگست سنہ ۱۸۶۶ معرضِ وصول میں آیا ۔
نثرِ نثرہ تشار^(۳) کے اوراق ۳ ستمبر ماہِ حال کو ارسال ہوئے ہیں ۔
نظرِ اتور سے گزرے ہونگے ۔

(۱) اکبر شاہ۔ شاہ عالم کا لڑکا اور دہلی کی آخری بادشاہ ظفر کا باپ تھا۔ ۲۳ اپریل سنہ ۱۷۶۰ ع = ۷ رمضان سنہ ۱۱۷۳ ھ کو پیدا ہوا۔ اور ۱۹ نومبر سنہ ۱۸۰۶ ع = ۷ رمضان سنہ ۱۲۴۸ ھ کو ۴۸ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اسی ۳۱ سال سلطنت کی، اور ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۳۷ ع مطابق ۲۸ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۵۳ ھ کو جمعہ کی دن فوت ہوا۔ اکبر شاہ شاعر بھی تھا، اور شعاع تخلص کرتا تھا۔
(۲) میرزا صاحب کا یہ عریضہ نواب خلد آشیان کی فرمان مورخہ ۱۵ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۲۷ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع کا جواب ہے۔ القاب و آداب کی بعد نواب صاحب کی تحریر فرمایا ہے: درین ولا تقریظ شرح قصائد بدر چاچی از نوک قلم جلوہ خیز گردیدہ۔ اولاً بر دیباچہ صور عبدالرحمن وحید وما بقی بر طرز جلای طباطبائی نگاشته ام۔ چون زیور اصلاح در گنج خانہ عالی طبیعت آن استاد زمان مخزنست، ہمیں نظر آن نقش باطل را مرسل ساخته، مرقوم کہ آنچه فطرت کالت سرشار نہ پسندد، خامہ اعجاز نگار را بر پرچہ ثانیہ علاوہ ازین مجموعہ پریشانی بہ تلافیش تکلیف تحریر دھند۔ وباسرع ازمنہ دیدہ سفیدان این دیار را از سرمہ جواہر آگین جواب باصواب مسرور وشادمان سازند۔ شرح قصائد بدر چاچی، جسکا فرمان میں ذکر ہے، مولوی محمد عثمان خان بہادر مدارالمہام کی تصنیف ہے۔ خان موصوف نواب خلد آشیان کی خدمت میں عہد ولیعہدی سے آمد و رفت رکھتے تھے۔ زبان فارسی اور حساب وغیرہ سے بخوبی واقف، اور قدری عربی آشنا تھے۔ جب نواب صاحب تخت نشین ہوئے، تو ان کا تقرب اور رسوخ یہاں تک بڑھا، کہ ریاست کی مدارالمہام بنادنی گئی۔ مزاج میں قدری درشتی اور جبر تھا۔ اسوجہ سے ۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۲۹۰ ھ (۱۸۷۳ ع) کو ایک پٹھان کی ہاتھ سے زخمی ہو کر ۱۲ ماہ مذکور کو انتقال کر گئی (اخبار الصنادید، ج ۲، صفحہ ۱۵۲-۱۵۶)۔
(۳) اس نثر سے مذکورہ بالا تقریظ شرح قصائد بدر چاچی مراد ہے۔

اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہے۔ فارسی دیوان کا شیرازہ کھول کر چند شخصوں کے حوالے کیا ہے۔ بعد اتمام تحریر نذر کیا جائیگا^(۱)۔ بھائی ضیاء الدین خان^(۲) کا مجموعہ نثر و نظم فارسی و اردو، سراسر دیکھا ہوا میرا، جو اونکے کتابخانہ میں تھا، غدر میں لٹ گیا۔ بعد غدر ذوق شعر باطل اور دل افسردہ ہو گیا۔ دو تین غزلین، فارسی، ہندی، جو لکھی ہیں، اوسکا انتخاب بھی پہنچا گیا۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

(۱) نواب صاحب نے ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۵ اگست سنہ ۱۸۶۶ع کو میرزا صاحب کو تحریر فرمایا تھا: "مطلب دگر، جو کہ راقم کو ترتیب بیاض اشعار منتخبہ اساتذہ پارسی و اردو کی منظور ہو، اسواسطی حوالہ خامہ محبت نگار کی ہوتا ہے کہ آپ انتخاب دیوان فارسی اور اردو اپنی کا فرما کر مع انتخاب کلام ضیاء الدین خان صاحب لطف کریں، تا شامل انتخاب کی، جو اس سرکار میں عمل میں آیا ہو، ہو جائے۔" میرزا صاحب نے حسب الحکم اردو دیوان کا انتخاب ۷ ستمبر کو اور فارسی کلیات کا انتخاب ۲۴ ستمبر کو ارسال کیا۔ یہ دونوں انتخابات جو حسب تصریح فرمان مورخہ ۱۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ع اس تاریخ سے قبل موصول ہو چکے تھے، کتب خانہ سرکاری میں محفوظ ہیں، اور ضروری حواشی و مقدمات کو ساتھ انشاء اللہ عنقریب شائع کیے جائیں گے۔

(۲) نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر نواب احمد بخش خان والی فیروزپور جہر کہ وجاگیردار لوہارو کے خلف اصغر تھے۔ انکی چچازاد بہن غالب سے منسوب تھیں۔ لیکن اس نسبی رشتہ کی علاوہ اہم رابطہ یہ تھا کہ نواب صاحب فن شعر میں غالب کے شاگرد تھے۔ یہ فارسی میں نیر اور اردو میں رخشان تخلص کرتے تھے (اردو میں، صفحہ ۱۰۰)۔ انکی سلامتی ذوق و حسن طبیعت مسلم ہے۔ خود میرزا صاحب بھی اسکو معترف تھے، اور انہیں اپنا نمونہ کہتے تھے۔ کلیات فارسی میں انکی مدح میں ایک قصیدہ ہے۔ اوس میں میرزا صاحب فرماتے ہیں:

بنکتہ شیوہ شاگرد من بمن باناست صنم بصورت خود می تراشد آذر من

اگر چہ اوست ارسطوی ومن فلاطونم بود پیایہ ارسطوی من سکندر من

ضیاء الدین خان کی پاس کتابوں کا بڑا نایاب ذخیرہ تھا۔ ایٹ صاحب نے تاریخ ہند کی ترتیب میں اوس سے استفادہ کیا ہے۔ اس کتب خانہ کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں: "میرا ایک نسبی بھائی ہے نواب ضیاء الدین خان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ وہ میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ مجمع نثرین، اور کلیات نظم فارسی اور کلیات نظم اردو سب نسخے اوسکو کتب خانہ میں تھے۔ وہ کتابخانہ کہ، ذکر کر عرض کرتا ہوں، ۲۰ ہزار روپیہ کی مالیت کا ہوگا، لٹ گیا۔ ایک ورق نہیں رہا، (عود ہندی، صفحہ ۲۹)۔ نواب ضیاء الدین خان بہادر نے سنہ ۱۳۰۲ھ مطابق سنہ ۱۸۸۳ع میں وفات پائی۔ میر مہدی مجروح نے مصرع "اب نہ باقی رہی وہ رونق شہر دہلی" سے ہجری سال نکالا ہے (تاریخ لطیف، ص ۲۴۱)۔

اسد اللہ بیدستگاہ . دو شنبہ ۱۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ .

(۶۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . خاطر اقدس میں نگرے کہ غالب تعمیل احکام میں کاہل ہے . بصارت میں فتور . ہاتھ میں رعشہ . حواس مختل . ناچار کاتب کی تلاش کی . شہر سراسر ویران ہے . کاتب کہاں ؟ بارے ایک دوست نے کاتب نشان دیا . اردو کا دیوان ، اشعار پر صاد کر کے ، اوسکو حوالہ کیا . کل وہ اجزای منقولہ آئے . آج بطریق پارسل مع اس عرضی کے ارسال کیئے . خط کاتب کا مجھکو پسند نہیں آیا . حضرت کو کیونکر پسند آئیگا . اغلاط اتنے تھے کہ مجھکو تحریر کی برابر محنت پڑی . فارسی کے کلیات کا شیرازہ کھولکر اجزا اوسکے احباب پر تقسیم کر دیئے ہیں . جا بجا اشعار پر صاد کر دیئے ہیں . وہ بھی میرے انتخاب کے مطابق نقل ہو رہے ہیں . بعد اتمام وہ بھی پیشکش کرونگا . زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
ترحم کا طالب غالب . سہ شنبہ ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ .

(میرزا صاحب نے اصلاح تقریظ شرح بدر چاچی کے سلسلہ میں ۱۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو ایک عریضہ روانا کیا تھا . مثل میں اوسکا لفافہ موجود ہے . میر منشی صاحب لہکتے ہیں : « اصل خط کہ بمقدمہ تقریظ شرح بدر چاچی بود در حضور پر نور ماند »^(۱) .

(۱) یہ عریضہ نواب صاحب کی اس تحریر کا جواب تھا : « ... نامہ محبت آئین مع تقریظ بدر چاچی و مضامین اصلاح آگین سرمہ کش چشم وصول گشتہ روشنی بخش عیون دیدہ سفیدان انتظار گردید . چنانچہ نظیر ہمہ الفاظ کہ شاید عجالتاً بامعان نظر ملاحظہ نشدہ مرسل داشتہ ام . چشم کہ اگر اقوال این ہمہ اساتذہ قابل اعتبار باشد فہا . والا بعد مشاہدہ از چگونگی آن مطلع سازند . المرقوم ۲ جمادی الاولی سنہ ۱۲۸۳ ھ مطابق ۱۳ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ ع . اس فرمان کو ساتھ فرہنگ جہانگیری و رشیدی وغیرہ سی تلاش کر کے نظائر روانا کیے گئے تھے . اونکا بیان نقل کرنا باعث طوالت ہوگا .

(۶۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . اردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں . یقین ہے کہ حضرت کی نظر انور سے گزر گیا ہو . آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریق پارسل اس عرضی کیساتھ بھیجتا ہوں . اور بھائی ضیاء الدین خان بہادر نے جو اوراق میرے پاس بھیجے ہیں ، وہ بھی اسی پارسل میں رکھ دئے ہیں . حضرت اس غریب کا مجموعہ نظم و نثر غدر میں لٹ گیا . بعد غدر جو کچھ کہا ہے ، وہ یہی ہے جو پہنچتا ہے . اس درویش نے صرف غزلین اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہے . قصائد و قطعات و مثنویات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا . اگر حکم ہو تو وہ بھی بھیجون . زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

عنایت کا طالب غالب . ۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ .

(۷۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . منشورِ مکرماتِ ظہورِ عز و رود لایا . سو روپیہ بابت تنخواہ ماہ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ معرضِ وصول میں آیا . اشعارِ فارسی و اردو پہنچے . خدا کرے پسند آئیں . افسوس کہ برخوردار نواب مرزا خان نے میرا حال سامعہ اقدس پر عرض نکیا . حضور ملک و مال جسکو جسقدر چاہیں عطا کر سکتے ہیں . میں آپ سے صرف راحت مانگتا ہوں . اور راحت منحصر اس میں ہے کہ قرضِ باقیانداہ ادا ہو جائے . اور آئندہ قرض لینے کی حاجت نہ پڑے .

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون

اسد اللہ یدِ ستگاہ . ششم اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ .

(۷۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . اس عنایت نامے میں ایک فقرہ نظر پڑا کہ جس سے میں کانپ اٹھا . « مرا ازان مشفق واسطۂ تلمذ بوده است » (۱) . یہ ذلیل کو عزت دینی اور دکان بے روتق کی خریداری کرنی ہے . میں تو حضرت کو اپنا استاد اور اپنا مرشد اور اپنا آقا جانتا ہوں .

بدو فطرت سے میری طبیعت کو زبانِ فارسی سے ایک لگاؤ تھا . چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھکر کوئی ماخذ مجھ کو ملے . بارے مراد برآئی . اور اکابرِ پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا . اور اکبر آباد میں فقیر کے مکان پر دو برس رہا . اور میں نے اوس سے حقائق و دقائق زبانِ پارسی کے معلوم کئے . اب مجھے اس امرِ خاص میں نفسِ مطمئنہ حاصل ہے . مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہے . بحث کا طریق یاد نہیں (۲) .

میان انجو جامعِ فرہنگِ جہانگیری (۳) ، شیخ رشید راقمِ فرہنگ

(۱) مرزا صاحب کو ۱۹ ستمبر کو عریضہ کے جواب میں نواب خلد آشیان نے جو فرمان لکھا تھا اوسکا ام فقرہ مرزا صاحب نے نقل کیا ہے . نواب صاحب فرماتی ہیں : « نیشان خامہ کہ در تحریر معانی شعر عرفی و ہم بہ تحقیق لفظ ارتنگ و ارژنگ گوہر بار گردیدہ بر خاطر اخلاص فروش ہر آئینہ محقق و محتجب میناند کہ اکثر مالک رقابان علم لغت ارتنگ و ارژنگ را بمعنی واحد پنداشته اند . وعامۃ مفسران کلام شیرازی مشار « آشیان چیدن » را مرادف آشیان بستن نگاشته . چنانچہ نظائر ہر یکی ملفوف عنبرین نامہ ہذاست بمطالعہ خواہد رسید . معہذا اگر طبع آن اوستاد زمان بہ ترقیم الفاظ بالا فی الجملہ نفوری داشتہ باشد همچنان حوالہ قلم نمایند کہ مبحث عنہ را از تقریظ اصلاح شدہ چون نفسانیت خود نحو سازم . زیرا کہ مرا ازان مشفق واسطۂ تلمذ بوده است . نہ از عرفی و دیگران . اما نظائریکہ بہ نظرم گذشتہ است ، صرف برای اطلاع بہ تحقیق ہذا مندرج گردیدہ . المرقوم ۲۱ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۳ ہ مطابق ۲ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع . »

(۲) ملا عبد الصمد کی شاگردی کے متعلق اردوی معلیٰ میں متعدد جگہ اور قاطع برہان میں ص ۷ پر میرزا صاحب نے تصریح کی ہے .

(۳) میان انجو کا نام جمال الدین حسین بن شاہ حسن انجوی شیرازی اور لقب عضد الدولہ ہے . انکے آبا و اجداد فارس کے شہرہ آفاق شہر شیراز کے باشندے تھے . یہ وہیں پیدا ہوئے . بعد ازان بتلاش روزگار ہندوستان آئے ، اور بقول محمد حارث بدخشی سنہ ۱۰۳۵ ہجری (۱۶۲۶ ع) میں آگرہ میں انتقال کیا . فرہنگِ جہانگیری ہندوستان کے مغل بادشاہ نور الدین جہانگیر بن جلال الدین اکبر کے نام معنون ہے .

رشیدی^(۱) عظیمی عجم میں سے نہیں۔ ہند انکا مولد۔ ماخذ انکا اشعار قدما۔
ہادی انکا ان کا قیاس۔ ٹیک چند^(۲) اور سیالکوٹی مل^(۳) انکے پیرو۔
سبحان اللہ ہندی بھی، اور ہندو بھی! نور علی نور!!

فقیر اشعار قدما کا معتقد۔ اون لوگوں کے کلام کا عاشق۔ مگر
جو لغات اونکے کلام میں ہیں، اوسکے معنی تو اہل ہند نے اپنے قیاس سے
نکالے ہیں۔ میں انکے قیاس پر کیونکر تکیہ کروں۔ اب جو پیر و مرشد نے لکھا
کہ «ارتنگ و ارژنگ متحد المعنی اور آشیان ساختن و بستن و چیدن گھونسل
بنانے کے معنی پر ہے»، تو میں نے بے تکلف مان لیا۔ لیکن نہ اون صاحبوں
کے قیاس کے بموجب، بلکہ اپنے خداوندِ نعمت (رکے)^(۴) حکم کے مطابق۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
انصاف کا طالب غالب۔ ۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء^(۵)۔

(۱) شیخ رشید کا نام عبد الرشید الحسنی ہے۔ انکی آبا و اجداد مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ یہ خود شہر
ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے۔ منتخب اللغات اور فرہنگ رشیدی انکی تصنیف ہیں۔ خزائن عامرہ (ص ۴۴)،
نولکشور پریس) میں انکا سال وفات ۱۰۷۷ ہجری (۱۶۶۶ ع) لکھا ہے۔

(۲) لالہ ٹیکچند ہار تلخص ہار عجم کے مولف ہیں۔ یہ خان آرزو متوفی سنہ ۱۱۶۹ ہجری (۱۷۵۵ ع) کے شاگرد
اور اردو، فارسی کے شاعر تھے۔

(۳) سیالکوٹی مل و ارستہ تلخص مصطلحات شعرا کے مصنف ہیں۔ یہ میر محمد علی رائج سیالکوٹی
متوفی سنہ ۱۱۴۹ھ (۱۷۳۶ ع) کے شاگرد تھے۔

(۴) بیان لفظ دک، ساقط ہو گیا ہے۔ آئندہ عریضہ میں مرزا صاحب نے اس عبارت کو دہرایا ہے۔
وہاں یہ لفظ موجود ہے۔ اسٹی میں نے بریکٹ میں بڑھا دیا۔

(۵) اصل خط میں سہو ۱۷ تاریخ درج ہو گئی ہے۔ صحیح سات ہے۔ اسٹی کے اولاً تو خود میرزا صاحب
ہے نے اس خط کے لفافہ پر ۸ اکتوبر تاریخ لکھی ہے۔ جسکو یہ معنی ہیں کہ تاریخ کتابت کے
دوسری دن یہ خط پوسٹ کیا گیا تھا۔ ثانیاً نواب خلد آشیان نے اس خط کا جواب، جو آگے
آ رہا ہے، تیرہ اکتوبر کو دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس خط کا جواب تیرہ کو لکھا جاؤ وہ
خود سترہ کا مکتوب نہیں ہو سکتا۔ میرزا صاحب کے عریضہ کے بعض کنایات سے ناخوش
ہو کر نواب صاحب نے جواباً تحریر فرمایا: «... مکتوب حیرت اسلوب شعر اختراع معنی غلط نسبت
ہندی نژادان پیشین و دیگر اعتراضا، و این کہ راقم را ضریقہ بحث یاد نیست، موصول مطالعہ گشتہ،
باعث استعجاب عظیم گردید۔ از آنجا کہ تا حال ورائی تحقیق و تنقیح امور علمیہ، کہ معاذ اللہ از
مناظرہ و مناقشہ بچشم حق بین دوری نماید، امری دیگر بظہور نیامده۔ و آنچه حالی خاطر م بود
بی ریب و رنج حوالہ قلم دقائق سنج گردیدہ۔ لیکن می نازم بر ذہن موشگاف آن فرید زمان کہ (باقی)

(۷۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . آج سہ شنبہ ۱۶ ماہ اکتوبر کے دن کو بارہ بجے کھانا کھا کر بیٹھا تھا ، کہ توقیعِ وقیع آیا . پڑھتے ہی کانپ اوٹھا ، اور عالم نظر میں تیرہ و تار ہو گیا . اگر حضور کے ارشادات کو بحث تعبیر کیا ہو ، تو مجھے جنابِ الہی اور حضرت رسالت پناہی کی قسم ! اگرچہ فاسق و فاجر ہوں ، مگر وحدانیتِ خدا اور نبوتِ خاتم الانبیاء کا بدل معتقد اور بزبانِ معترف ہوں . خدا و رسول کی قسم جھوٹی نکھاؤنگا . انکارِ بحث سے مراد یہ تھی ، کہ شعرایِ ہند کے کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں ، یا ہندی فرہنگ لکھنے والوں کے بیان میں جو نادراستی ، اور باہم جو اونکے عقول میں اختلاف ہیں ، اوس میں کلام نہیں کرتا . اپنی تحقیق کو مانے ہوئے ہوں . اوروں سے مجھے بحث نہیں . باہمہ ضعفِ حافظہ یاد ہے کہ آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ » ان دونوں باتوں کو میں نے مانا . لیکن نہ فرہنگ لکھنے والوں کی رائے کے بموجب . بلکہ اپنے خداوند کے حکم کے

(بقیہ) نوشتہ ام را بر بحث و اجتہاد محمول نموده . امثال این کنایہ های تو ، مثل نسبت استادی بجانب راقم ، و لفظ بحث ، کہ ہر دو خلاف واقع و مورث رنج و عشا است ، نگاشتند . پس اگر آن مشفق را ہمچنین منظور باشد ، اشارت سازند کہ واسطۂ ترسیل رسائل از فیما بین برداشته شود . ورنہ بنان خامہ را بامور خارج المبحث تکلیف نداده باشند ، کہ نتیجہ اش سواى صداع الراس امری بخیال نمی رسد . و راقم پایۂ اعتبار محققان کہ صاحب تصانیف مقبول انام بردہ اند ، از خود زیادہ دانستہ بحوالۂ کلام شان پرداختہ . اگر نزد آن صمیم جاوید آتہا قابل قبول نبود ، بایست کہ بہرمان نمط تحریر میساختند . مصلحت اینقدر اطناب سخن از فہم ہمو جو منی بیرون . زیادہ ازین نوشتن حکمت بلقان آموختن است . المرقوم ۳ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۸۳ ہجری مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع . چونکہ نواب صاحب کی اس فرمان سی اظہار ناخوشی و ناراضگی ہوتا تھا . میرزا صاحب نے فوراً معذرت نامہ مورخہ ۱۶ ماہ اکتوبر لکھ کر طلب عفو کیا . نواب صاحب نے معذرت قبول کرتے ہوئے تحریر فرمایا : » حالا کہ آن مہربان بتاویلس پرداختند از آن دفع شکوک لاحقہ گردید . خاطر لطف مظاہر مقرون جمعیت باشند . المرقوم ۲۱ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۸۳ ہجری مطابق ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع . لیکن اس کے بعد نواب صاحب نے پھر کوئی نثر اصلاح کیلئے نہیں بھیجی . جسکو یہ معنی ہیں کہ ان کی طبیعت کا تکدر کلیۂ دور نہیں ہوا .

مطابق » . یہ کلمہ موجب عتاب نہیں ہو سکتا . اور اگر اسکو گناہ سمجھا جائے . « آخر گناہگار ہون کافر نہیں ہون مین » . گناہ معاف کیجئے اور نویدِ عفو سے مجکو تقویت دیجئے .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار عفو کا طالب غالب .

(۷۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . حضور کے لشکرِ نصرت اثر کا بسپہ سالاریِ نوابِ معلی القاب جناب مہدی علیخان بہادر^(۱) اکبر آباد پہنچنا، اور خیامِ فلک احتشام کا وہان نصب ہونا، اور رامپور سے اکبر آباد تک گھوڑوں کی ڈاک کا بیٹھنا، اور حضرت کا سنبھل تک بسبیلِ ڈاک تشریف لیجانا، اور وہان مزاجِ اقدس کا ناساز ہونا، اور دار السلطنت کو معاودت فرمانا، یوماً فیوماً مسموع ہوا . غرض اس عرضداشت کی تحریر سے یہ ہے ، کہ حصولِ جواب سے آبرو، اور خیریت و عافیتِ مزاجِ مبارک سے عز و اطلاع پاؤں .

اخبار مین مسطور ، اور شہر مین مشہور ہے ، کہ حضرت اجلاسِ کونسل کیواسطے حسب الحکمِ گورنمنٹ کلکتہ کو تشریف لیجائیں گے . نمکخوار دعا گوئی و مدح گستری مین بہانہ طلب رہتا ہے . اس تقریب کا ایک قطعہ تاریخ سنہ ۱۸۶۶ عیسوی رقم کیا ہے . عرض کرتا ہوں . اگر پسند آئے تو اجازت ملجائے کہ اسکو کسی اخبار مین چھپوا دوں^(۲) :

(۱) صاحبزادہ سید مہدی علیخان بہادر ، نواب سید غلام محمد خان بہادر کو پوتی ، صاحبزادہ سید حفیظ اللہ خان بہادر کی بیٹی ، اور نواب خلد آشیان کو چچا تھی . شعر و سخن کا شوق تھا اور تحفہ تخلص کرتی تھی . ابتدا مین نواب فردوس مکان سی تلمذ تھا . آخر مین میر احمد علی رسا کو شاگرد ہوؤ . ۴۷ برس کی عمر پائی . ستائیسویں ماہ رمضان کو سنہ ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ع) کو رحلت فرمائی ، (انتخاب یادگار ، صفحہ ۳۸۴ ، و تاریخ لطیف ، صفحہ ۲۲۹) .

(۲) نواب خلد آشیان بہادر کی کلکتہ تشریف لیجانیکی متعلق صاحب اخبار الصنادید (ج ۲ ، ص ۱۴۰) ذ لکھا ہی کہ : « مثر جان انگلس صاحب کثرت و ایجنٹ ریاست فی نواب سید کلب علی خان سی (باقی)

قطعه

چو نواب از بہر اجلاسِ کونسل بہ کلکتہ از رامپور آورد رخ
عدو را بگیر و بکش زود وی را بجو سالِ اجلاس از «بختِ فرخ»
چو گویند کرکشتنِ وی چہ خواہی بگو حذفِ اعدادِ «وی» اینت پاسخ

اینٹ لغتِ پارسی ہے، مرادفِ خے و زہے۔ اور قتل کا مشارالہ
لفظ (وی) ہے جس کے ۱۶ عدد ہیں۔ اور (وی) کا مشار (عدو) ہے۔ «بختِ
فرخ» کے ۱۸۸۲۔ جب اس میں سے ۱۶ کم کئے تو ۱۸۶۶ رہے۔ زیادہ حدِ ادب۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
(۱۸ نومبر سنہ ۱۸۶۶) (۱)۔

(بقیہ) ہونہاری و بلند اقبالی کے آثار دیکھ کر بہت جلد آئرل ایڈمنڈ ٹریننڈ صاحب لفٹنٹ گورنر صوبجات
متحدہ کے حضور میں رپورٹ کی۔ اور انہوں نے لارڈ لارنس صاحب گورنر جنرل کی خدمت میں
نواب سید کلب علیخان کی لیاقت خدا داد کی اطلاع کی۔ گورنر جنرل نے باظہار مسرت مثل نواب
سید یوسف علیخان کے نواب سید کلب علیخان کو بھی ایجسائیٹو کونسل میں ممبر تجویز کیا۔ نواب صاحب نے
ہنگام استمراج باوجود ناچاقی طبیعت و ضعف باقتضای عزم بلند میری قبول کی۔ ۲۰ شعبان سنہ ۱۲۸۳
ہجری مطابق ۲۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو رامپور سے علیگڑھ تک گاڑی کی ڈاک میں اور علیگڑھ سے
کلکتہ تک تخمیناً پانسو ہمراہیوں کیساتھ ریل کے ذریعہ سے گئی۔ اثناءِ راہ میں کانپور، الہ آباد،
اور بنارس وغیرہ ہر مقام پر حکام نے استقبال کیا اور سلامی سر ہوئی۔ مراجعہ ایسری پرشاد
نرائن سنگھ صاحب جی، سی، ایس، آئی والی کاشی تریس نے بنارس میں بنظر اتحاد قدیمی
دھوم سے دعوت کی۔ کلکتہ میں گورنر جنرل کی طرف سے بطرز مرغوب استقبال ہوا۔ سلامی سر
ہوئی۔ آب و ہوا کی کلکتہ نے انکو مزاج سے بھی مخالفت کی۔ اور طبیعت جادۂ اعتدال سے منحرف
رہی۔ پھر بھی کونسل میں کئی اجلاس کئے۔ جب ناسازی زیادہ بڑھی تو حسب اصرار گورنر جنرل
ڈاکٹر بیلی سے علاج شروع ہوا۔ ڈاکٹر کی رائے ہوئی کہ آب و ہوا یہاں کی انکو مخالف ہے۔ بلکہ
قیام کلکتہ سے امراض شدید لاحق ہونیکا اندیشہ ہے۔ مگر نواب صاحب نے اسی قبول نکلیا۔ جب
گورنر جنرل کو اسکا علم آیا، تو بمقتضای محبت خاص بکال اصرار واپس کیا۔ ۲۷ رمضان سنہ
۱۲۸۳ ھ مطابق ۳ فروری سنہ ۱۸۶۷ ع کو کلکتہ سے رامپور واپس ہوئے۔ میرزا صاحب کے عربضہ
نمبر (۷۵) کے لفافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب محلۂ کاشی پور کے مکان نمبر ۵ اور ۷ میں
قیام فرما ہوئے تھے۔ مرزا صاحب کا قطعہ تاریخ حسب الحکم حضور اخبار دہدبہ سکندری میں طبع
ہوا اور ۳۰ نومبر کو اسکی اطلاع ان الفاظ میں میرزا صاحب کو دی گئی: «تاریخ مذکورہ کہ بر
ظرنو و عہد المثال است در اخبار دہدبہ سکندری رامپور طبع گردیدہ شد»۔
(۱) خط میں کاتب کا نام اور تاریخ درج نہیں۔ میں نے قوسین میں لفافہ کی تاریخ اضافہ کر دی ہے۔

(۷۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . ایک عرضداشت بھیج چکا ہوں . اوسکا جواب نہیں پایا^(۱) . امیدوار ہوں کہ اس عرضداشت کے جواب سے محروم نہ رہوں . کل دن کو دس بجے سنا کہ عالیجناب نواب مہدیعلیخان بہادر بسواری ریل آئے ، اور املی کے محلے میں ٹہرے ہیں . کھانا کھا کر فوراً سوار ہوا . وہاں جا کے سنا کہ نوابصاحب ریل کے اسٹیشن پر گئے ہیں . گھنٹا بھر بیٹھا رہا کہ حضرت آئے . آگے غازی آباد کے اسٹیشن پر سے سواری ہوتی تھی . اب ولی محمد سوداگر کی کوٹھی کے پاس سے^(۲) ، جو بیگم کے باغ کے عقب ہے ، نیا اسٹیشن قرار پایا ہے . سو صاحبزادہ صاحب نے آپ کے حضور میں اطلاع کی ہے . دیکھئے حضرت غازی آباد سے سوار ہوتے ہیں یا شہر میں سے . واسطے خدا کے مجھ کو اپنے روزِ ورود و وقتِ ورود سے اطلاع بخشیں . اور اس عرضی کا جواب ایسا جلد عنایت ہو کہ فقیر بے سر و سامان اپنا سامان درست کر رکھے^(۳) .

حضرت کی توجہ باطنی ، جو ہمیشہ میری مصلح حال اور افزایشِ عز و وقار کی کفیل ہے ، بعد ادائیِ شکرِ الہی اوسکا سپاس بجا لاتا ہوں . پیش از غدر گورمنٹ کے دربار میں ۷ پارچے ، اور جیغہ ، سرپینچ ، مالای

(۱) میرزا صاحب نے جس عرضداشت کا حوالہ دیا ہے وہ اور اوسکا جواب دونوں مثل میں موجود نہیں . غالباً نوابصاحب کی حضور تک نہ پہنچی .

(۲) یہاں لفظ (می) زیادہ معلوم ہوتا ہے .

(۳) اس عریضہ کی جواب میں ۲۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو نواب خلد آشیان نے تحریر فرمایا : ... چون راقم عنقریب روانہ کلکتہ می شود . چنانچہ برای انتظام گاڈیہای ریل رفعت و عوالی مرتبت محمد اصغر علی خان رساندار را روانہ آنجا نموده شد . و هنوز تاریخ رسیدن بمقام اسٹیشن ریل دہلی مقرر نگشتہ ، لہذا حوالہ خامہ مودت نگار می شود ، کہ حال تقرر تاریخ رسیدن آنجا از خان معزی الیہ دریافت نموده شود . بہت ممکن ہے کہ مرزا صاحب نے اصغر علی خان صاحب رساندار سے تاریخ دریافت کی ہو . لیکن مجھے اسکا کوئی ثبوت نہیں مل سکا .

مروارید، تین رقیں جواہر کی جھکو مائی تھیں۔ بعدِ غدر اگرچہ پنسن اور دربارِ بحال رہا، لیکن خلعت موقوف ہو گیا۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب^(۱) کا کل ۱۲ پر چار بجے دربار تھا۔ حکم سب دربارداروں کو پہنچ گیا تھا۔ مین نواب مہدی علیخان صاحب کو رخصت کر کے گھر آیا۔ دو گھنٹے کے بعد دربار مین گیا۔ خیال یہی کہ ملاقات ہوگی۔ ایک رباعی کاغذِ مذہب پر لکھی ہوئی نذر کرونگا۔ کلماتِ عنایت سنکر چلا آؤنگا۔ نہ مجھے کچھ احتمال۔ نہ صاحبِ کمشنر بہادر شہر کو علم۔ بارے بر وقتِ ملاقات تعظیم معمولی اور مصافحہ کر کے لاژد صاحب نے کھڑے کھڑے جیغہ، سرپیچ میری ٹوپی پر باندھا۔ اور فرمایا »یہ ہم نے آپ کے واسطے رکھا تھا«۔ مالای مروارید میر منشی نے گلے مین ڈال دی۔ یہ پارچے سات مرحمت ہوئے۔

دوشالہ، ۱۔ کنخواب کا تھان، ۱۔ بنارسی تھان سنہری بوٹے، ۱۰۔ بنارسی سیلا، ۱۔ الوان کی چادر کنارہ کلابتون، ۱۔ کناویز کا تھان، ۱۔ الوان کی چادر بے کنارہ، ۱۔ مین اس عطیہ کو آپ کی بخششِ معنوی سمجھا ہوں۔ اور دوسری بخشش، یعنی اس خط کے جواب کے جلد حاصل ہونے، کا متوقع ہوں۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار پرس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
عرضداشت کے جواب کا طالب غالب۔ روزِ سہ شنبہ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ء۔

(۱) سر ڈائل میکلوڈ صاحب مراد ہیں۔ یہ لفٹنٹ جنرل ڈکن میکلوڈ کو ہان فورٹ ولیم، کلکتہ، مین ۶ جون سنہ ۱۸۱۰ ع کو پیدا ہوئے۔ ولایت جاکر تعلیم پائی۔ سنہ ۱۸۲۸ ع مین ہندوستان واپس ہوئے، اور صوبہ بنگال مین ملازمت اختیار کی۔ ۱۸۳۱ ع سی ۱۸۴۹ ع تک اضلاع ساگر و نربدا، اور بنارس مین رہے۔ ۱۸۵۴ ع مین پنجاب کو جوڈیشل کمشنر ہوئے۔ غدر سنہ ۵۷ ع مین لاہور مین تھے۔ ۱۸۶۵ ع سی ۱۸۷۰ ع تک پنجاب کو لفٹنٹ گورنر رہے۔ اور ۲۸ نومبر سنہ ۱۸۷۲ ع کو لندن کی زمین دوز ریل کو ایک حادثہ سی انتقال کر گئے۔ یہ مشرقِ علوم و فنون کو بڑی حامی تھی، اور چاہتی تھی کہ دیسی زبانوں مین مغربی علوم کی تعلیم دی جائے۔ پنجاب یونیورسٹی انہی ذ قائم کی ہے۔

(۷۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . حضرت کا رونق افزای کلکتہ ہونا از روی شمار رفتار ریل یقینی ہے . مگر وہاں کی آب و ہوا کا موافق آنا ، اور جناب لاژد صاحب بہادر^(۱) سے ملاقات کا ہونا ، اور اجلاس کونسل کا وقوع میں آنا ، یہ امور جب تک حضرت رقم نفرمائینگے ، دعا گو کے خیال میں کیوں کر آئینگے . ناچار جرات بہم پہنچا کر اس عرضداشت کے جواب میں ان حالات کے انکشاف کا امیدوار ہوں^(۲) .

پیر و مرشد ! حضرت کے تصدق سے قرض ادا ہو گیا . تنخواہ نے قسط سے ، اور میں نے رنج سے رہائی پائی . ہم بدل و ہم بزبان ثناخوان جود و نوال ، و دعا گوی دوام دولت و اقبال ہوں . آدھا قرض عطیہ سابق میں ، اور آدھا قرض عطیہ حال میں ادا ہو گیا . کہ نہیں سکتا ، اور بن کہے بنتی نہیں . اگر دونوں لڑکوں کا پچاس روپے مہینہ جنوری سنہ ۱۸۶۷ یعنی ماہِ حال و سالِ حال سے جاری ہو جایگا اور ماہِ بماء فقیر کے روزینہ کے ساتھ پہنچا کریگا تو آپ کا نمکخوار پھر کبھی قرضدار نہوگا . زیادہ حدِ ادب^(۳) .

(۱) لاژد لارنس مراد ہیں ، جو ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۶۴ ع ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۶۹ ع تک ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر جنرل رہے تھے .

(۲) اس سلسلہ میں نواب خلد آشیان فی ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۶۷ ع کو تحریر فرمایا : « مشفقاً ! مخلص بخیریت تمام بتاريخ ۶ جنوری سنہ حال فائز مقام کلکتہ گردید . و ملاقات جناب مستطاب معی القاب نواب گورنر جنرل بہادر دام شوکتہم و دیگر صاحبان عالیشان و نیز اجلاس کونسل بعنوان شایستہ و طرز بایستہ پیایہ حصول رسید » .

(۳) دونوں لڑکوں سی باقر علی خان اور حسین علی خان مراد ہیں . یہ دونوں زمین العابدین خان عارف ، مرزا غالب کے متنبی بیٹی کے لڑکے تھے . میرزا صاحب چاہتے تھے کہ ان دونوں کو ریاست رامپور کا باقاعدہ وظیفہ خوار بنا دیں . لیکن ان کی زندگی میں یہ خواہش پوری نہ ہوئی . البتہ میرزا صاحب کے انتقال کے بعد حسین علیخان بزمرة شعرا ملازم ہو گئے تھے .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
فیض کا طالب غالب . معروضہ ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۷^(۱) .

(۷۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . بہت دن تک متردد رہا ، کہ حضرت
کلکتے ہین یا رامپور . چنانچہ ایک عرضداشت اوسی تردد مین بھیجی بھی
ہے . هنوز جواب کے آنے کی مدت منقضى نہیں ہوئی . خیر اوسکے جواب
پر کیا موقوف ہے . یہ تو جان لیا کہ حضرت رونق افزای رامپور ہین . مگر
یہ کیونکر جانوں^(۲) کہ اب بہ خجستگی و فرخندگی یہین رونق افزا رہینگے ،
یا پھر کلکتے تشریف لیجائینگے . خیر اس بیعلی کو سہل سمجھ لیا کہ جو کچھ
ہوگا معلوم ہو جایگا . مگر یہ کیونکر جانوں کہ مزاج اقدس کیسا ہے . اور
جب تک یہ نجانوں تو آرام کیونکر آئے . یہاں سے رامپور تک برابر تار برقی
بھی نہیں جو خبر منگواؤں . آج ۱۴ فروری کی ہے . یہ خط بھیجتا ہوں .
اگر جواب آئے تو ۹ دن مین . بجکو اتنے دن صبر کیونکر آینگا . الہی آج یا
کل کوئی نواز شنامہ خداوند کا آجائے ! زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
خیر کا طالب غالب . ۱۴ فروری سنہ ۱۸۶۷^(۳) .

(۷۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . توقیع عطوفت عز وود لایا . (سو روپیہ

(۱) میرزا صاحب نے یہ عریضہ کلکتہ کو پتہ سے لکھا تھا . چنانچہ لفافہ پر د کلکتہ . محلہ کاشی پور .

خانہ لمبر ۷ اور لمبر ۵ ، ایڈریس تحریر ہی .

(۲) اصل خط مین سہوا (جاؤں) رقم ہو گیا ہی .

(۳) لفافہ پر ۱۵ فروری درج ہی . غالباً دوسری دن پوسٹ کیا گیا تھا .

تنخواہ^(۱) فروری سنہ ۱۸۶۷ حال کا معرضِ وصول میں آیا۔ اس درویش کا حال اب قابلِ گزارش نہیں۔ امراضِ قدیم بڑھ گئے۔ دورانِ سر، اور رعشہ، اور ضعفِ بصر، تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا، لڑکوں سے بنوا لیتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی۔ ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہے۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
زیادہ حدِ ادب۔ نجات کا طالب غالب۔ ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۷۔

(۷۸)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیم معروض ہے۔ کل صبح کو دو گھڑی دن چڑھے نوروز ہے۔
آج یہ قطعہ ہات تھام کر لکھکر حضور کی نذر بھیجتا ہوں۔
نوروز و دو عید از دو جانب امسال خوب ست زروی وضع و نیک ست بقال
امید کہ این سہ عید نذرِ نواب آرند دوامِ عمر، و عز، و اقبال
تم سلامت رہو قیامت تک
دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔ چار شنبہ ۲۰ مارچ سنہ ۱۸۶۷۔

(۷۹)

حضرت ولیِ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
بعدِ تسلیم و تعظیم معروض ہے۔ ہنڈویِ ملفوفہ نواز شنامہ کے ذریعہ
سے سو روپیئے مارچ کی تنخواہ کے وصول ہوئے۔

(۱) بریکٹ کی عبارت میرزا صاحب سے سہواً چھوٹ گئی تھی۔ میں نے دیگر عرایض سے ایزاد کر دی ہے، تاکہ کلام تمام ہو جائے۔

ایک رباعی بھیجتا ہوں، اور یہ چاہتا ہوں، کہ دبدبہ سکندری کے آغاز میں اس کے چھاپنے کا التزام رہے۔

آن کیست کہ جسم ملک راجان باشد آن کیست کہ ہمسر سلیمان باشد
آن کیست کہ انجمش بفرمان باشد کس نیست مگر کلب علی خان باشد

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب . ۶ اپریل سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے۔ نمائش گاہ سراسر سور رامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں، اور خونِ جگر کھاتا ہوں، کہ ہائے میں وہاں نہیں! بالاخانہ پر رہتا ہوں۔ اوتر نہیں سکتا۔ مانا کہ آدمیوں نے گود میں لیکر اوتارا، اور پالکی میں بٹھادیا۔ کھار چلے۔ راہ میں نہ مرا، اور رامپور پہنچ گیا۔ کھاروں نے جا کر بینظیر میں میری پالکی رکھ دی۔ پالکی قفس، اور میں طائر اسیر۔ وہ بھی بے پرو بال۔ نہ چل سکون۔ نہ پھر سکون۔ جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں، یہ سب بطریقِ فرضِ محال ہے۔ ورنہ ان امور کے وقوع کی کہاں مجال ہے۔ بارے تین بیت کا قطعہ تاریخ بھیجتا ہوں۔ اگر پسند آئے، تو میں خوشنودی مزاجِ مبارک سے اطلاع پاؤں^(۱)۔

(۱) انتخاب یادگار (ص ۹۰) اور اخبار الصنادید (ج ۲، ص ۱۳۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب خلد آشیانہ سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق سنہ ۱۸۶۵ ع میں باغ بینظیر کی نمائش کا آغاز کیا۔ مؤخر الذکر لکھتے ہیں: "سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق سنہ ۱۸۶۵ ع میں باغ بینظیر میں ایک میلہ جاری کیا۔ آٹھ روز بڑی رونق سے یہ میلہ رہتا تھا۔ مال بکثرت آتا تھا۔ باغ میں بہت سی دوکانیں ہوتی تھیں اور دھولکھنڈ کی اکثر معزز روسا اس میلے میں شریک ہوا کرتے تھے۔ نواب صاحب خود بھی آٹھ روز برابر وہیں مقیم رہے۔ اور اکثر اوقات دوکانوں پر تشریف لیجا کر اسباب خریدتی۔ قسم قسم کی جلسی، طرح طرح کی تماشی ہوا کرتی تھی۔ بائیس میلے نواب صاحب نے کیے۔ تیسواں میلہ قریب تھا کہ رحلت کی"۔

نمایشگہے در خورِ شانِ خویش برآراست نوابِ عالی جناب
 بہ بین چون طرب را نہایت نمائد بود سالِ آن «بخششِ یحساب»
 خدایا! پسندد خداوندگار کہ از طبعِ غالبِ رود پیچ و تاب
 «بخششِ یحساب» کے بارہ سو پچاسی ہوتے ہین۔ «طرب» کی نہایت بای
 موحده ہے۔ جب وہ نہی، تو دو عدد گھٹے، اور ۱۲۸۳ رہ گئے۔ فہو المقصود۔
 اگر حضرت کی مرضی ہو، تو دبدبہ سکندری مین یہ تاریخ چھاپی جائے۔
 تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
 داد کا طالب غالب۔ ۱۴ ماہِ اپریل سنہ ۱۸۶۷ عیسوی۔

(۸۱)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
 بعدِ تسلیمِ معروض ہے۔ توقیعِ وقیعِ عزّ و رود لایا۔ اپریل سنہ
 ۱۸۶۷ کی تنخواہ کا سو روپیہ^(۱) معرضِ وصول مین آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔
 تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
 نجات کا طالب غالب۔ (۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۷)^(۲)۔

(۸۲)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔
 بعدِ ادائیِ مدارجِ تسلیم سو نچتا ہون، کہ کیا لکھون۔ ہرے ہرے مین
 کیون جیتا رہا، جو صاحبزادہ محمد حسن خان کے مرنے کی خبر سنون،
 اور خداوندِ نعمت کو تعزیت کے کلمات لکھون۔ مین نیم جان نمرون، اور
 وہ نوجوان مر جائے^(۳)۔

(۱) میرزا صاحب فی لفظ (روپیہ) کو اوپر حسابی رقوم مین سو روپیہ کی تعداد لکھی ہی۔

(۲) خط مین تاریخ درج نہیں تھی۔ مین فی لفاظہ سو یہ تاریخ اضافہ کردی ہی۔

(۳) صاحبزادہ محمد حسن خان بہادر نواب سید غلام محمد خان بہادر کو پرپوتی اور نواب خلدِ آشیان کی

صاحبزادی حیات النساء بیگم ملقب بہ عالیہ سلطان بیگم کی شوہر تھی۔ انھون فی عینِ عالمِ جوانی مین
 انتقال کیا۔ نواب خلدِ آشیان کیلئے یہ واقعہ بہت روح فرسا تھا۔ اسلئے میرزا صاحب فی اسقدر

پرائر تعزیت نامہ ارسال کیا (اخبار الصنادید۔ ج ۲۔ ص ۲۳۰)۔

سرورِ چمنِ سروری افتاد ز پاہای !!

حضرت کے رنج و اندوہ کا تصور اور مارے ڈالتا ہے۔ دوسری محرم کو علی بخش خان خانسامان مرے^(۱)۔ تیسری کو یہ واقعہ ہوشربا پیش آیا۔ یہ تو آپ کا فرزندِ دلبد تھا۔ جو اسکا غم ہو وہ بجا ہے۔ پر فقیر جانتا ہے کہ علی بخش خان کے مرنے کا بھی حضرت کو بڑا رنج ہوا ہوگا۔ ایسے کار گزار، دیانتدار، ہوشمند، مزاجدان کہان پیدا ہوتے ہیں۔ بہر حال «رَضِیْنَا بِرِضَاءِ اللہِ»۔ حضرت کے سامنے صبر، وثبات، و تسلیم، و رضا میں کلام کرنا ادریس کو حکمت پڑھانی، اور خضر کو راہ بتانی ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
غالب۔ ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۷۔

(۸۳)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ ورودِ توقیعِ وقیع سے فیض پایا۔ سو روپیے^(۲) مئی سنہ ۱۸۶۷ کی تنخواہ کا معرضِ وصول میں آیا۔
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
اسد اللہ بیدستگاہ۔ ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۷۔

(۸۴)

حضرت ولیٰ نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے، کہ توقیعِ وقیع عزّ ورود لایا۔ اوسکی ملفوفہ ہنڈوی سے تنخواہ جون سنہ ۱۸۶۷ کا سو روپیہ میں نے پایا۔

(۱) علی بخش خان خانسامان کی سلسلہ میں عریضہ نمبر ۲۴ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

(۲) میرزا صاحب ذیہان لفظ (روپے) کیساتھ، جو جمع ہی، فعل (آیا) استعمال کیا ہی۔ چونکہ یہ قواعد زبان کی بہت ابتدائی غلطی ہی، اسلئے اسے یہ تصور کرنا چاہئے۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
ہوا خواہ اسد اللہ . ۱۵ جولائی سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . بموجب تحریر میرزا رحیم الدین بہادر حیا^(۱)
کے ، فاضل شطرنج باز کو خرچ دیکر روانہ کیا .

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
اسد اللہ بیدستگاہ . ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۷ .

(۸۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . آپ کے غلام زر خرید ، یعنی حسین علیخان ،
کی منگنی ہو گئی . اور اپنے کنبے مین ہوئی . یعنی نواب احمد بخش خان
مرحوم کے حقیقی بھائی کی پوتی سے . اور رجب کا مہینا قرار پایا . اب میرے
بڑھاپے اور میری مفلسی کی شرم آپ کے ہات ہے .

نکھون آپ سے تو کس سے کہوں مدعا ضروری الاظہار

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب . ۱۹ اگست سنہ ۱۸۶۷ ع^(۲) .

(۱) صاحب عالم میرزا رحیم الدین بہادر حیا بن مرزا کریم الدین رسا دلی کے شاہزادہ اور شاہ نصیر کے شاگرد
تھے . سنہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے . غدر سنہ ۵۷ ع سے قبل نواب فردوس مکان کی طلب پر رامپور
تشریف لاؤ ، اور یہیں سنہ ۱۳۰۴ھ میں نواب خلد آشیان کی وفات کے آٹھ دن بعد ۹۴ سال کی عمر میں
فوت ہوئے . انہیں شعر و شطرنج کا بہت شوق تھا . اردو معلی (صفحہ ۸۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ
مرزا صاحب نے حیا کو دیوان کا دیباچہ لکھا تھا .

(۲) اس عریضہ کے لفافہ پر سہوا ۲۹ اگست درج ہو گیا ہے . نواب خلد آشیان نے ۲۶ ربیع الثانی سنہ
۱۲۸۴ھ مطابق ۲۸ اگست سنہ ۱۸۶۷ ع کو جواباً تحریر فرمایا : چونکہ مفاوضہ بہت طرازی سے
منشای خاص آپ کا بخوبی منکشف نہوا . اس واسطے حوالہ خامہ محبت نگار کو ہوتا ہے ، کہ آپ خلاصہ
مکون خاطر محبت مظاہر سے مطلع کیجئے . کہ بتقاضی انضباط روابط موانست قدیمہ جو بات کہ
ممکن ہوگی ، وہ ظہور میں آئیگی . خاطر جمع رکھو .

(۸۷)

آن کیست کہ جسم ملک را جان باشد آن کیست کہ همسرِ ساسیان باشد
 آن کیست کہ انجمش بفرمان باشد کس نیست، مگر کلبِ علیخان باشد
 حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ عترِ ورود لایا۔ اوس میں یہ حکم
 مندرج پایا، کہ حسین علیخان کی شادی کے باب میں «خلاصہ مکنونِ خاطر»
 عرض کروں۔ حکم بجا لاتا ہوں، اور عرض کرتا ہوں۔

بجملہ یہ کہ میں درِ دولت کا گدایِ خاک نشین، اور وہ آپ کا غلام۔
 تفصیل یہ کہ میرے پاس نقد، جنس، اسباب، املاک، اور میرے گھر میں
 زیورِ زرینہ و سیمینہ کا نام و نشان نہیں۔ ہت اودھار قرض کوٹی دیتا نہیں۔
 آپ روپیہ عنایت فرمائیں، تا یہ کام سر انجام پائے، اور بوڑھے فقیر کی
 برادری میں شرم رہ جائے۔

دوسری بات یہ کہ سو روپیئے آپ کی سرکار سے بطریقِ خیرات اور
 باسٹھ روپیئے آٹھ آنے^(۱) مہینا انگریزی سرکار سے بعوضِ جاگیر پاتا ہوں۔
 عالم الغیب جانتا ہے، کہ اس میں میرا بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے۔ بہو کو
 کہان سے کھلاؤنگا۔ حسین علیخان کی کچھ تنخواہ مقرر ہو جائے۔ لیکن
 توقیعِ تنخواہ اوس کے نام جاری نہو۔ بلکہ اوس کی زوجہ حُسن جہان بیگم
 بنتِ اکبر علیخان کے نام وہ تنخواہ مقرر ہو، اور اوس کی مہری رسید سے
 ملا کرے۔ زرِ مصرفِ شادی کی مقدار اور تنخواہ کی مقدار جو خداوند
 کی ہمت اور اس کنگال اپاہج کی قسمت۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

(۱) یہاں میرزا صاحب نے صرف حسابی رقم لکھی ہو۔ میں نے مہولت طباعت کے خیال سے رقم کو الفاظ
 میں تبدیل کر دیا ہو۔

نجات کا طالب غالب . ۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۷^(۱) .

(۸۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . عنایت نامہ عَزَّ وُرود لایا . اللہ اکبر !
حضرت نے غمخواری و تفقد و درویش نوازی کو اوس پایہ پر پہنچایا ، کہ
شاہانِ عجم میں سلطان سنجر^(۲) نے اور شاہانِ ہند میں شاہجہان^(۳) نے ملازمن
کی اتنی پرسش اور نوازش کی ہوگی . باقر علیخان^(۴) کی شادی نواب

(۱) اس عریضہ کے جواب میں نواب خلد آشیان نے تحریر فرمایا تھا : چونکہ آن مشفق تعداد
مصارف شادی مجوزہ خود تحریر نموده اند ، لہذا حوالہ خاتمہ محبت نگار میشود ، کہ اول از تعداد
مصارف شادی مطلع نمایند . بعد دریافت آن درین خصوص تجویز مناسب بعمل خواهد آمد ، چراکہ
بمقتضای موانست و اتحاد قدیمہ راقم را خوشنودی آن مہربان در امور مناسبہ مد نظر است المرقوم
۱۸ جمادی الاول سنہ ۱۲۸۴ ہجری مطابق ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ ع .

(۲) سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی سنہ ۵۱۱ھ (۱۱۱۷ ع) میں بادشاہ ہوا ، یہ بڑا اولوالعزم اور
صاحبِ جود و کرم بادشاہ تھا . اگرچہ آخر میں معرکوں میں ناکام رہا ، لیکن اسکی ابتدائی حکومت
فتوحات کی وسعت کی بدولت تاریخ کا روشن باب ہے . یہ علم و ہنر اور شعرو سخن کا بھی بڑا قدردان
اور مہربان تھا . رشید و طواظ ، اور انوری وغیرہ اسکی درباری شعرا میں شمار ہوتے ہیں . اسکی
انوری کے کاشانہ کو اپنی قدیم مینت لزوم سے دو بار شرف بخشا . آخر میں ترکانوں کے ہاتھ میں
گرفتار ہو گیا تھا . وہاں سے بدقت آزاد ہوا ، تو ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۵۵۲ھ (۱۱۵۷ ع) کو دست
قضا کی پکڑ لیا .

(۳) شاہجہان ہندوستان کے مغل خاندان سلاطین کا پانچواں حکمران تھا . ۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۳ ع)
میں رانی بالمٹی دخترِ راجہ اودیسنگہ والی جودھپور کے بطن سے پیدا ہوا . ۳۵ سال کی عمر میں سنہ
۱۰۳۷ھ (۱۶۲۷ ع) کو اپنے والد جہانگیر کے انتقال کے بعد مسند حکومت پر قدم رکھا . اور
سنہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ ع) میں اپنی لڑکی عالمگیر اورنگ زیب کی حق میں تاج و تخت ہند سے دست بردار
ہو کر آگرہ کے قلعہ میں جا بسا . موجودہ دلی اسی کی آباد کی ہوئی ہے . یہ بڑا سخی دانا
اور شہرہ آفاق قدردانِ علم و ہنر بادشاہ گزرا ہے . دلی کی مسجد جامع اور لال قلعہ ، اور آگرہ
کی عظیم النظیر روضہ تاج محل کا بانی ہے . اسکی قدردانی اور قدر افزائی کا یہ عالم تھا ، کہ مختلف
موقعوں پر شاعروں کو روپیہ اور اشرافیوں میں تلوا دیا اور کئی سخن گستروں کو منہ ہیری اور موتیوں
سے بھر دیا . اس نے آگرہ میں سنہ ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۵ ع) کو وفات پائی ، اور تاج محل میں اپنی بیوی کے
برابر مدفون ہوا .

(۴) باقر علی خان میرزا صاحب کی بیٹی کے حقیقی بھائی نواب زین العابدین خان عارف کے بڑی لڑکی تھی .
میرزا صاحب کے اپنے بچے نہ تھے ، تو اونکی بیٹی نے عارف کو بیٹا بنا لیا . وہ بڑی لائق اور خوشگو
شاعر ہوئی . مرزا صاحب کو اون سے دو چند محبت تھی ، کیونکہ وہ سعادت مند بیٹی ہی نہ تھی . (باقی)

ضیاء الدین خان کے ہاں ہوئی۔ انہوں نے کھانے جوڑے کے دو ہزار روپیہ دیئے۔ اور میری زوجہ نے پانسو روپیئے کا زیور لگا کر پچیس سو روپیئے صرف کیئے۔ حسین علیخان کا سسر، یعنی اکبر علیخان، اپنے خاندان کا ہے۔ لیکن امیر نہیں۔ نوکری پیشہ ہے۔ اب یہ مین کیونکر عرض کروں کہ مجھے کیا دو۔ سائل ہوں۔ یہ رسم نہیں کہ سائل مقدار سوال عرض کرے۔ حالِ مصارفِ شادی خاندان لکھ دیا ہے۔ دو ڈھائی ہزار مین شادی اچھی ہو جائے گی۔ لیکن یہ بھی ساتھ عرض کرتا ہے، کہ میرا حقِ خدمت اتنا نہیں کہ اسقدر مانگ سکوں۔ جو کچھ دو گئے، اوس مین شادی کر دونگا۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔ معروضہ ۲۴ جمادی الاول سنہ ۱۲۳۸ مطابق ۲۳ سنہ ۱۸۷۶ فردایِ ورودِ ہمایون منشور^(۱)۔

(۸۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ فرمانِ والا مع ہندویٰ تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ عَزِ ورود لایا۔ سو روپیہ^(۲) معروض وصول میں آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔

(بقیہ) قابلِ غور شاگرد بھی تھی۔ لیکن میرزا صاحب اور اونکی بی بی کی بدقسمتی کہ وہ عین جوانی میں فوت ہو گئی۔ مرزا صاحب نے اونکو دو بچوں کو پوتوں کی طرح بالا۔ باقر علی خان جو بڑی تھی، جوان ہو کر اپنے والد کے خلف الرشید ثابت ہوئے۔ یہ شعر کہتی تھی، اور کامل تخلص تھا۔ مرزا صاحب کی ساتھ دونوں مرتبہ رامپور آئی۔ جوان ہو کر الور مین ملازم ہو گئی تھی۔ اردوی علی (صفحہ ۳۲۱-۳۲۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی ایک لڑکی بھی تھی۔ انہوں نے جوانی میں سنہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ع) کو انتقال کیا (تاریخ لطیف، ص ۱۹۱)۔

(۱) اس عریضہ کی تاریخوں میں میرزا صاحب سے ملتا ہوا ہے۔ در اصل انہیں سنہ ۱۲۸۴ھ اور ۱۸۶۷ع لکھنا چاہی تھا۔ اسبطرچ انگریزی مہینے کا نام بھی بھول گئی ہیں۔ البتہ لفافہ کی تاریخ میں ماہ و سنہ انگریزی یوں لکھا ہے (۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۶۷)۔ لفافہ کی پشت پر میر منشی صاحب کا نوٹ ہے: پیش نمودہ شد۔ هنوز حکم تحریر جواب صادر نشده۔ ۲۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ ع۔

(۲) اسکو اوپر حسابی رقم بھی تحریر ہو۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
ترحم کا طالب غالب . ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ .

(۹۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . دبدبہ سکندری مین حضرت کے مزاج کی
ناسازی کا ذکر دیکھ کر جو مجھ پر گزری ، میرا خدا جانتا ہے . مگر یہ بڑی
بات ہے کہ اوسی ذکر کیساتھ افقت و رفع مرض کی بھی نوید مندرج تھی .
توقع ہے کہ حضرت ! مفصل حال مرض کے پیدا ہونے کا اور پھر رفع ہونے
کا اور فی الحال مزاج اقدس کیسا ہے ، میر منشی کو حکم ہو جائے ، کہ حضور
کی زبانی خط مین مجھے لکھ بھیجیں .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
غالب . ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷^(۱) .

(۹۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . ایک قطعہ ۱۵ شعر کا بھیجتا ہوں . حضور
ملاحظہ فرمائیں . مضامین کی طرز نئی . مدح کا انداز نیا . دعا کا اسلوب نیا .
زیادہ حد ادب^(۲) .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار

(۱) اس عریضہ کے جواب مین لکھا گیا تھا : « مشقاً ! فی الحقیقت مزاج راقم از مرکز اعتدال منحرف شدہ
بود . و حالاً ہم طبیعت خوب صاف نیست و تجویز استعمال مسہلات در پیش . ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ ع . »
(۲) یہ قطعہ مثل مین موجود نہیں ہے . لفاقہ کی پشت پر میر منشی صاحب کا ایک نوٹ ہے . اوس سی معلوم
ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے قطعہ منشی امیر احمد امیر مینائی کو دیدیا تھا . میر منشی صاحب کے الفاظ
یہ ہیں : « پیش نموده شد . حضور پر نور بعد ملاحظہ قصیدہ حوالہ منشی امیر احمد صاحب فرمودند .
۹ نومبر سنہ ۱۸۶۷ ع . » نواب صاحب نے ۱۸ نومبر سنہ مذکور کو قطعہ کی رسید مین تحریر فرمایا : « ...
مفاوضہ عہدیم المعاوضہ مع یک قطعہ بمضامین نو و طرز نادر رنگ افروز چہرہ وصول گردید . و از ملاحظہ
مضامین نوش انشراح دل بحصول انجامید . »

نجات کا طالب غالب . ۵ رجب سنہ ۱۲۸۴ ہجری (۱) .

(۹۲)

حضرت آیہ رحمت ولی نعمت سلامت (۲) .

بعدِ تسلیم معروض ہے . کل ۱۶ دسمبر کو نومبر کی تنخواہ کی ہندوی پہنچی . وہ بھی سعادت مند منشی سیلچند کے خط میں ملفوف . دیر میں ہندوی کا پہنچنا یک طرف . حضرت کے توقع و قیاس کے مشاہدہ سے آنکھوں کا روشن نہونا میری سیاہ بختی کی دلیل ہے . زیادہ حدِ ادب .
تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب . ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ .

(۹۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے . آج روزِ شنبہ یکم ماہِ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۴ ہجری ، بہ اتفاقِ حسابِ دوج و نگارشِ جنتری .
روزِ روزہ است و روزِ ناپیداست غلظتِ ابر و شدتِ سرماست
چونکہ دھوپ تو نظر ہی نہیں آتی ، ناچار دن رات آگ تاپتا ہوں ، اور ہر
وقت کانپتا ہوں .

ماہِ صیام میں سلاطین و اُمرا خیرات کرتے ہیں . اگر حسین علیخان
یتیم کی شادی اسی صیغے میں ہو جائے ، اور اس بوڑھے اپاہج فقیر کو روپیہ
مل جائے ، تو اس مہینے میں تیاری ہو رہے ، اور شوال میں رسمِ نکاح عمل
میں آئے . اور چونکہ اس ماہِ مبارک میں درِ فیض باز ، اور سالِ انگریزی کا

(۱) عریضہ کو لفافہ پر تاریخ انگریزی ۳ نومبر سنہ ۱۸۶۷ تحریر ہو .

(۲) یہاں میرزا صاحب ذو الفاظ کی قدیم ترتیب کو بدل دیا ہو .

بھی آغاز ہے ، وہ پچیس^(۱) روپے مہینا جو زبانِ مبارک سے نکلا ہے ، جنوری سنہ ۱۸۶۸ سے بنامِ حسین علیخان مذکور جاری ہو جائے ، تو مجھے گویا دونوں جہان مل گئے ۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار لکھا ہوا یکم رمضان اور بھیجا ہوا دوم رمضان کا ۔ عطا کا طالب غالب^(۲) ۔

(۹۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔

بعدِ تسلیم معروض ہے ۔ منشورِ رافتِ عزِ ورود لایا ۔ ہنڈوی ملقوفہ سے سو روپیہ بابت تنخواہ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ معرضِ وصول میں آیا ۔ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار توجہ کا طالب غالب ۔ ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۶۸ عیسوی ۔

(۹۵)

داد و دھشِ تو روز افزون بادا بر دولتِ تو زمانہ مفتون بادا
این عید و دوصد ہزار عیدِ دیگر بر ذاتِ تو فرخ و ہمایون بادا
نجات کا طالب غالب ۔ جمعہ ۲۸ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۴ ہجری^(۳) ۔

(۹۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ۔

بعدِ تسلیم معروض ہے ۔ منشورِ عطوفت ظہورِ عزِ ورود لایا ۔ اور

-
- (۱) میرزا صاحب نے روپیہ کی تعداد حسابی رقم سے بھی ظاہر کی ہے ۔
(۲) اس عریضہ کی لفافہ پر میرزا صاحب نے یکشنبہ دوم رمضان و ۲۹ دسمبر لکھا ہے ۔ نواب خلد آشیان نے جواباً ۶ جنوری سنہ ۶۸ ع مطابق ۱۰ رمضان سنہ ۱۲۸۴ ھ کو جو فرمان تحریر فرمایا ہے ، اوس میں میرزا صاحب کی اصل مدعا کا کوئی تذکرہ نہیں ۔
(۳) اس قطعہ کیساتھ مثل میں کوئی عریضہ منسلک نہیں ۔ غالباً بلا عریضہ ارسال ہوا ۔ لفافہ پر انگریزی تاریخ ۲۴ جنوری سنہ ۱۸۶۸ ع تحریر ہے ۔ اس قطعہ کی رسید میں نواب خلد آشیان نے ۵ فروری سنہ ۱۸۶۸ ع کو تحریر فرمایا : " قطعہ مبارکباد عید الفطر بطرزِ نغز و مضامین شرف افزا موصول گشتہ ساز و برگِ فرحت و انبساط افزود " ۔

اوسکی ملفوفہ ہنڈوی سے جنوری سنہ ۱۸۶۸ حال کا سو روپیہ معرض وصول میں آیا۔

تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون
نجات کا طالب غالب۔ ۱۳ فروری سنہ ۱۸۶۸۔

(۹۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

عرض مدارج عز و نیاز کے بعد نواز شنامہ کے پہنچنے کا اور تنخواہ فروری سنہ ۱۸۶۸ کے پانے کا شکر بجالاتا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا برکت ہے اس سو روپیئے میں، کہ سو آدمی روٹی کھاتے ہیں، اور اس فقیر کے بھی سو کام نکلتے ہیں۔

مرزا حسین علیخان کی شادی رجب کے مہینے میں قرار پائی تھی۔ عطیہ حضور کے نہ پہنچنے کے سبب ملتوی رہی۔ آج جو ذیقعدہ کی ۱۵ ہے، ۱۵ دن یہ اور مینا ذی الحجہ کا۔ اگر اسی ذیقعدہ کے مہینے میں کچھ حضرت عطا فرمائیں گے، تو آخر ذی الحجہ تک نکاح ہو جائیگا۔ خدا کرے خداوند کے ضمیر میں یہ بھی گزرے کہ غالب جب بہو بیاہ لائیگا، تو اوسکو روٹی کہاں سے کھلائیگا۔ غرض اس سے یہ کہ حسین علیخان کی تنخواہ جاری ہو جائے۔ حضرت! کوئی ایسا نہیں کہ جو میرے مطالب حضور میں عرض کرتا رہے، اور مجھے بار بار لکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب۔ ۹ مارچ سنہ ۱۸۶۸^(۱)۔

(۱) عریضہ کو لفافہ پر دوشنبہ نہم مارچ سنہ ۱۸۶۸ تاریخ درج ہو۔ چونکہ اس سی یوم روانگی متعین ہوتا تھا، اسلئے یہاں نقل کرنا مناسب سمجھا گیا۔

(۹۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . منشور عطوفت ظہور عز و رود لایا .
سو روپیہ کا کاغذ خط کے لفافے میں سے پایا . اپریل سنہ ۱۸۶۸ کی تنخواہ
کا روپیہ معرض وصول میں آیا .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
(دوشنبہ ۱۱ اپریل سنہ ۱۸۶۸) ^(۱) .

(۹۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . شوق قدمبوس نے تنگ کیا . جب دیکھا کہ
کسی طرح جا نہیں سکتا ، ناچار اپنا نقشا اوتروایا ، اور خدمتِ عالی میں روانہ
کیا . جب تک کہ میں جیتا ہوں ، تب تک اس صورت سے حاضر رہونگا .
زیادہ حدِ ادب .

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
عنایت کا طالب غالب . ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۷ ^(۲) .

(۱) عریضہ میں کاتب کا نام اور تاریخ کتابت دونوں درج نہیں . البتہ لفافہ پر میرزا صاحب نے ۱۱ اپریل
سنہ ۱۸۶۸ تحریر کیا ہے . لیکن یہ درست نہیں . اولاً اسلٹو کہ ڈاکخانہ کی انگریزی مہر میں ۱۱ مئی
لکھی گئی ہے . ثانیاً اسلٹو کہ اس عریضہ میں تنخواہ اپریل کی اطلاع دی ہے . اور یہ مسلم ہے کہ اپریل
کی تنخواہ اپریل میں نہیں ملتی ، مئی میں ملتی ہے . اسلٹو اسکو ۱۱ ماہ مئی سنہ ۶۸ ع کا ہونا چاہو .

(۲) میرزا صاحب نے مہوآ سنہ ۶۷ ع لکھکدیا ہے . صحیح تاریخ ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۸ ع ہے . اسلٹو کہ اولاً تو
جون سنہ ۶۸ ع کے نوشتہ عریضہ میں اسکی رسید طلب کی ہو اور اوس میں اس خط کو و سابق کا عریضہ ،
لکھا ہے . جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں عریضوں کے درمیان کسی تیسری عریضہ کا فصل نہیں
تھا . ثانیاً امی عریضہ کے لفافہ کی پشت پر میر منشی صاحب کا حسب ذیل نوٹ ہے : و تصویر بعد
ملاحظہ سپرد سید مجاور علی صاحب شد . ۲ جون سنہ ۱۸۶۸ ع . اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ
سنہ ۶۸ ع کا ہے . اگر سنہ ۶۷ ع کا ہوتا ، تو اوس سال میرزا صاحب تقاضای رسید کرتی ، اور
اوس وقت سرکار یہ تصویر ملاحظہ فرما کر سید مجاور علی صاحب کو دیتی .

(۱۰۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ آج چوتھا دن ہے، کہ توقیعِ وقیعِ عزِ ورود لایا ہے۔ ہندوی ملفوفہ کی رو سے تنخواہ مئی سنہ ۱۸۶۸ کا سو روپیہ معرضِ وصول میں آیا ہے۔ جواب کے جلد نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے، کہ میں گرمی کی شدت کے سبب سے، اور احتباسِ ہوا سے کہ جو لازماً موسمِ برسات ہے، بیکارِ محض ہو گیا ہوں۔ مطلق کچھ لکھ نہیں سکتا۔ اور کوئی ایسا شخص، کہ جس سے کچھ لکھواؤں، اس چار روز میں میرے پاس نہیں آیا۔ آج اسوقت ایک صاحب آگئے۔ اون سے میں نے یہ عریضہ لکھوا لیا۔

پیر و مرشد! سابق کے عریضہ کیساتھ میں نے اپنی تصویر حضور میں بھیجی ہے۔ اوسکی رسید اس نوازِ شنامہ میں مرقوم تھی۔ مجکو یہ اندیشہ ہے، کہ کہیں وہ لفافہ ڈاک میں تلف نہ ہو گیا ہو۔ اگر اوسکی رسید سے شرفِ اطلاع پاؤں، تو دلجمعی ہو جائے (۱)۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار
۱۵ جون سنہ ۱۸۶۸ ع۔ نجات کا طالب غالب (۲)۔

(۱۰۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ کل منشورِ عطوفتِ عزِ صدور لایا۔ جولائی سنہ ۱۸۶۸ کا سو روپیہ (۲) بذریعہ ہندوی وصول پایا۔

(۱) نوابصاحب نے جوابی فرمان مورخہ ۷ جولائی سنہ ۶۸ ع میں تحریر فرمایا ہے : » شبہ آن مشفق وصول

شادمانی آورده از فرط محبتہا متصور شد . اس تصویر کے علاوہ میرزا صاحب نے جہان جہان اپنی

تصویریں بھیجی تھیں، اونکو لٹو اردوی معلی، ص ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۱۲۶، ۲۳۷، ۲۴۷ ملاحظہ ہو .

(۲) اس عریضہ میں صرف (طالب غالب) میرزا صاحب کی قلم کا لکھا ہوا ہے .

(۳) الفاظ کے اوپر میرزا صاحب نے حسابی رقم بھی لکھی ہیں .

تین التماسین سابق پیش ہوئی تھیں . سو اب پہلے برخوردار نواب مرزا خان کی تحریر سے ، اور پھر جناب مظفر حسین خان بہادر^(۱) کے خط سے اون خواہشوں کے منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی . انشاء اللہ الکریم حسب ارشاد حضور اسی برس ۶۸ میں آمدِ زمستان یعنی نومبر و دسمبر میں میرا قرض بھی ادا ہو جایگا ، اور حسین علیخان کی شادی بھی ہو جایگی ، اور اوسکے واسطے اوسکی زندگی تک تنخواہ جداگانہ مقرر ہو جایگی .

با کریمان کارھا دشوار نیست

عرضداشتِ ہوا خواہ اسد اللہ . معروضہ ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۸ .
تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عز و جاہ روز افزون

(۱۰۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعدِ تقدیم مدارج تسلیم معروض ہے . توقیعِ رافتِ عزِ ورود لایا .
میں نے ہندوی ملفوفہ کے ذریعہ سے بابت تنخواہ اگست سنہ ۱۸۶۸ سو روپیہ وصول پایا .

نکھون آپ سے تو کس سے کہوں مدعیِ ضروری الاظهار

(۱) مظفر حسین خان بہادر ابن مسیح الدولہ حکیم علی حسین خان بہادر لکھنوی نواب خلد آشیان کی مصاحب تھی . ان کے والد مسیح الدولہ شاہ اودھ کے طبیب خاص تھے . لیکن سلطنت اودھ کی بساط اولنچاؤ کے بعد یہ خاندان بھی ترک وطن پر مجبور ہوا . رامپور اوس زمانہ میں صاحبانِ علم و ہنر کا ملجاء و ماوی تھا . مظفر حسین خان اور ان کے بھائی احسان حسین خان نے بھی سنہ ۱۸۶۷ ع میں اس دربارِ دربار کا قصد کیا . نواب خلد آشیان نے ان دونوں کی کا حقہ قدر و منزلت کی . مظفر حسین خان صاحب علم اور ایک نہایت عمدہ ذخیرہِ مخطوطات و مطبوعات کے مالک تھے . نواب صاحب نے ان سے یہ پورا ذخیرہ خرید کر سرکاری خزانہ کتب میں شامل فرما لیا . ان تمام کتابوں پر مظفر حسین خان کے دستخط ثبت ہیں ، اور متعدد نسخوں پر جا بجا حواشی بھی پاؤں جاتے ہیں . خود ان کے اپنے مصنفہ متعدد رسالے بھی کتب خانہ میں موجود ہیں . یہ عربی زبان میں لکھی گئی ہیں ، اور فلسفہ و حکمت سے متعلق ہیں . میرزا غالب سے ان کے روابط تھے . اسلئے جب یہ رامپور آئے ہیں ، تو میرزا صاحب نے منشی سلچند سے ان کے درباری قدر و منزلت کے متعلق استفسار کیا تھا . ملاحظہ ہو مکتوب نمبر

پیر و مرشد! حسین علیخان کے سسرال والوں کا بڑا تقاضا ہے۔ زندگی مشکل ہو گئی ہے۔ بطریق «شیخاً اللہ» سوالِ مختصر یہ ہے، کہ جو حضرت کے مزاج میں آوے، وہ عطا کیجے۔ اور حسین علیخان کے نام جداگانہ تنخواہ مقرر کر دیجیے۔ لیکن یہ دونوں امر جلد صورت پکڑ جائیں۔ تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار زیادہ حدِ ادب۔ عرضداشتِ دولتخواہ اسد اللہ۔ معروضہ ۷ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ء۔

(۱۰۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔ بعدِ تسلیم معروض ہے۔ عنایتِ ناہ مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے عزِ ورود لایا۔ تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ء کا روپیہ میں نے پایا۔ تم سلامت رہو قیامت تک دوات و عز و جاہ روز افزون مشتاقِ مرگِ ناگاہ اسد اللہ۔ ۱۳ ماہ اکتوبر ۱۸۶۸ء۔

(۱۰۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔ بعدِ تسلیم معروض ہے۔ توقیعِ رافت شرفِ ورود لایا۔ سو روپیہ^(۱) بابت تنخواہ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ء از رویِ ہنڈوی ملفوفہ خطِ معرضِ وصول میں آیا۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے! مجھ سے اپاہجِ نکمے کو یعوضِ خدمتِ تنخواہ دیتے ہو۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار عرضداشتِ اسد اللہ۔ مورخہ ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۶۸ء۔

(۱) یہاں میرزا صاحب نے حسابی رقم لکھی تھی۔ میں نے مہولتِ طباعت کے خیال سے اس کو الفاظ میں لکھ دیا ہے۔

(۱۰۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . کل عریضہ مشعر رسید تنخواہ نومبر سنہ ۱۸۶۸ حال ارسال کر چکا ہوں . آج ناچار از روی اضطرار واقفکار پھر یہ عرضی لکھتا ہوں .

حال میرا تباہ ہوتے ہوتے اب یہ نوبت پہنچی ، کہ اب کی تنخواہ میں سے ۵۴^(۱) روپے بچے . ۶۳^(۱) روپے کا چٹھا ماہوار کا سو سہ ماہہ دینا . بھلا آٹھ سو روپے ہوں ، تو میری آبرو بچتی ہے . ناچار حسین علیخان کی شادی اور اوسکے نام کی تنخواہ سے قطع نظر کی . اب اس باب میں عرض کروں کیا بجال . کبھی نہ کہوں گا . آٹھ سو روپے مجھ کو اور دیجے . شادی کیسی ؟ میری آبرو بچ جائے ، تو غنیمت ہے . برخوردار نواب مرزا خان کے خط میں یہ حال مفصل لکھا ہے . وہ عرض کریگا . مختصر یہ کہ اب میری جان اور آبرو آپ کے ہاتھ ہے . مگر حضور جو عطا فرمانا ہے ، جلد ارشاد ہو . زیادہ حد ادب .

تم سلامت رہو قیامت تک ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
عرضداشت گدای یک در اسد اللہ مضطر . ۱۶ نومبر سنہ ۱۸۶۸ .

(۱۰۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت .

بعد تسلیم معروض ہے . بہت دن ہوئے ، کہ برخوردار نواب مرزا خان نے مجھ کو مبارکباد لکھی تھی ، کہ حضور نے تیرے قرض کے ادا کرنے کی نوید دی ہے ، اور مقدار قرض پوچھی ہے . سو میں نے اونکو لکھ بھیجا تھا ، کہ آٹھ سو روپے میں میرا قرض تمام ادا ہو جائیگا . اس تحریر سے

(۱) یہاں میرزا صاحب نے حسابی رقوم لکھی تھیں . میں نے سہولت طباعت کو خیال میں اونکو الفاظ میں

لکھ دیا ہے .

یاد دہی منظور ہے۔ زیادہ حدِ ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس۔ ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار آرام کا طالب غالب۔ صبح پنجشنبہ ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۸^(۱)۔

(۱۰۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت۔

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ اور اوس مین تنخواہ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ کی ہنڈوی ملفوف پہنچی۔ جلد یاد آوری کا شکر بجا لایا۔ حضور قرضخواہوں نے بہت عاجز کر رکھا ہے۔ بس میرا یہی کام ہے کہ یاد دلا دوں آگے حضرت مالک ہین۔

تم سلامت رہو ہزار برس۔ ہر برس کے ہون دن پچاس ہزار عرضداشت غالب گدیہ خواہ۔ مرقومہ روز یکشنبہ اواخر تاریخ رمضان المقدس سنہ ۱۲۸۵ ھ^(۲)۔

(۱) اس عریضہ کی لفافہ پر ۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ درج ہے اور لفافہ کی پشت پر نوٹ ہے : ”پیش نمودہ شد حکم صادر نشد۔ ۲۰ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ ع۔“

(۲) لفافہ پر ۲۰ دسمبر جنوری سنہ ۱۸۶۹، تحریر ہے۔ یہ میرزا صاحب کی آخری تحریر ہے۔ حسین علی خان کو عریضہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوری کی تنخواہ ۱۵ فروری کو میرزا صاحب کو انتقال سے ایک گھنٹہ قبل پہنچی تھی، اسلئے اوسکی رسید اپنے قلم سے نہ لکھ سکی۔ سویم کو روز حسین علی خان نے سرکار کو میرزا صاحب کو انتقال کی اطلاع دی ہوئی لکھا : ”بتاریخ ۱۵ فروری سنہ حال مطابق ۲ ذیقعدہ روز دوشنبہ وقت ظہر جناب دادا جان صاحب قبلہ نواب اسد اللہ خان غالب عرف مرزا نوشہ صاحب نے اس جہان فانی سے رحلت کی۔ فدوی کچھ عرض نہیں کر سکتا کہ کس قدر رنج و الم اس سانحہ جانگزا و جگر خراش سے لاحق ہوا ہے۔ اور نیز جناب دادی صاحبہ معظّمہ کا حال اس رنج سے عالم پیری میں ایسا ہو گیا ہے کہ گذارش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حضور کا نوازشنامہ مع ہنڈوی بکصد روپیہ بابت تنخواہ جنوری سنہ ۶۹ ع کی ۱۵ فروری کو ایک گھنٹہ پہلے انتقال دادا جان صاحب سے شرف صدور لایا تھا۔ رسید ہنڈوی واسطی اطلاع حضور کو عرض کی گئی۔“



» بخدمت نواب صاحب مشفق و مکرّم مظهر لطف و کرم نواب زین العابدین خان صاحب بہادر عرف کلن میان سئلہ اللہ تعالیٰ مقبول باد«^(۱)

(صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر عرف کلن میان ولد صاحبزادہ سید اصغر علیخان بہادر ولد نواب سید عبداللہ خان بہادر ابن نواب سید غلام محمد خان بہادر ، نواب فردوس مکان کی مسجد تھی ، دلی میں پیدا ہوئی ، اور وہیں نشو و نما پائی ۔ اپنی دادا نواب سید عبداللہ خان صاحب بہادر کی صدر الصدوری میرٹھ کے زمانہ میں اونکی ساتھ رہی ۔ نواب فردوس مکان کے عہد میں رامپور آئی ، اور یہاں سے کسی بات پر ناراض ہو کر جیپور چلی گئی ، اور وہیں توطن اختیار کر لیا ۔ امیر مینائی نے انتخاب یادگار (ص ۲۱۲) میں انکی متعلق لکھا ہے :

و عابد . صاحبزادہ محمد زین العابدین خان عرف کلن خان ولد صاحبزادہ محمد
اصغر علیخان اصغر بیالیس برس کا سن ہی . تلذ کسی سے نہیں .
بطور خود کہتے ہیں . یہ اونکا کلام ہے :

تھا جو اوڑنا ہی ہوش کو میری بوی گیسوی غنبریں ہوتا
تھا نہ کھلنا جو عقدہ دلکو کاش ابرو کی تیری چین ہوتا

انکی دادا میرزا صاحب کی خلص دوست تھی . اسلئے یہ میرزا صاحب کو اپنا بزرگ اور وہ انہیں اپنا فرزند خیال کرتے تھی . لیکن نواب فردوس مکان ان سے آخر میں ناخوش ہو گئے تھی ، اسلئے میرزا صاحب نے ان کی کلام پر اصلاح دینے سے انکار کر دیا تھا . صاحبزادہ سید زین العابدین خان بہادر نے جیپور میں دسمبر سنہ ۱۸۹۲ ع کو انتقال کیا .

(۱۰۸)

بندہ پرور !

مہربانی نامہ پہنچا . میں تو سمجھا تھا ، آپ مجھ کو بھول گئے . بارے یاد کیا . جناب نواب صاحب میرے محسن اور میرے قدردان اور میری امیدگاہ ہیں . میں اگر رامپور نہ آؤنگا تو کہاں جاؤنگا . یہ جو آپ کہتے ہیں کہ تجھ کو آنے میں تردد کیا ہے ، تردد کچھ نہیں ، توقف ہے . وجہ توقف کی یہ کہ میں

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب نے لغافہ پر لکھی تھی . میں نے عنوان میں تہرکا نقل کر دی ہے .

نے اپنی پنسن کے باب میں چیف کمشنر بہادر کو درخواست دی تھی۔ وہاں سے صاحب کمشنر شہر کے وہ درخواست حوالہ ہوئی۔ صاحب کمشنر دہلی نے صاحب کلکٹر شہر سے کیفیت طلب کی ہے۔ پس اگر وہ کیفیت پنسن کی ہے۔ تو یہاں کی کلکٹری کا دفتر اگر نہیں رہا نہ رہے۔ زیٹو بوڑڈ^(۱) کے دفتر، اور لفٹنٹ گورنری آگرہ، اور نواب گورنر جنرل کلکتہ کے دفتر اس پنسن کی کیفیت سے خالی نہیں ہیں۔ اور اگر میری کیفیت مطلوب ہے، تو میرا بے جرم اور بری اور الگ ہونا فساد سے از روی دفتر قلعہ و اظہارِ مخبرین ظاہر ہے۔ بہر حال صاحب کمشنر شہر کیفیت صاحب کلکٹر سے طلب کر کر چیف کمشنر کیساتھ پنجاب کو گئے ہیں۔ دیکھئے کب آوین، اور بعدِ ملاحظہ کیفیت کیا حکم دین۔ مگر تا صدور حکم میں یہاں سے کہیں جا نہیں سکتا۔ ہاں بعد ملتے حکم کے، خواہی دلخواہ ہو خواہی مخالفِ مدعا، دونوں صورت میں رامپور آؤں گا۔ مگر حیران ہوں، کہ جب تک یہاں رہوں کھاؤں کیا، اور جب چلنے کا قصد ہو تو رامپور کس طرح پہنچوں۔ کیا خوب ہو کہ تم یہ رقعہ اپنے نام کا حضور کو، یعنی حضرت نواب صاحب کو، پڑھو اگر اس مدعا کی خاص کا جواب، جو وہ فرمائیں، مجھ کو لکھ بھیجو۔ لیکن تم سے یہ توقع کیونکر پڑے کہ واسطے کہ تم نے اردو دیوان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا حال جنابِ عالی سے دریافت کر کر کب لکھا ہے، جو اس بات کا جواب لکھو گے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔ از غالب۔ نگاشتہ و روان داشتہ پنجشنبہ ۲۵ مارچ ۱۸۵۸ ع۔ ضروری جواب طلب^(۲)۔

(۱) اس لفظ کو میرزا صاحب نے اس طرح لکھا ہے۔ لیکن صحیح ہورڈ ہے۔
(۲) خط کو لفافہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے ۲۴ تاریخ کو اسی لکھ لیا تھا، اور یہ ارادہ تھا، کہ ۲۵ کو پوسٹ کرائیگی، اسلئے ۲۵ مارچ تاریخ لکھدی تھی۔ لیکن بعد ازاں از راہِ عجلت ۲۴ ہی کو ڈاک میں ڈلوا دیا۔ اصل عبارت یہ ہے: در شہر رامپور موصول و بخدمت نواب صاحب مشفق و مکرم مظهر لطف و کرم نواب زین العابدین خان صاحب عرف کلن میان سلسلہ اللہ تعالیٰ مقبول باد۔ از غالب یکرنگ۔ یکرنگ۔ ۲۵ مارچ ۱۸۵۸۔ ضروری۔ جواب طلب و شتاب طلب۔ چون عجلت در ارسال مکتوب می بایست، ہم بروز چار شنبہ آخر روز ۲۴ مارچ فرستادہ شد۔

(۱۰۹)

نوابصاحب والا قدر عظیم الشان سلیم اللہ تعالیٰ۔
 بعدِ سلامِ مسنون مشہودِ خاطرِ عاطر ہو۔ سابق آپ کا خط متضمن
 اردو کے استفتائی روزمرہ کا آیا تھا۔ اوسکا جواب جو مجھے معلوم تھا لکھ
 بھیجا۔ اب جو دوسرا خط آیا، اوس میں آپ نے اپنے اشعار بتوقعِ اصلاح
 بھیجے ہیں۔ آپ کو معلوم رہے کہ میں خاص خدمتِ اصلاحِ اشعار پر جناب
 نوابصاحب قبلہ کا نوکر ہوں، اور آپ حضور کے عزیزوں میں اور فرزندوں میں
 ہیں۔ پس میں بے حکم حضور کے آپ کی خدمت بجا نہیں لا سکتا۔ ناچار
 کاغذِ اشعار مسترد بھیجتا ہوں۔ یہ امر یقین ہے کہ موجبِ ملالِ خاطرِ اقدس نہوگا۔
 بندگی بیچارگی۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں، کہ مدعاۓ ضروری الاظہار اسبقدر
 تھا۔ والسلام۔ راقم اسد اللہ خان غالب، ۱۴ مارچ سنہ ۱۸۶۵^(۱)۔

(۱) زین العابدین خان کی خط کثافت۔ خط نمبر ۱۱۲ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔



» بمطالعہ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند صاحب میر منشی سلہ اللہ تعالیٰ مفتوح باد « (۱)

(منشی سیلچند راجہ کنورسین کی اولاد میں ہیں۔ کنورسین قوم کو کالیستھ اور نواب سید علی محمد خان بہادر فاتح روہیلکھنڈ کو معتمد سردار تھے۔ قلعہ سرہند کی فتح میں اپنی ولی نعمت کے ہرکاب خدمات شایستہ انجام دیکر بادشاہ دہلی کے دربار سے راجہ کا خطاب حاصل کیا۔ روہیلہ سلطنت کو ٹکڑی ہوئی، اور نواب سید فیض اللہ خاں صاحب بہادر ریاست رامپور کے والی بنکر اس خطہ میں تشریف لائے، تو اونکو رکاب میں تمام وفادار سرداران روہیلہ کیساتھ منشی صاحب کا خاندان بھی تھا۔ منشی سیلچند کی تاریخ ولادت اور جای پیدائش کا صحیح حال معلوم نہوسکا۔ البتہ ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ ع کو انکی عمر اکیاسی سال کی تھی۔ اس حساب سے سنہ ولادت ۱۸۱۳ ع قرار پاتا ہو۔ انکا ابتدائی تقرر نواب سید احمد علیخان بہادر کے عہد حکومت میں بعدہ نافر نظامت ہوا۔ بعد ازان عامل (تحصیلدار) مقرر ہوئے۔ ۱۸۴۴ ع میں انکی والد نے وفات پائی تو اونکی اسامی پر محکمہ عالیہ دار الانشا میں بدلہ دی گئی۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ ع میں ریاست کیطرف سے خبر رسائی و فراہمی رسد وغیرہ کا کام انجام دیا، اور نواب گورنر جنرل بہادر سے بصلۃ خدمات دربار فتحگڑھ میں دوشالہ انعام پایا۔ نواب فردوس مکان نے بھی انکی خدمات کی تعریف میں روبکار جاری فرمایا، اور ایک تلوار عطا کی۔ نواب صاحب کی وفات کے بعد نواب خلد آشیان اور نواب عرش آشیان نے بھی انکی بہت قدر و منزلت فرمائی۔ بالآخر پانچ والیان ریاست کی خدمت کر کے ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ ع کو اکیاسی سال کی عمر میں رامپور میں انتقال کیا۔ منشی سیلچند کو فارسی میں کافی دستگاہ حاصل تھی، اور ملا غیاث الدین رامپوری مولف غیاث اللغات فارسی سے شرف تلبذ تھا۔ شعر بھی کہتے تھے۔ اور منشی تخلص کرتے تھے۔)

(۱۱۰)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند صاحب میر منشی سلہ اللہ تعالیٰ۔

بعد دعایِ دوامِ حیات و ترقی درجات معلوم فرمائیں۔ اگرچہ از روی خطوطِ حضور، صحت و عافیتِ حضور معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ کہیں سے نہیں سنا، کہ غسلِ صحت کیا، یا کسدن کرینگے۔ آپ سے یہ فقیر کا سوال ہے،

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب نے مکتوب مورخہ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ ع کے لفاظ پر لکھی تھی۔ میں نے یہاں تیر کا نقل کر دی ہے۔

کہ بجکو لکھیے، کہ حضرت غسل کسدن فرمائیں گے۔ اور اگر موافق میری آرزو کے نہا چکے ہوں، تو غسل کی تاریخ سے اطلاع دیجئے۔ خیر و عافیت کا طالب غالب۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۴^(۱)۔

(۱۱۱)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند صاحب میر منشی کو
خدا سلامت رکھے!

مادۂ تاریخ غسلِ صحت کو تم نے غور نہیں کیا۔ ۱۸۶۶ عدد ہوتے ہیں۔ پھر کیا حضور سالِ آئندہ غسلِ صحت فرمائیں گے؟ یہ تو جنوری سال ۱۸۶۵ میں۔ اس تاریخ کا قطعہ کیونکر لکھوں^(۲)؟

یہ جو میں نے قصیدۂ تہنیت لکھکر بھیجا ہے، منشا اسکا یہ ہے، کہ شاہ کبیر الدین صاحب رامپور سے آئے، اور اونہوں نے کہا، کہ نواب صاحب جمعہ کے دن ساتویں تاریخ شعبان کو نہائیں گے۔ اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا، کہ ماہِ آئندہ یعنی رجب^(۳) میں نہائیں گے۔ خیر وہ کاغذ تو حضور کی نظر سے گزریگا۔ اگر موقع پاؤ تو حضور میں یہ ماجرا عرض کر دینا کہ میں نے بموجب

(۱) یہ خط نواب فردوس مکان کو غسلِ صحت کی تاریخ کے متعلق لکھا گیا تھا۔

(۲) منشی صاحب فی میرزا غالب کے مکتوب مورخہ ۲۵ دسمبر سنہ ۶۴ ع کے جواب میں جو خط تحریر کیا تھا، اوس میں ذکرِ ماہِ جشن کے بعد درخواست کی تھی کہ ایک مادۂ تاریخ کا فدویٰ نکالا ہی۔ سو عرض کرتا ہوں۔ امیدوار ہوں، کہ اوسکی دو شعر موزون فرما کر عنایت نامۂ موسومہ فدویٰ کو میں عنایت فرمائیں۔ بیت: کاشکر سر اعدا عرض کر تو ای منشی * بندگان عالی کا آج غسلِ صحت ہو۔ اس شعر کا مصرع ثانی مادۂ تاریخ ہو۔ چونکہ اسکی اعداد ۱۸۶۶ ہوتی ہیں، اسلئے ایک عدد کا ترجمہ کیا گیا ہو۔ فقرہ (کاشکر سر اعدا) بتاتا ہو، کہ اگر سر اعدا یعنی حرف الف کی عدد کو، جو ایک ہو، مادہ میں سے کم کر دیا جائے تو اعداد مطلوبہ ۱۸۶۵ حاصل ہوجائیں گی۔ چونکہ یہ قاعدۂ تاریخ گوئی کے عین مطابق ہو اسلئے تعجب ہوتا ہو۔ کہ میرزا صاحب فی اسپر کیوں اعتراض کیا۔

(۳) میرزا صاحب فی سہو ماہِ آئندہ کو رجب لکھدیا ہو۔ فی الواقع ماہِ آئندہ رمضان تھا۔ اسلئے کہ خط نمبر (۳۹) سے معلوم ہوتا ہو کہ اس سال ۱۳ دسمبر کو رجب کی ۱۳ تاریخ تھی۔ لہذا ۱۹ جنوری کو، جو تاریخ تحریر خط ہو، ۱۹ یا ۲۰ شعبان ہوگی۔ اور شعبان کے بعد رمضان آتا ہو۔ رجب نہیں آتا۔

روایت شاہ کبیر الدین کے اسکے ارسال میں جلدی کی ہے^(۱)۔ غالب ۱۹ جنوری
سنہ ۱۸۶۵ء۔

(۱۱۲)

منشی صاحب! عجب اتفاق ہے، کہ حضور اپنے خط میں اپنے مزاج
مبارک کا حال کچھ نہیں لکھتے، اور میرا دھیان لگا ہوا ہے۔ خدا کی واسطے!
تم مفصل حال لکھو، کہ کیا عارضہ باقی ہے، اور صورت کیا ہے؟ دربار
بدستور ہوتا ہے یا نہیں؟ سوار ہوتے ہیں یا نہیں؟

زین العابدین خان نے جیور سے اپنے اشعار اصلاح کی واسطے میرے
پاس بھیجے۔ میں نے اصلاح دینے سے انکار کیا، اور اشعار مسترد کر دیے۔ اون کا
خط اور اوسکی پشت پر اوسکے جواب کا مسودہ اس خط میں لپیٹ کر تم
کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لو۔ بلکہ اگر موقع اور محل پاؤ، تو حضور کو بھی
پڑھوا دو^(۲)۔ والدعا۔ اسد اللہ خان غالب۔ ۱۴ مارچ سنہ ۱۸۶۵ء۔

(۱۱۳)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند صاحب میر منشی کو
فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ یہ خط^(۳) میں نے ایک شبانہ روز کی فکر میں حضور
کو لکھا ہے۔ مگر مسودہ جو ہر بار کچھ کا کچھ ہوتا رہا، اس سبب سے

(۱) اشعار تہنیت کیلئے عریضہ نمبر ۳۶ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔
(۲) زین العابدین خان کا خط حسب ذیل ہے: »تو اب صاحب مشفق مہربان، کرم فرمایا دوستان،
مجموعہ خوبیہای بیکران سلہ اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون، و اشتیاق ملاقات مباہجت مشحون،
یہ چند خرف ریزی بھیج کر تکلیف دیتا ہوں، کہ نگاہ گوہر سنج سی ملاحظہ کر کے اغلاط محاورات
و تراکیب، و سستی بندش، و تعقیدات صوری و معنوی، و تناظر الفاظ، و ابتذال مضامین، جس جگہ
واقع ہو مطلع فرمائی۔ فقط۔ امر مستفسر سابق میں صدور مہربانی نامہ نامی و خلیجان رفع
کیا۔ جواب اسکا بھی اگر جلد عنایت ہو بعید ارتباط دیرینہ سی نہوگا۔ زیادہ شوق و بس۔ فقط۔
نگاشۃ دہم مارچ سنہ ۱۸۶۵ع۔ مقام جیور۔ زین العابدین خان، میرزا صاحب کی جواب کیلئے
مکتوب نمبر ۱۰۹ ملاحظہ ہو۔

(۳) عریضہ نمبر ۴۲ مراد ہو۔

میرے پاس نہیں رہا۔ اور خدا کی قسم! کہ میں اب بہت ناتوان ہو گیا ہوں۔ یہ خط لیٹے لیٹے صاف کیا ہے۔ اور اس تحریر کو مجموعہ نثر میں رکھا چاہتا ہوں۔ آپ اس کی نقل کر کے مقرر مجھ کو بھیج دیجئے گا۔ بڑا احسان مجھ پر ہوگا^(۱)۔

اسد اللہ۔

(۱۱۴)

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان عزیز تر از جان منشی سیلچند کو فقیر غالب کی دعا پہنچے^(۲)۔ کیون صاحب؟ ہم تو تم کو اپنا فرزند سمجھیں، اور تمہارا یہ حال کہ مراسمِ فرزند ہی بجا نہیں لاتے۔ خط لکھنا تم نے یک قلم موقوف کر دیا۔ اور بھائی بے تکلف لکھتا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں ہے۔ نہ طاقت باقی ہے، نہ حواس درست ہیں^(۳)۔ آج کے نواب صاحب کے خط میں دو جگہ غلطیاں ہوئیں مجھ سے۔ لکھا کچھ چاہتا ہوں، لکھ کچھ جاتا ہوں۔ بس اب تو یہ نوبت پہنچی ہے^(۴)، کہ آج بچا کل مرا، کل بچا پرسون مرا۔ اس خط کا (جواب)^(۵) مجھ کو جلد لکھو۔ اور اوس میں یہ لکھو، کہ احسان حسین خان (اور اونکے بھائی مظفر حسین خان)^(۵) جو لکھنؤ سے آئے ہیں،

(۱) یہ عریضہ کلیات نثر فارسی میں شامل نہیں۔ اغلب یہ می، کہ بیات می نقل روانا نہیں کیگئی۔
(۲) کاتب فی دونوں جگہ 'پہنچی' لکھا ہے۔ لیکن میرزا صاحب نے اسی متن میں علی حالہ باقی رکھ کر پائین خط میں اپنی قلم سے 'پہنچی' بنادیا ہے، اسلئے میں نے متن میں صحیح املا لکھنا مناسب خیال کیا۔
(۳) حواس کا املا کاتب نے ہای ہوز سے لکھا تھا۔ مرزا صاحب نے اوسکو قلیزد کر کے حای حلی سے لکھا ہے۔

(۴) میرزا صاحب کی خط میں یہ لفظ موجود نہیں ہے۔ لیکن سیاق چاہتا تھا اس لٹی میں نے اسکو مہمو کاتب و مکتوب لہ خیال کر کے بریکٹ میں اضافہ کر دیا ہے۔

(۵) احسان حسین خان اور مظفر حسین خان، مسیح الدولہ حکیم علی حسین خان بہادر لکھنوی، طیب شاہ اودھ کی صاحبزادی تھی۔ الحاق اودھ کے بعد رفتہ رفتہ روساء شہر و اراکین سلطنت تباہ حال اور پریشان روزگار ہونا شروع ہوئے، تو ان میں سے اکثر اصحاب نے دربار راجپور کے دامن الطاف و کرم میں پناہ لی۔ یہ دونوں بھائی بھی سنہ ۱۲۷۳ ع میں یہاں آ گئے۔ نواب خلد آشیان نے انکی شایان شان قدر و منزلت کا اظہار فرمایا، اور انہو مصاحبین خاص میں جگہ عطا کی۔ احسان حسین خان بہادر نے جمعہ کو دن ۵ رجب سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ ع) کو کربلائی معلیٰ میں انتقال کیا۔ مظفر حسین خان آخر میں بنارس چلی گئے تھے، اور تیرہویں صدی کے آخر تک بقید حیات تھے۔

نواب صاحب کی سرکار سے اونکا کیا در ماہہ مقرر ہوا ہے، اور تعظیم و توقیر کا کیا رنگ ہے؟ دربا میں جو آتے ہیں، تو بیٹھتے کہاں ہیں^(۱)؟ (اس خط کے جواب کا طالب غالب، ۱۱ جون)^(۲)۔

(۱۱۵)

برخوردار نور چشم منشی سیلچند میر منشی کو بعد دعا کے یہ معلوم ہو، کہ اگلے مہینے یعنی اگست سنہ ۱۸۶۸ (کی)^(۳) تنخواہ کی ہنڈوی جو تم نے بھیجی تھی، اوسکا روپیہ اب تک نہیں پٹا۔ میں تو جس دن ہنڈوی آتی ہے، اوسی دن یا دوسرے دن اپنے مختار کار کے ہات، کہ وہ بھی مہاجن ہے، بیچ ڈالتا ہوں۔ مگر اوس مختار کار کو، جسکے ہاں ہنڈوی آئی ہے، (اوسنے) روپیہ اب تک نہیں دیا۔ ۸ ستمبر کو وہ ہنڈوی بیچکر روپیہ میں نے لے لیا تھا، اور آج ۱۸ ہے۔ مختار کار کو روپیہ اوسنے اب تک نہیں دیا۔ جس سے تم نے ہنڈوی لکھوائی ہے، اوسکو تم تاکید کرو کہ (یہاں کے مہاجن کو روپیہ دینے کی تاکید لکھے تاکہ)^(۴) مختار کار کا روپیہ پٹ جاوے (میر غالب ۱۲۷۸)^(۵)۔

(۱) اصل خط میں (ہی) بصیغہ مفرد تحریر ہو۔ لیکن اصول زبان کی رو سے (ہین) بصیغہ جمع ہونا چاہیے۔ میں نے یہ خیال کرکے کہ اسپر میرزا صاحب کی نظر نہیں پڑی۔ متن میں (ہین) لکھ دیا ہو۔
(۲) خط کے لفافہ پر میر منشی صاحب کی حسب ذیل تحریر ہو: "خط در جواب نوشتہ شد۔ ۱۶ صفر سنہ ۱۲۸۴ ھ مطابق ۲۰ جون سنہ ۱۸۶۷ ع۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کی خط کی پوری تاریخ ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۷ ع ہو۔

(۳) یہ لفظ اصل میں ساقط تھا۔ میں نے بریکٹ میں اسٹی اضافہ کر دیا ہے، کہ جملہ باخوارہ ہو جائے۔
(۴) یہ عریضہ بھی میرزا صاحب کی اپنی قلم کا نوشتہ نہیں ہو۔ البتہ جو عبارت بریکٹ میں درج ہو، وہ اونہوں نے خود لکھی ہو۔

(۵) اس خط کے لفافہ پر ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ تاریخ درج ہو۔



بنام خلیفہ احمد علی صاحب احمد رامپوری

(خلیفہ شیخ احمد علی صاحب احمد تخلص ولد شیخ نادر علی تقریباً سنہ ۱۲۱۹ھ (۱۸۰۵ ع) میں پیدا ہوئے۔ فارسی کتابیں مولوی عبید اللہ خان عبید اور کبیر خان تسلیم می پڑھیں، اور عربی علوم و فنون دیگر علماء شہر میں حاصل کیں۔ لیکن ادبیات فارسی کو ذوق فی خلیفہ صاحب کو عربی علوم کو لطائف کی طرف متوجہ نہ ہو کر دیا، اور انکی ساری عمر شیراز و شروان میں مرغزاروں کی سیر میں گزر گئی۔ رامپور کی اکثر فارسی ادب کی علما کا سلسلہ ان تک منتهی ہوتا ہے۔ نواب خلد آشیان اور نواب عرش آشیان طباطبائی کی استاد کی کا بھی شرف حاصل تھا۔ خلیفہ صاحب نے جمعرات کو دن ۲۹ رمضان سنہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۲۸ اپریل سنہ ۱۸۹۲ ع کو نوی سال کی عمر میں اپنے مکان واقع محلہ بنگلہ آزاد خان (رامپور) میں انتقال کیا۔

مرزا صاحب رامپور تشریف لائے، اور خلیفہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو موخر الذکر نے انہی گفتگو میں عرفی کو کلام پر نکتہ چینی کی، اور مثلاً یہ دوشعر پیش کیے:

ساکتہ، این نغمہ تا در نیم شب، ہمرہ مرغ سحر خوان می زخم
شاہدی کو کہ یک نفس گوشتو بدل درد پرور اندازد

میرزا صاحب نے عرفی کی حمایت کی۔ لیکن اوسوقت بحث ناتمام رہی، اور یہ طی پایا کہ خلیفہ صاحب شب کو آکر گفتگو کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اوس رات تشریف نہ لیجاسکی، اسلئے میرزا صاحب نے اپنے دلائل لکھکر انکی خدمت میں بھیج دیے۔

تذکرہ کاملان رامپور (ص ۲۴) میں اخلاقی شعریہ لکھا ہے:

منکہ باشم عقل کل را ناوک انداز ادب مرغ توصیف تو از اوج بیان انداختہ
مگر میرزا صاحب کی آئندہ تحریر کی روشنی میں اسکی صرف یہ تاویل کیجاسکتی ہے کہ مذکورہ بالا دو شعروں کو ساتھ یہ بھی معرض بحث میں آیا ہوگا۔ ورنہ میرزا صاحب خط میں اسیکا ذکر کرتے۔

(۱۱۶)

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی احمد علی صاحب کی خدمت میں بعد سلام مسنون الاسلام عرض یہ ہے، کہ فقیر شب کو آپکا منتظر رہا۔ آپ تشریف نہ لائے۔ ناچار تقریر کو تحریر کا پیرایہ دیکر آپ کی جناب میں بھیجتا ہوں۔ سنہ فارسیہ کا حال بسلیل اجمال ایک دو ورقہ پر مندرج ہے۔

بنظرِ اصلاح مشاہدہ ہو^(۱)۔

بعد اوسکے میری یہ عرض ہے، کہ ہر چند «سحر» اور «صبح» مرادف بالمعنی ہیں۔ اور وہ انجامِ لیل اور آغازِ نہار ہے۔ مگر بخلافِ صبح «سحر» بطریقِ مجاز بعدِ نصفِ شب سے صبح تک مستعمل ہے۔ طعامِ آخرِ شب کو «سحری» اور «سحرگہی» کہتے ہیں۔ اور مرغانِ خوش آواز، کہ بلبل بھی اون میں ہے، اکثر پھر سوا پھر رات سے بولتے ہیں۔ نصفِ شب کو مرغِ سحر خوان کا ہم آواز ہونا محلِ اعتراض نہیں ہے۔

«گوش» کا استعمال «انداختن» کیساتھ اگر شعرائِ ہند کے کلام میں آیا ہوتا، تو ہم اوسکی سند اہلِ زبان کے کلام سے ڈھونڈھتے۔ جب وہ خود عرفی^(۲) نے لکھا ہے، تو ہم سند اور کہان سے لائیں؟ قواعدِ زبانِ فارسی کا ماخذ تو ان حضرات کا کلام ہے۔ جب ہم انہیں کے قول پر اعتراض کریں گے، تو اوس اعتراض کیواسطے قاعدہ کہان سے لائیں گے؟ ان سب باتوں کو جانے دیجئے۔ اسکو ملاحظہ کیجئے، کہ عرفی اکبر شاہ^(۳) کے عہد میں تھا۔

(۱) میرزا صاحب کا یہ خط مولوی عبد الحکیم خان صاحب مدرس فارسی مدرسۂ عالیہ رامپور می مبلغ ۲۵ روپیہ میں خرید گیا تھا۔ فقیر عرشی کا خیال تھا کہ سننِ فارسی کی کیفیت پر مشتمل دو ورقہ بھی موصوف الذکر بزرگ کی پاس ہوگا۔ لیکن باوجود تلاش دستیاب نہوسکا۔

(۲) خواجہ جمال الدین محمد عرفی ابن خواجہ زین الدین علی شیرازی عہدِ اکبری کا ممتاز اور بلند پایہ فارسی شاعر شمار کیا جاتا ہی۔ حکیم ابوالفتح اور میرزا عبدالرحیم خانخانان کا مصاحب اور مداح تھا۔ اپنی موخر الذکر مدوح کے توسط سے شاہزادہ سلیم کا اتالیق مقرر ہوا۔ سنہ ۹۹۹ھ میں خانخانان کے ساتھ ٹھہرے (سندھ) کی مہم میں شریک ہوئے کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ لیکن شوال سنہ مذکورہ (اگست سنہ ۱۵۹۱ع) کو ۳۶ سال کی مختصر عمر میں بمقام لاہور فوت ہو گیا۔ اسکو کلام میں جوانی کا جوش و خروش اور الوالعزی اپنی تمام معاصرین سے زائد ہی۔ اگر دستِ قضا سے کچھ عرصہ اور بچ گیا ہوتا، تو بعض ایسی خامیاں، جو نظر ثانی ہوئے کے سبب کلام میں پائی جاتی ہیں، ہماری فارسی ادیبوں کو کبھی نظر نہآتیں۔ تاہم ایران کے جو شاعر ہندوستان چلے آئے تھے اون میں سے یہ نصیب نیک عرفی ہی کے حصہ میں آیا، کہ اوسکی زندگی میں اسکا کلام شیراز میں پڑھا جاتا تھا۔

(۳) جلال الدین اکبر ابن نصیر الدین ہمایون ابن ظہیر الدین بابر، سلطنتِ مغلیہ کا تیسرا روشن چراغ تھا۔ امر کوٹ (سندھ) میں سنہ ۹۴۹ھ (۱۵۴۲ع) کو پیدا ہوا۔ ابھی تیرا سال تو ماہ کی عمر تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ یرم خان خانخانان نے اسی بادشاہ بنا کر خود صدر اعظم کی حیثیت (باقی)

اور اوس عہد میں قطع نظر اور اہل کمال سے ابو الفضل^(۱) اور فیضی^(۲) یہ دونو شخص کیسے فاضل تھے۔ اور پھر عرفی کا ممدوح حکیم ابو الفتح^(۳) اسکا وہ پایہ علم میں تھا، کہ فیضی اور ابو الفضل کو بھی خیال میں نہ لاتا تھا۔ اگر یہ دونو شعر عرفی کے غلط ہوتے، تو یہ تینوں آدمی اوسکی دھجیان اوڑا ڈالتے۔ حال آنکہ فیضی و ابو الفضل اوسکے دشمن تھے۔ پس جب ان دونوں نے باوجود عداوت اعتراض نکیا، تو اب عرفی پر کون اعتراض کر سکتا ہے؟ عرفی کی زبان سے جو نکل جائے وہ سند ہے۔ ہمارے واسطے وہ ایک قاعدہ محکم ہے۔ وہ مطاع ہے، اور ہم اوسکے مقلد اور مطیع ہیں۔ غالب۔

(بقیہ) سی کام شروع کر دیا۔ لیکن اپنی خدا داد قابلیت سی اکبر فی بہت جلد انتظام سلطنت کا بار اپنی کاندھوں پر اٹھا لیا، اور سلطنت مغلیہ کی حدود کو گجرات، بنگال، کشمیر اور سندھ تک وسیع کر دیا۔ فتح پور سیکری اسی فی آباد کیا تھا۔ یہ بہت معمولی پڑھا لکھا تھا۔ لیکن ایک دانشمند بادشاہ کی طرح دربار کو اوسوقت کے ممتاز اہل علم سی مزین رکھتا، اور اونکو علی مباحثات میں شریک ہوتا رہتا تھا۔ جس سی اسکی معلومات اور قابلیت میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے دربار کے نورتن اب تک مشہور ہیں۔ اسکا سب سی اہم کارنامہ دین الہی کی ترویج ہو۔ یہ مذہب سیاست ملکی میں بہت معاون ثابت ہوا۔ چنانچہ ہندوستان کی پر شور فضا اسی مذہب کی بدولت جنت نشان بنی تھی۔ اکبر فی جمادی الآخرہ سنہ ۱۰۱۴ھ (۱۶۰۵ع) کو ۶۵ سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد کہا ہو۔

(۱) ابو الفضل، شیخ مبارک کا بیٹا، اور فیضی کا بھائی ہو۔ یہ سنہ ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ع) میں پیدا ہوا۔ سنہ ۱۹ اکبر شاہی میں ملازمت کا شرف حاصل کیا اور بہت تھوڑی عرصہ میں وزارت کی درجہ تک جا پہنچا۔ اسکو ربیع الاول سنہ ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ع) میں شاہزادہ سلیم کی ایما سی ۵۳ سال ۲ ماہ کی عمر میں شہید کر دیا گیا۔ یہ بڑا مدبر اور زبردست ادیب تھا۔ آئین اکبری، اکبرنامہ، اور مکاتبات علای تصنیفات ہیں۔ شعر بھی کہتا اور علای تخلص کرتا تھا۔ یہ اکبری دربار کے نورتن میں شمار کیا جاتا ہو۔ اسکی قتل کی اطلاع سی اکبر کو اسقدر صدمہ ہوا تھا کہ اوس فی کئی وقت کھانا نہ کھایا۔ اور بار بار کہتا تھا کہ اگر شیخو بابا بھی قتل کرادیتا تو اس سی بہتر تھا۔

(۲) فیضی، شیخ مبارک کا بڑا بیٹا، اور اکبری دربار کا ملک اشعرا تھا۔ حکمت، فلسفہ، ریاضیات، تاریخ، اور سنسکرت کا عالم تھا۔ سواطع الالہام، اور موارد الکلم، عربی میں، اور کلیات نظم۔ اور خمسہ، فارسی میں اسکی مشہور تصنیفات دین۔ یہ ۱۰ صفر سنہ ۱۰۰۴ھ (۱۵۹۵ع) کو ۵۰ سال کی عمر میں فوت ہوا۔

(۳) حکیم ابو الفتح مسیح الدین ابن حکیم عبد الرزاق گیلانی اکبر کا طبیب خاص اور اوس عہد کا بہت بڑا فاضل تھا۔ یہ اپنی علی وجاہت وعظمت کے سبب بادشاہ کے دربار میں ممتاز درجہ کا مالک اور اکبری دربار کے نورتن میں شامل تھا۔ اسی سنہ ۹۹۷ھ (۱۵۸۸ع) میں وفات پائی۔

بنام مولوی محمد حسن خان مالک مطبع

(مولوی محمد حسن خان ابن نور محمد خان ابن شاہ محمد خان مہمند افغان رامپور کے ایک شریف و با عزت خاندان کے فرد تھے۔ ان کے دادا شاہ محمد خان نواب سید محمد فیض اللہ خان بہادر کے ہمراہ افغانستان سے تشریف لائے، اور فوج میں بے حد جمعداری مقرر ہوئے۔ مولوی محمد حسن خان نے تیغ نیاگان کو قلم سے تبدیل کر لیا۔ اور اوس زمانہ کی مروج تعلیم حاصل کر کے نواب فردوس مکان کے حسب ایما سنہ ۱۸۵۶ ع میں "مطبع حسن" قائم کیا۔ بعد ازاں نواب خلد آشیان کے حسب الحکم ۱۲ جمادی الثانیہ سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع کو اخبار "دہدہ سکندری" کا پہلا پرچہ شائع کیا، جو اس وقت تک اپنی عمر کے ۷۴ سال پوری کر چکا ہے، اور هنوز اپنی روایتی وفاداری حکومت ہند و رامپور پر قائم ہے۔ سنہ ۱۸۷۷ ع کے دربار قیصری میں گورنمنٹ یو۔ پی نے انہیں اپنے صوبہ کے مدیران اخبارات و رسائل کا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ نواب خلد آشیان نے ایام ولیعہدی میں اپنا مصاحب منتخب کیا، اور عہد حکومت میں متعدد اہم سفارتی خدمات تفویض فرمائیں۔ ان کے بعد نواب سید محمد مشتاق علیخان بہادر عرش آشیان نے آخری مجسٹریٹ مقرر فرمایا۔ مولوی صاحب نے ۱۷ شوال سنہ ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ ع) کو ۹۰ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کے بعد چند سال تک آپ کے خلیفہ الرشید مولانا شاہ فاروق حسن خان صاحب صابری رحمہ اللہ نے اپنی مشاغل طریقت کے ساتھ "دہدہ سکندری" کو بھی ایڈٹ کیا۔ لیکن سنہ ۱۹۰۳ ع میں فرائض ادارت اپنے فرزند اکبر مولانا فضل حسن خان صاحب صابری کے سپرد کر دیئے، جو آج تک اسی انجام دہرے ہیں۔ موخر الذکر بزرگ نے اپنے گرامی نامہ موسومہ فقیر عرشی میں تحریر فرمایا ہے: "اخبار دہدہ سکندری کی ہندوستان بھر کی اخبارات میں یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ ۷۴ سال کی مدت مدید میں برٹش گورنمنٹ اور لوکل گورنمنٹ نے کبھی اس کے ایک حرف پر نہ کوئی اعتراض کیا، نہ اس سے کبھی ضمانت طلب ہوئی، نہ اس پر کسی نے آج تک کوئی مقدمہ چلایا۔"

(۱۱۷)

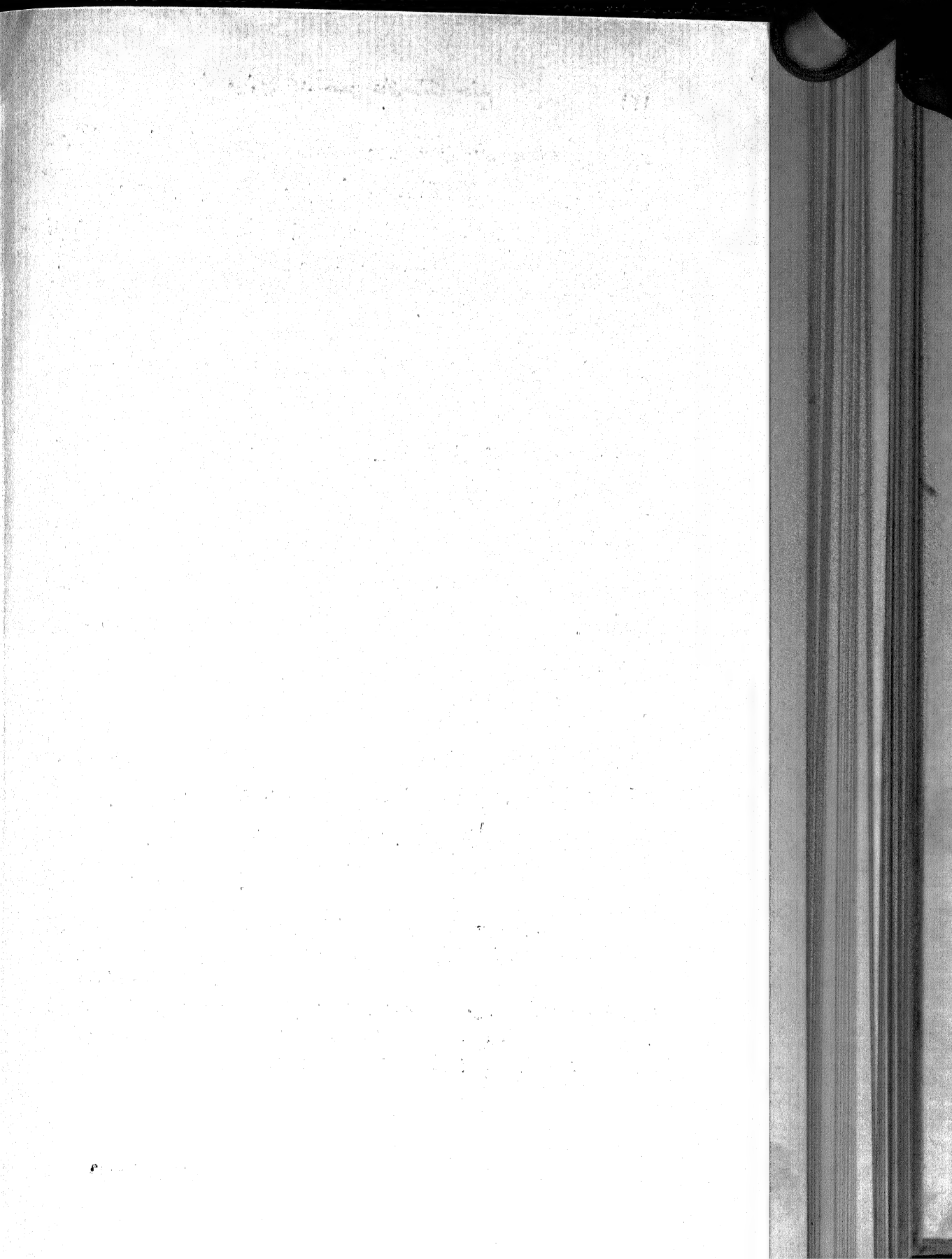
مشفق اور مکرمی محمد حسن خان صاحب^(۱) کو غالب آزرده دل کا سلام پہنچے۔ آج بھی آپ کا ایک خط آیا۔ کئی اخبار آپ کے پھیرے، کئی خط آپ کے پھیرے، اور آپ اخبار بھیجے جاتے ہیں۔ الہی! آپ کا خط خط تھا، یا کوئی جھوٹ کی پوٹ۔ بیشتر مجذوبوں کی سی بڑ۔ اور جو کچھ سمجھ

(۱) میرزا صاحب نے مکتوب الیہ کا نام، القاب اور سرنامہ دونوں مقامات پر محمد حسین خان لکھا ہے۔

مین آیا، وہ غلط اور دروغ اور جھوٹ۔ یہ غلط محض ہے کہ مطبع حضور کا ہے، اور تم مہتمم ہو حضور کی طرف سے۔ اللہ! اللہ! ڈگی جی سنگھ کی تعریف مین کہین سارا ایک صفحہ کہین سارا ایک ورق سیاہ کرتے ہو، اور اپنے والی ملک اور اپنے پادشاہ یعنی امیر المسلمین نواب کلب علیخان بہادر کے نام (کے) ^(۱) آگے یا نام سے پہلے کوئی دو تین لفظ تعظیم کے لکھتے ہو بس، اور اس قباحت کو نہیں سمجھتے کہ اگر یہ اخبار حضور کی طرف سے ہے، تو گویا ڈگی سنگھ جی کی تعریف بھی حضور کی طرف سے ہوگی۔ ہندستانی علمداری ^(۲) مین وہ ایک زمیندار اور مالگزار تھا۔ اب گورمنٹ ہند نے اوسکو جاگیردار مستقل کر دیا۔ اور نواب محمد علیخان رئیس ٹونک کا ہر اخبار مین ایک مرثیہ لکھتے ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ تم طرح طرح سے اطراف و جوانب کے رئیسوں سے بھیک مانگتے ہو۔ بھائی! ایک درگیر و محکم گیر۔ اگر حضور کے نوکر بھی نہیں ہو تم، تو آخر رعیت تو ہو۔ یہ کیا ہے کہ اپنے پادشاہ کا ذکر سب سے پیچھے لکھتے ہو، کبھی صفحہ پر کبھی حاشیہ پر؟ ہم نے ان باتوں سے بیزار ہو کر تمہارا اخبار موقوف کیا ہے، اور اب پھر تمہیں لکھتے ہیں، کہ دوہائی خدا کی! مین یکم جنوری سنہ ۱۸۶۸ سے »دبدبہ سکندری« کا خریدار نہیں ہوں۔ نہ بھیجا کرو۔ واسطے خدا کے! نہ بھیجا کرو۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ (مہر غالب ۱۲۷۸)۔ ^(۳) (۲۵) فروری سنہ ۱۸۶۸ ع۔

(۱) یہ لفظ اصل مین ساقط تھا۔ مین تو سیاق کلام کے حسب اقتضا بڑھا دیا ہو۔
(۲) یہ خط میرزا صاحب کی قلم کا نوشتہ نہیں ہے، اسکی ممکن ہے کہ کاتب تو سہوآ »علمداری« کے بجای »علمداری« لکھ دیا ہو۔

(۳) خط کے آخر مین تاریخ نہیں تھی۔ مین تو لفافہ کی تاریخ لکھ دی ہو۔ لفافہ کی پشت پر نوٹ ہو: »موجب خط ہذا بعد استدراک از مرزا نوشہ صاحب مبلغ دو روپیہ ہشت آٹھ بابت بقایا حساب اخبار محمد حسن خان حوالہ لالہ ٹھنڈی رام محافظ دفتر نمودہ شد«۔ تمت بالخیر۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔



۱ - فہرست اشخاص و قبائل

(ان فہرستوں میں جلی ہندسے متن کیطرف اور خفی ہندسے حاشیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور حاشیہ سے فٹ نوٹس اور وہ تحریریں مراد ہیں، جو مکتوب الیہم کے متعلق اون کے نام کے خطوط کے آغاز میں لکھی گئی ہیں۔)

- | | |
|------------------------------------|---------------------------------------|
| آزردہ (دیکھو: صدر الدین مفتی)۔ | احمد علی رامپوری، خلیفہ - ۱۱۷۔ |
| آفتاب بیگم - ۶۴۔ | احمد علی رسا - ۶۶، ۸۵۔ |
| آلنقوا - ۶۱۔ | اڈمنسٹن صاحب - ۲۲۔ |
| ابدال - ۵۴۔ | اصغر علیخان بہادر، صاحبزادہ سید - |
| ابراہیم ذوق، شیخ - ۱۷۔ | ۱۴، ۱۰۹۔ |
| ابراہیم علیخان بہادر، نواب سر | اصغر علیخان رسالدار، محمد - ۸۷۔ |
| حافظ - ۵۴۔ | اعجاز علیخان، صاحبزادہ محمد - ۶۶۔ |
| ابو الفتح، حکیم - ۱۱۸، ۱۱۹۔ | اکبر، جلال الدین - ۸۲، ۱۱۸، ۱۱۹۔ |
| ابوالفضل - ۱۱۹۔ | اکبر شاہ، عرش آرامگاہ - ۷۸۔ |
| احسان حسین خان - ۱۰۵، ۱۱۵۔ | اکبر علیخان - ۹۶، ۹۸۔ |
| احمد بخش خان بہادر، نواب - ۱۱، | الیٹ صاحب - ۷۹۔ |
| ۱۲، ۷۹، ۹۵۔ | الہی بخش خان معروف، نواب - ۱۲۔ |
| احمد حسن مودودی، حکیم سید - ۵۴۔ | امام بخش صہبائی - ۵۸۔ |
| احمد شاہ درانی - ۵۴۔ | امداد اللہ خان، صاحبزادہ سید - ۶۴۔ |
| احمد علی جہانگیر نگری، مولوی آغا - | امیر احمد مینائی - ۳، ۱۳، ۱۷، ۴۲، ۴۶، |
| ۷۱، ۷۲۔ | ۴۸، ۴۹، ۹۹، ۱۰۹۔ |
| احمد علیخان بہادر، نواب سید - | امین الدین - ۷۱، ۷۲۔ |
| ۲۹، ۱۱۲۔ | امین الدین احمد خان بہادر، نواب - ۱۲۔ |

- چشتی پہلوان - ۱۳ .
 چھج مل کھتری ، رای - ۶۷ .
 حالی ، مولانا - ۶۵ .
 حبیب اللہ خان ذکا - ۶۹ .
 حسرتی (دیکھو: مصطفیٰ خان) .
 حسن جہان بیگم - ۹۶ .
 حسن علیخان - ۳۱ .
 حسن علیخان ، صاحبزادہ - ۶۶ .
 حسین خان قزوینی ، میرزا - ۷۷ .
 حسین علیخان ، مرزا - ۲۶ ، ۴۰ ، ۶۷ ،
 ۷۵ ، ۸۹ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۹۸ ، ۱۰۰ ،
 ۱۰۱ ، ۱۰۲ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ .
 ۱۰۸ .
 حفیظ اللہ خان بہادر ، صاحبزادہ
 سید - ۸۵ .
 حیا (دیکھو: رحیم الدین بہادر مرزا) .
 حیات النساء بیگم صاحبہ - ۹۳ .
 حیدر علیخان بہادر ، صاحبزادہ
 سید - ۲۹ ، ۳۰ .
 خاقانی - ۸ .
 خان آرزو - ۸۳ .
 خسرو دہلوی ، امیر - ۷۷ .
 خلد آشیان ، نواب سید محمد کلب علیخان
 بہادر - ۱۷ ، ۳ ، ۲۳ ، ۳۱ ، ۴۰ ، ۴۶
 ۱۱۲ ، ۱۱۵ ، ۱۱۷ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ .
 داغ (دیکھو: نواب مرزا خان) .

- انجو ، میان - ۸۲ .
 انوری - ۹۷ .
 اودیسنگھ ، راجہ - ۹۷ .
 اورنگ زیب (دیکھو: عالمگیر) .
 ایڈمنڈ ڈریمنڈ - ۸۶ .
 ایسری پرشاد نراین سنگھ - ۸۶ .
 بابر ، ظہیر الدین - ۱۱۸ .
 باقر علیخان - ۲۶ ، ۶۷ ، ۷۲ ، ۸۹ ، ۹۷ ، ۹۸ .
 باقی باللہ ، خواجہ - ۱۴ .
 بالمتی ، رانی - ۹۷ .
 بیر علیخان ، حکیم - ۶۳ .
 بدر چاچی - ۷۷ .
 برلیج - ۷۲ .
 بڑیچ - ۱ ، ۱۸ .
 بوعلی سینا - ۶۳ .
 بہادر شاہ ظفر - ۳ ، ۱۲ ، ۷۸ .
 بیخبر (دیکھو: غلام غوث خان بہادر) .
 بیلی صاحب ، ڈاکٹر - ۸۶ .
 ترک - ۷۲ .
 ترکان - ۹۷ .
 تفتہ ، ہرگوپال - ۲۷ ، ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۹ ، ۵۲ .
 تمر ، تیمور - ۶۱ .
 ٹیک چند ، لالہ - ۷۳ ، ۸۳ .
 جان انگلس بہادر - ۸۴ ، ۸۵ .
 جلالای طباطبائی - ۷۷ ، ۷۸ .
 جہانگیر ، نور الدین - ۸۲ ، ۹۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ .

- ڈانل میکلوڈ صاحب - ۸۸ .
 ڈگی سنگھ جی - ۱۲۱ .
 ڈلہوسی ، لارڈ - ۲۲ .
 ڈنکن میکلوڈ صاحب - ۸۸ .
 ذکا (دیکھو: حبیب اللہ خان) .
 ذوق (دیکھو: ابراہیم شیخ) .
 رحیم بیگ - ۵۸ .
 رحیم الدین بہادر حیا ، مرزا - ۹۵ .
 رخشان (دیکھو: ضیاء الدین احمد خان بہادر)
 رسا (دیکھو: احمد علی) .
 رسا (دیکھو: کریم الدین بہادر مرزا) .
 رشید ، شیخ - ۸۲ .
 رشید و طواط - ۹۷ .
 رضوان (دیکھو: شمشاد علی بیگ) .
 روہیلہ - ۱۱۲ .
 ریو - ۷۷ .
 زین العابدین خان بہادر - ۱۳ ، ۱۰۹ ،
 ۱۱۴ .
 زین العابدین خان عارف - ۴۰ ، ۸۹ ، ۹۷ .
 سخن (دیکھو: نضر الدین حسین خان) .
 سراج الدین احمد - ۳ .
 سرفراز حسین ، میر - ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۸ .
 سعید الدین احمد خان بہادر طالب ،
 نواب - ۴۶ .
 سعید الدین خان صاحب - ۶۶ .
 سکندر زمانی بیگم - ۶۴ .
 سکھ - ۲۲ .
 سلیم ، شاہزادہ (دیکھو: جہانگیر) .
 سنجر ، سلطان - ۹۷ .
 سنیاح - ۵۸ .
 سیالکوٹی مل - ۷۳ .
 سیلچند ، منشی - ۷۵ ، ۷۶ ، ۹۹ .
 ۱۰۰ ، ۱۰۳ ، ۱۰۵ ، ۱۱۲ .
 شاہجہان - ۷۷ ، ۹۷ .
 شاہ عالم - ۵۴ ، ۷۸ .
 شاہ محمد خان - ۱۲۰ .
 شعاع (دیکھو: اکبر شاہ) .
 شمس الدین احمد خان ، نواب - ۱۲ .
 شمس الدین خان دہلوی ، نواب - ۱۷ .
 شمشاد علی بیگ رضوان - ۶۵ .
 شیخو بابا (دیکھو: جہانگیر) .
 شیفہ (دیکھو: مصطفیٰ خان) .
 شیو نراین ، منشی - ۱۰ ، ۳۵ ، ۳۹ .
 صدر الدین خان آزرده ، مفتی - ۲ .
 صہبائی (دیکھو: امام بخش) .
 ضیاء الدین احمد خان بہادر نیر ، نواب -
 ۱۰ ، ۱۲ ، ۲۸ ، ۷۹ ، ۸۱ ، ۹۸ .
 طاہر وحید - ۷۷ ، ۷۸ .
 ظفر (دیکھو: بہادر شاہ) .
 عارف (دیکھو: زین العابدین خان) .
 عالمگیر - ۹۷ .
 عالیہ سلطان بیگم (دیکھو: حیات النساء بیگم) .

- عباس ثانی، شاه - ۵۸، ۲۷ .
 عبدالله خان بهادر، نواب سید - ۴،
 ۱۳، ۱۴، ۱۰۹ .
 عبدالحق خیرآبادی، مولوی - ۴۸ .
 عبدالحکیم خان، مولوی - ۱۱۸ .
 عبد الرحمن خان بهادر، نواب سید -
 ۱۴، ۴۴ .
 عبد الرحمن وحید (دیکھو: طاہر وحید).
 عبد الرحیم خانخانان - ۱۱۸ .
 عبد الرزاق شاہ - ۵۸ .
 عبد الرزاق گیلانی - ۱۱۹ .
 عبد الرشید الحسنی (دیکھو: رشید شیخ).
 عبد الصمد، ملا - ۸۲ .
 عبد العلیخان بہادر، سید - ۴۸ .
 عبد القادر دہلوی، شاہ - ۳ .
 عثمان خان بہادر، مولوی محمد - ۷۸ .
 عرش آشیان، نواب سید محمد مشتاق
 علیخان بہادر - ۱۲۰، ۱۱۷، ۱۱۲، ۶۴ .
 عرفی، جمال الدین محمد شیرازی - ۸،
 ۱۱۹، ۱۱۸، ۱۱۷، ۸۲ .
 عزت (دیکھو: غیاث الدین، خلیفہ) .
 عزیز (دیکھو: یوسف علیخان) .
 عصمت اللہ خان بہادر فاروقی،
 نواب - ۶۶ .
 علاء الدین احمد خان بہادر علائی،
 نواب - ۲۹، ۱۰ .
- علی، زین الدین شیرازی - ۱۱۸ .
 علی بخش خان خانسامان - ۳۱، ۳۲،
 ۵۲، ۹۴ .
 علی حسین خان بہادر، مسیح الدولہ
 حکیم - ۱۰۵، ۱۱۵ .
 علی محمد خان بہادر، نواب سید - ۱،
 ۶۱، ۱۱۲ .
 عمدہ خانم - ۱۷ .
 عنبر شاہ خان عنبر - ۱۱۷ .
 غلام رضا خان، حکیم - ۵۲ .
 غلام غوث خان بہادر بیخبر - ۵۰، ۵۳ .
 غلام محمد خان بہادر، نواب سید -
 ۱۳، ۱۴، ۴۸، ۸۵، ۹۳، ۱۰۹ .
 غلام نجف خان، حکیم - ۶۵ .
 غیاث الدین عزت، خلیفہ - ۲، ۴۸،
 ۱۱۲ .
 فاروق حسن خان صابری، شاہ - ۱۲۰ .
 فاضل شطرنج باز - ۹۵ .
 فتح النساء بیگم، جنابعالیہ - ۱، ۱۸،
 ۱۹، ۲۰ .
 نجر الدین خان، نواب - ۲۸ .
 نجر الدین حسین خان سخن - ۷۲ .
 نجر الزمان (دیکھو: بدر چاچی) .
 فدا سلٹی - ۷۲ .
 فردوس مکان، نواب سید یوسف
 علیخان بہادر - ۵۰، ۵۲، ۵۳ .

- ۵۸، ۷۱، ۷۲، ۸۵، ۸۶، ۹۵، ۱۱۲،
۱۱۳، ۱۲۰۔
فضل امام، مولانا - ۳۔
فضل حسن خان صابری، مولانا - ۱۲۰۔
فضل حق خیر آبادی، مولانا محمد - ۲۔
۳، ۴، ۵، ۷، ۸، ۴۸۔
فیروز النساء بیگم - ۴۸۔
فیض اللہ خان بہادر، نواب سید - ۱،
۱۸، ۲۹، ۶۶، ۱۱۲، ۱۲۰۔
فیض محمد خان، نواب - ۳۔
فیضی، ابو الفیض - ۱۱۹۔
قتیل - ۷۲، ۷۳۔
کاظم علیخان بہادر عرف چھوٹے
صاحب، صاحبزادہ سید - ۴۷۔
کبیر خان تسلیم - ۱۱۳۔
کبیر الدین، شاہ - ۱۱۳، ۱۱۴۔
کریم اللہ خان بہادر، صاحبزادہ
سید - ۶۴۔
کریم الدین بہادر رسا، مرزا - ۹۵۔
کفایت اللہ خان، صاحبزادہ سید - ۶۴۔
کنور سین، راجہ - ۱۱۲۔
کیننگ بہادر، لارڈ - ۱۹، ۲۲، ۲۳،
۳۳، ۳۶، ۳۷۔
لارنس صاحب، لارڈ - ۸۶، ۸۹۔
لیک بہادر، جرنیل لارڈ - ۱۲۔
مبارک، شیخ - ۱۱۹۔
مجاور علی صاحب، سید - ۱۰۴۔
مجید الدین احمد خان بہادر عرف بجو
خان، نواب - ۶۶۔
محمد تغلق، سلطان - ۷۷۔
محمد تقی خان سپہر، مرزا - ۴۸۔
محمد حارثی - ۸۲۔
محمد حسن خان بہادر صدر الصدور،
مولوی - ۶۶۔
محمد حسن خان، صاحبزادہ - ۹۳۔
محمد حسن خان مالک مطبع، مولوی -
۱۲۰۔
محمد الدین احمد خان - ۶۶۔
محمد سعید خان بہادر، نواب سید -
۳، ۱۔
محمد علی، مولانا - ۳۱۔
محمد علیخان بہادر، نواب سید - ۲۹۔
محمد علی رائج سیالکوٹی - ۸۳۔
محمد علیخان ابن وزیر محمد خان رئیس
ٹونک - ۵۴، ۱۲۱۔
محمد نور خان بڑیچ - ۱۸، ۱۔
مرتضی خان بہادر، نواب - ۶۶۔
مرہٹہ - ۱۱، ۱۲، ۵۴۔
مشتاق علیخان بہادر، نواب سید،
(دیکھو: عرش آشیان)۔
مصطفی خان بہادر، نواب - ۶۶، ۶۸۔
مظفر حسین خان بہادر - ۱۰۵، ۱۱۵۔

- معروف (دیکھو: الہی بخش خان نواب) .
 ملک شاہ سلجوقی - ۹۷ .
 ممتاز علیخان بہادر ، صاحبزادہ - ۶۶ .
 مومن خان - ۲ ، ۶۷ .
 مہدی حسین ، میر - ۱۲ ، ۱۴ ، ۲۷ ، ۳۱ ، ۷۹ .
 مہدی علیخان بہادر ، نواب - ۸۵ ،
 ۸۷ ، ۸۸ .
 مہدی علیخان تحویلدار - ۷۲ .
 مہمند - ۱۲۰ .
 میر نصاحب - ۳۱ ، ۳۲ .
 نادر شاہ - ۵۴ .
 نادر علی ، شیخ - ۱۱۷ .
 ناظر حسین ، مرزا - ۱۰ .
 نصر اللہ بیگخان بہادر - ۱۱ .
 نصر اللہ خان بہادر ، نواب سید - ۶۴ .
 نظام حیدر آباد ، حضور - ۱۷ .
 نواب مرزا خان داغ دہلوی - ۱۷
 ۵۷ ، ۶۹ ، ۸۱ ، ۱۰۵ ، ۱۰۷ .
- نور محمد خان - ۱۲۰ .
 نوشہ صاحب ، مرزا - ۶۸ .
 نولکشور صاحب ، منشی - ۵۲ ، ۷۷ .
 نیاز علیخان ، صاحبزادہ - ۶۶ .
 نیر (دیکھو: ضیاء الدین احمد خان بہادر) .
 نیر (دیکھو: ممتاز علیخان) .
 وارستہ (دیکھو: سیالکوٹی مل) .
 وکٹوریہ ، ملکہ معظمہ - ۱۵ ، ۲۱ ،
 ۲۳ ، ۲۴ ، ۳۳ ، ۴۸ ، ۵۴ .
 ولی محمد سوداگر - ۸۷ .
 ولیم فریزر ، مسٹر - ۱۲ .
 ہارڈنگ صاحب ، لارڈ - ۲۲ .
 ہرگوپال (دیکھو: تفتہ) .
 ہمایون - ۱۱۸ .
 یوسف خان برادر غالب - ۲۷ .
 یوسف علیخان بہادر ، نواب سید
 (دیکھو: فردوس مکان) .
 یوسف علیخان عزیز - ۱۰ .

۲ - فهرست مقامات

- آگرہ - ۱۱۰، ۸۲، ۱۱، ۹۷، ۱۱۰.
- اصفہان - ۷۷، ۷۲.
- افغانستان - ۱۲۰، ۵۴، ۲۲.
- اکبر آباد (دیکھو: آگرہ).
- الور - ۹۸، ۳.
- الہ آباد - ۸۶.
- امر کوٹ - ۱۱۸.
- انڈمان، جزائر - ۳.
- انگلستان - ۲۷، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۲.
- اودھ - ۱۱۵، ۱۰۵، ۱۹.
- ایران - ۱۱۸، ۷۲، ۵۸، ۵۴.
- بخارا - ۷۲.
- برار، صوبہ - ۲۲.
- برما - ۲۲.
- بریلی - ۶۵.
- بنارس - ۸۶، ۶۷.
- بنگال، بنگالہ - ۱۱۹، ۸۸، ۷۲، ۷۱.
- بینظیر، باغ - ۹۳.
- پارس - ۸۲.
- پانی پت - ۵۴.
- پٹیالہ - ۱۴.
- پنجاب - ۱۱۰، ۸۸، ۲۲، ۱۹.
- تاشقند - ۷۷.
- ٹونک - ۱۲۱، ۵۴، ۲.
- ٹھٹھہ - ۱۱۸، ۸۳.
- جودھپور - ۹۷.
- جہانگیر آباد - ۶۶.
- جہانگیر نگر - ۷۱.
- جھجھر - ۳.
- جیپور - ۱۱۴، ۱۰۹.
- چاچ (دیکھو: تاشقند).
- حیدر آباد - ۱۷.
- خیر آباد - ۳.
- دلی، دہلی - ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۰، ۴، ۳.
- ۱۷، ۲۵، ۳۶، ۲۸، ۴۹، ۵۴، ۵۸.
- ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۹، ۸۷، ۹۵، ۹۷.
- ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲.
- رامپور - ۲۸، ۲۶، ۲۵، ۱۹، ۱۷، ۱۰، ۳.
- ۳۹، ۳۰، ۳۱، ۵۰، ۵۱، ۵۴، ۶۵.
- ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۸۵، ۸۶، ۹۰.
- ۹۲، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۳.
- ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰.
- رنگون - ۱۳.
- روہیلکھنڈ - ۱۱۲، ۱.
- ساگر - ۸۸.
- ستلج - ۲۳.

- سرهند - ۱۱۲ .
 سمرقند - ۷۲ .
 سنہل - ۸۵ .
 سندھ - ۵۴ ، ۷۲ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ .
 سوار ، تحصیل - ۲۶ .
 سونک سوفسا ، پرگنہ - ۱۱ ، ۱۲ .
 سہارنپور - ۳ .
 شاہجہان آباد (دیکھ: دلی) .
 شاہجہانپور - ۲۵ .
 شیراز - ۸۲ ، ۱۱۷ .
 علیگڑھ - ۸۶ .
 غازی آباد - ۸۷ .
 فتح پور سیکری - ۱۱۹ .
 فتحگڑھ - ۲۱ ، ۲۴ ، ۱۱۲ .
 فرخ آباد - ۲۵ .
 فیروزپور جھڑک - ۱۱ ، ۱۲ ، ۷۹ .
 قزوین - ۷۷ .
 قلات - ۲۲ .
 کاشی پور - ۲۲ ، ۲۴ .
 کاشی پور ، محلہ - ۸۶ .
 کانپور - ۸۶ .
 کربلائی معلی - ۱۱۵ .
 کشمیر - ۱۱۹ .
 کلکتہ - ۱۹ ، ۶۷ ، ۷۱ ، ۸۵ ، ۸۶ ، ۸۷ .
 ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۰ ، ۱۱۰ .
- کھربا ، موضع - ۲۶ .
 کیچ - ۷۲ .
 گجرات - ۱۱۹ .
 گڑھ مکٹیسر - ۲۵ .
 لاوا - ۵۴ .
 لاہور - ۵۴ ، ۸۸ ، ۱۱۸ .
 لکھنؤ - ۳ ، ۲۸ ، ۷۷ ، ۱۱۵ .
 لندن - ۲۲ ، ۸۸ .
 لوہارو - ۱۱ ، ۱۲ ، ۷۹ .
 مدینہ منورہ - ۸۳ .
 مراد آباد - ۲۴ ، ۲۵ ، ۳۱ ، ۶۵ ، ۶۶ .
 ۶۷ ، ۶۸ ، ۶۹ .
 مراد نگر - ۲۵ .
 مکران - ۷۲ .
 مالک مغربی و شمالی - ۲۲ ، ۲۴ ، ۱۲۰ .
 میرٹھ - ۴ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۳۵ ، ۵۸ ، ۱۰۹ .
 نجیب آباد - ۳۱ .
 نربدا - ۸۸ .
 ہاپوڑ - ۶۸ .
 ہرات - ۵۴ .
 ہند ، ہندستان - ۱ ، ۱۲ ، ۱۹ ، ۲۲ ، ۲۳ .
 ۲۴ ، ۵۴ ، ۵۸ ، ۷۲ ، ۷۳ ، ۷۷ ، ۸۲ .
 ۸۴ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ .
 ۱۳۰ ، ۱۳۱ .

۳ - فہرست کتب و اخبارات

- | | |
|--|--------------------------------------|
| تاریخ لطیف - ۹۸، ۸۵، ۷۹، ۷۲، ۴۰ | آئین اکبری - ۱۱۹ |
| تاریخ ہند مصنفۃ الیٹ صاحب - ۷۹ | آئینہ سکندر، اخبار - ۳ |
| تذکرہ کاملان رامپور - ۱۱۷، ۳۱ | ابر گہر بار، مثنوی - ۳۸ |
| تشریح السنین - ۷۲ | اخبار الصنادید - ۳۱، ۲۵، ۲۳، ۱۸ |
| تیغ تیز - ۷۲، ۷۱ | ۳۳، ۴۷، ۵۲، ۵۴، ۶۴، ۶۵، ۷۸ |
| تیغ تیز تر - ۷۲، ۷۱ | ۸۵، ۹۲ |
| خزانہ عامرہ - ۸۳ | اردوی معلیٰ - ۳۱، ۲۹، ۲۷، ۱۴، ۱۰ |
| خمسة فیضی - ۱۱۹ | ۳۲، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۹، ۴۹، ۵۲ |
| داستان حمزہ (دیکھو: امیر حمزہ کی داستان) | ۵۴، ۵۸، ۶۵، ۶۷، ۶۹، ۷۱، ۷۹ |
| دبدبہ سکندری، اخبار - ۹۲، ۸۶، ۴۸ | ۸۲، ۹۸، ۱۰۴ |
| ۹۳، ۹۹، ۱۲۰، ۱۲۱ | اعجاز خسروی - ۷۷ |
| دستنبو - ۱۵ | اکبر نامہ - ۱۱۹ |
| دیوان اصغر - ۱۴ | امیر حمزہ کی داستان - ۵۹، ۵۸ |
| دیوان غالب اردو - ۷۹، ۱۵، ۱۰ | انتخاب بوستان خیال - ۴۸ |
| ۸۰، ۸۱، ۱۱۰ | انتخاب یادگار، تذکرہ - ۳، ۱۳، ۴۰، ۴۲ |
| دیوان غالب فارسی - ۷۹، ۵۵، ۵۳ | ۴۶، ۵۹، ۶۴، ۶۶، ۸۵، ۹۲، ۱۰۹ |
| ۸۰، ۸۱ | برہان قاطع - ۷۴، ۷۳، ۵۸ |
| دیوان ناظم - ۵۵، ۵۳، ۲ | بہار عجم، فرهنگ - ۸۳ |
| دیوان نواب - ۴۸ | پنج آہنگ - ۱۳ |
| رموز حمزہ (دیکھو: امیر حمزہ کی داستان) | تاریخ سلاطین تیموریہ - ۱۲ |
| ساطع برہان - ۵۸ | تاریخ شاہان سلف - ۴۸ |

- سواطع الالهام - ۱۱۹ .
 شرح اشعار بدر چاچی - ۷۸ ، ۷۷ .
 عود ہندی - ۱۴ ، ۳۱ ، ۵۰ ، ۵۸ ، ۷۹ .
 غالب ، مصنفہ مهر - ۷۲ .
 غیاث اللغات - ۲ ، ۴۸ ، ۱۱۲ .
 فرہنگ جہانگیری - ۸۰ ، ۸۲ .
 فرہنگ رشیدی - ۸۰ ، ۸۲ ، ۸۳ .
 قاطع برہان - ۵۸ ، ۷۱ ، ۸۲ .
 کلیات (ثر) غالب - ۱۳ ، ۱۱۵ .
 کلیات (نظم) غالب - ۶ ، ۲۸ ، ۲۹ ، ۶۹ ،
 ۷۹ ، ۸۰ .
 کلیات فیضی - ۱۱۹ .
 گلشن ینخار - ۶۷ .
 گلشن فتوت - ۱۸ .
 لب لباب رمل - ۶۶ .
 مصطلحات شعرا - ۸۳ .
 مکاتبات علامی - ۱۱۹ .
 منتخب اللغات - ۸۳ .
 موارد الکلم - ۱۱۹ .
 موید برہان - ۷۱ .
 مهر نیمروز (دیکھو: تاریخ سلاطین
 تیموریہ) .
 ناسخ التواریخ - ۴۸ .
 نامہ غالب - ۵۷ ، ۵۸ .
 ہدیہ سعیدیہ - ۳ .
 یادگار غالب - ۶۵ .

تصحیح و استدراک

(پروف کی تصحیح میں انتہائی احتیاط کی باوجود متن اور حواشی میں بعض غلطیاں رہ گئیں تھیں، نیز مکاتیب کی طباعت کے بعد کچھ نئی چیزیں بھی معلوم ہوئیں، اسلئے مجبوراً تصحیح و استدراک کی نامشکور سعی کرنی پڑی۔ براہ کرم غلطیوں کی اصلاح فرما لیجائی، اور نئی معلومات مناسب مقام پر اضافہ کر لیجائیں، تاکہ کتاب پڑھنے کے وقت کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔)

- ص ۱۲، سط ۱ و ۴ - «لاژد» بجائے «لارڈ»۔
 ایضاً، حاشیہ نمبر ۴، سط ۵ - اضافہ کیجیے (اردو معنی، ص ۱۶۳)۔
 ص ۱۴، حاشیہ نمبر ۳، سط ۴ - «بھائی کی حویلی» بجائے «بھائی کے حویلی»۔
 ص ۱۶، حاشیہ نمبر ۱، سط ۸ - سنہ ۱۸۵۸ ع، بجائے «سنہ ۱۸۸۸ ع»۔
 ص ۱۷، حاشیہ نمبر ۲، سط ۴ - «داروغہ تھی اور سو روپیہ» بجائے «داروغہ تھی سو روپیہ»۔
 ص ۱۹، سط ۶ - «لاژد» بجائے «لارڈ»۔
 ص ۲۱، حاشیہ، سط ۶ - «بھان» بجائے «بھان»۔
 ص ۲۲، حاشیہ نمبر ۳، سط ۹ - «تر» بجائے «ر»۔
 ایضاً، حاشیہ، نمبر ۵، سط ۴ - «ممالک مغربی و شمالی کے گورنر» بجائے «پنجاب کے گورنر»۔
 ص ۲۴، حاشیہ، سط ۲۴ - «دعائی» بجائے «دعائی»۔
 ص ۲۶، حاشیہ، سط ۵ - «کی» بجائے «کیلو»۔
 ایضاً، حاشیہ، سط ۸ - «جا» بجائے «جارجا»۔
 ص ۲۷، سط ۱۴ - «نواز شنامہ» بجائے «لوا شنامہ»۔
 ص ۲۹، حاشیہ نمبر ۱، سط ۱۵ - «کیا» بجائے «کبا»۔
 ایضاً، حاشیہ، سط ۱۷ - «دیدہ ور» بجائے «دیدور»۔
 ص ۳۷، حاشیہ، سط ۱ و ۱۵ - «مارچ» بجائے «فروری»۔ (یہ اردو معنی کے مطبوعہ ایڈیشن کی غلطی تھی)۔
 ص ۴۰، سط ۲ - «ہزار» بجائے «ہزار»۔
 ایضاً، حاشیہ نمبر ۱، سط ۱ - «مرزا» بجائے «مرز»۔
 ص ۴۱، سط ۱۰ - «ٹھرتا» بجائے «ٹھرتا»۔
 ص ۴۴، سط ۱۵ - «ناتوانان» بجائے «ناتوان»۔
 ص ۴۹، سط ۱۳ - «چو» بجائے «چون»۔
 ص ۵۰، حاشیہ نمبر ۱، سط ۱۹ - «آمر» بجائے «امر»۔
 ص ۵۹، سط ۹ - «چو» بجائے «چون»۔
 ص ۶۰، سط ۱ - «دستاری» بجائے «دسناری»۔
 ص ۶۶، حاشیہ نمبر ۲، سط ۹ - اضافہ کیجیے «سعید الدین خان صاحب نے ۲۱ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۷ جنوری سنہ ۱۸۸۶ ع اور ۸ جمادی الاول سنہ مذکور مطابق ۱۳ فروری سنہ مذکور کے درمیان انتقال کیا»۔

» کچھ معلوم نہوسکا « کی بجائے » اونکی صاحبزادہ مولوی محمد نجم الحسن خان کی مکتوب مورخہ ۲۶ اپریل سنہ ۱۸۷۸ ع سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر الصدور صاحب بانس بریلی کی باشندی تھی ، اور خط لکھنے سے پانچ سال قبل ، تقریباً سنہ ۱۸۷۳ ع میں ، انتقال کر گئی . صدر الصدور صاحب کی برادر خورد مولوی حامد حسن خان بھی صدر الصدور تھی . یہ فروری سنہ ۱۸۷۸ ع میں فوت ہوئی . «

» کو « بجائے » کو « .

» ۱۱۰ « بجائے » ۱۰۹ « .

» ۱۲۲۱ « بجائے » ۱۲۴۸ « .

» لکھتے « بجائے » لکھتے « .

» رجب سنہ ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۵ ع) میں « بجائے » غدر سنہ ۵۷ ع سے قبل « .

(مکاتیب کی ترتیب کی وقت قطعہ آئندہ کی متعلق صرف اسقدر معلوم ہو سکا تھا ، کہ نواب خالد آشیان کی منشی امیر احمد مینائی مرحوم کی حوالہ کر دیا . لیکن حسن اتفاق سے کتاب کی طباعت ختم نہوتی تھی ، کہ منشی عتیق الرحمن خان کلیم رامپوری کی قطعہ مذکور پیش کیا اور بتایا کہ میں نے امیر مینائی مرحوم کی پوتوں سے حال میں پرانی ردی خریدی ہے ، اوس میں سے یہ قطعہ دستیاب ہوا ہے . حقیر عرشی نے اسی گنج باد آورد شمار کرتے ہوئے مر دست آخر میں شامل کر دینا مناسب خیال کیا . انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں اپنی مقام پر درج کیا جائیگا .)

(قطعہ)

ہند میں اہل تسنن کی ہین دو سلطنتیں
حیدرآباد دکن ، رشک گلستان ارم
رامپور اہل نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہان ہشت بہشت آکے ہوئی ہین باہم
حیدرآباد بہت دور ہے . اس ملک کے لوگ
اوسطرف کو نہیں جاتے ہین . جو جاتے ہین تو کم
رامپور آج ہے وہ بقعہ معمور ، کہ ہے
مرجع و مجمع اشراف نژاد آدم
رامپور ایک بڑا باغ ہے از روی مثال
دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و خورم

ص ۶۶ ، حاشیہ نمبر ۳ -

ص ۶۹ ، حاشیہ ، سط ۵ -

ص ۷۵ ، حاشیہ ، سط ۴ -

ص ۷۸ ، حاشیہ ، سط ۲ -

ص ۸۰ ، سط ۱۸ -

ص ۹۵ ، حاشیہ نمبر ۱ ، سط ۲ -

ص ۹۹ ، خط ۹۱ -

جس طرح باغ میں ساون کی گھٹائیں^(۱) بر سین
 ھے اوسی طور پہ یان دجلہ فشان دستِ کرم
 ابرِ دستِ کرمِ کلبِ علیخان سے مدام
 دُرّ شہوار ھین، جو گرتے ھین قطرے پیہم
 صبحدم باغ میں آجائے جسے ھو نہ یقین
 سبزہ و برگِ گل و لالہ پہ دیکھے شبنم
 حَبّدا باغِ ہمایونِ تقدس آثار
 کہ جہان چرنے کو آتے ھین غزالانِ حرم
 مسلکِ شرع کے ھین راہرو و راہ شناس
 خضر بھی یان اگر آجائے تو لے انکے قدم
 مدح کے بعد دعا چاہیے اور اہلِ سخن
 اسکو کرتے ھین بہت بڑھکے بہ اغراق رقم
 حق سے کیا مانگیے؟ انکے لئے جب ھو موجود
 ملک و گنجینہ و خیل و سپہ و کوس و علم
 ھم نہ تبلیغ کے مایل نہ غلو کے قابل
 دو دعائیں ھین کہ وہ دیتے ھین نواب کو ھم
 یا خدا! غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
 دو وہ چیزیں کہ طلبگار ھے جنکا عالم
 اولاً عمرِ طبعی بہ دوامِ اقبال
 ثانیاً دولتِ دیدارِ شہنشاہِ امم

ص ۱۰۳، حاشیہ نمبر ۲، سط ۱۔ لکھدیا، بجاؤ، لکھدیا۔

ص ۱۰۴، حاشیہ نمبر ۱، سط ۱۔ مشفق، بجاؤ، مشفق۔

ص ۱۰۵، حاشیہ نمبر ۱، سط ۱۲۔ اضافہ کیجی، مظفر حسین خان نے سنہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) میں انتقال

کیا (کلیات منیر، ص ۵۴۷)۔

(۱) میرزا صاحب نے گھٹائیں، لکھا ھو۔

The Rampur State Library Publication Series. No. 1.

MAKĀTĪB-I-GHĀLIB

A collection of 115 letters of Najm-ud-Dawlah Dabir-ul-
Mulk Mirzā Asad-ullah Khān Bahādur *Ghālib*
Nizām-Jang Dihlawī addressed to
Nawwāb Firdaws-Makān,
Nawwāb Khuld-Āshyān
and other persons.

Edited by
IMTIYĀZ 'ALĪ 'ARSHĪ
Librarian, The State Library, Rampur State, U.P., India.



(All rights reserved)

QAYYIMAH PRESS

(PROPS.: SHARAFUDDIN & SONS)

BOMBAY

1937

